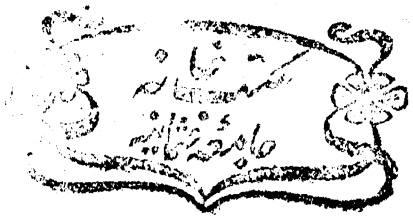
UNIVERSAL
LIBRARY
OU_228893
UNIVERSAL
LIBRARY

تا ولیت را

شرح غزلیات نظیری

مع متن



حصّہ دوم

مرتبہ

جناب مولانا حافظ عبدالمجید صاحب بی۔ اے (علیگ) منشی فاضل، مؤلف مہبطِ انوار شرح مخزن اسرار و جہاں نمائے جہانکشائے خلاصہ جہانکشائے نادری +

ناشر

ملک بشیر احمد تاجر کتب کشمیری بازار لاہور

جملہ حقوق شرح و ترجمہ بحق ناشر محفوظ۔ قیمت عہ طبع اوّل

المرتب محمد صدیق خوشنویس متصل [illegible]

کتب نصاب امتحانات علوم مشرقی پنجاب یونیورسٹی سنہ ۱۹۳۸ء

نام کتاب	قیمت
منشی سنہ ۱۹۳۸ء	
۱۔ احسن القواعد	عہ
شعر العجم حصہ اول	عہ
۲۔ سبد گل حصہ نثر	عہ
وقائع عالمگیر	عہ
تکمیل نباتات	۴
گلستان باب پنجم خارج	۱۰
۳۔ سبد گل حصہ نظم	عہ
تحفۃ الاحرار جامی مقالہ ۱ و ۲ خارج	۶
رباعیات عمر خیام	۴
۴۔ اخلاق محسنی	۸
۵ ترجمتین یعنی فارسی سے اردو	
اور اردو سے فارسی میں	
۶۔ قواعد عربی میر احمد شاہ رسولانی	۳
دیا) نحو میر ۳۔ سلم الادب	۰
منشی عالم	
۱۔ رسالہ عبد الواسع رصنعت	
ہجا خارج	۳
عروض سیفی	۳
شعر العجم حصہ دوم	عہ
" " سوم	عہ

نام کتاب	قیمت
۲۔ گلشن معانی (نثر)	عہ
سرگذشت وزیر خان لنگر اں	عہ
تذکرہ دولت شاہ سمرقندی	عہ
(طبقہ اول تا پنجم)	عہ
صرف ادبی سوالات ہونگے	عہ
لسان العجم حصہ اول	۴
مہر نیمروز غالب	۱۰
۳۔ گلشن معانی (نظم)	عہ
مطلع الانوار (مقالہ ۵ و ۱۰ خارج)	۶
قصائد عرفی	۴
۴۔ اخلاق ناصری	۸
۵۔ ترجمتین وجواب مضمون فارسی	
۶۔ کتاب الصرف ۱۲ کتاب النحو	
عربی الف۔ اے کورس جدید حصہ نثر	عہ
منشی فاضل سنہ ۳۸ء	
۱۔ دبیر عجم	عہ
جواہر النحو رجدید عربی کورس	
بی۔ اے حصہ نثر)	عہ
شعر العجم چہارم عہ پنجم	عہ
۲۔ چہار مقالہ تصحیح و انتظام	عہ
مقدمہ مولوی رشید احمد صاحب بی اے	عہ

نام کتاب	قیمت
منشی فاضل۔ ادیب فاضل	۴
حاجی بابا اصفہانی	عہ
حیات نامہ ابراہیم بیگ دوم	۱۲
ابو الفضل اول و سوم	عہ
وکلائے مرافعہ	۳
۳۔ قصائد قاآنی مع حالات	۴
غزلیات نظیری (تا ردیف را)	۱۰
دیوان فرخی حصہ داخل نصاب	عہ
منطق الطیر عطار	۱۲
رباعیات باباطاہر مع ترجمہ	۹
شرح از ملک احمد یار خاں بی اے	عہ
رباعیات ابو سعید ابو الخیر	۶
تاریخ وصاف (تا اختتام جلوس)	۸
ارغون	عہ
سیر المتاخرین از بابر تا جہانگیر	عہ
(نوٹ) اس پرچہ کے سوالات عبارتی	
و تاریخی دونوں طرز پر ہوں گے	
۵۔ اخلاق جلالی رجلد ثالث و نغمہ خارج	عہ
رموز حکمت	عہ
درۃ اخبار مطبوعہ یونیورسٹی کشف المحجوب	
(تا اختتام احوال صوفیہ کرام)	عہ

ملنے کا پتہ۔ ملک بشیر احمد تاجر کتب کشمیری بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف الدال

غزل نمبر ۱

بحر رمل مثمن مخبون اخری رکن مخبون یا مسکن مقصور

تقطیع
پر دہ بر دا شتہ ام از غم پنہا نے چند
فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن
بزیاں میرود امروز گریبانے چند
فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

۱ پردہ برداشتہ ام از غم پنہانے چند — ۱ بزیاں میرود امروز گریبانے چند
۲ زاں ضعیفاں کہ وفا داشت دریں شہر اسیر — ۲ قفسے چند بجا ماندہ و زندانے چند
۳ سروسامانِ سخن کردنِ ایں جمع نیست — ۳ پہلوئے من بنشانید پریشانے چند
۴ بس خرابی کہ زیکدیگر ماں نشناسند — ۴ ماندہ ایم از دہِ غارت زدہ ویرانے چند
۵ کشتہ از بسکہ فتادند کفن نتواں کرد — ۵ فکرِ خورشیدِ قیامت کن و عریانے چند
۶ ہیچ دل راستمِ حادثہ مجروح نکرد — ۶ کہ نہ لعلِ تو براں ریخت نمکدانے چند
۷ ہیچکس را سرِ پائے نزد ایام کہ ما — ۷ پشتِ دستے نگزیدیم پدندانے چند
۸ برِ عشرت طلبی لختِ دل آرم بیروں — ۸ چیدہ ام از گلِ ایں بادیہ دامانے چند
۹ چشم بر فیضِ نظیری ہمہ خوبان دارند
کاسہ در پیشِ گدا داشتہ سلطانے چند

(۱) میں نے اپنے بعض پوشیدہ غموں کو آج ظاہر کر دیا ہے۔ (درد عشق کی مصیبتوں کو بیان کر دیا ہے) اس لئے آج کئی گریبانوں کا نقصان ہو رہا ہے۔ (میری داستانِ درد کو سنکر لذت آشنایانِ درد تاب ضبط نہیں لا سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے عشق کی تکلیفیں سب سے بڑھ کر برداشت کی ہیں)

(۲) اُن پچاروں (کی یادگار) سے جنہیں وفا نے اس شہر میں مقید کر رکھا تھا۔ اب صرف چند قفس اور چند قید خانے باقی رہ گئے ہیں۔ (عشق میں وفا کے دامن کو کبھی نہ چھوڑنے والے چل بسے۔ اُن کی یادگار میں اُن کی گرفتاری اور قید و بند کے سامانوں کی صورت

میں باقی رہ گئی ہیں۔ اب صرف ہوس پرست اور خام کار لوگ ہی باقی رہ گئے ہیں)

(۳) (جمع اور پریشان میں تضاد ہے۔ جمع سے مراد دنیا کے ساز و سامان سے مطمئن ہو جانے والے لوگ۔ پریشان۔ عشاق۔ راہِ عشق میں سرگرداں) مجھے ان دنیادار لوگوں سے باتیں کرنے کا سلیقہ نہیں۔ (اگر میری باتیں سُننی ہیں تو) میرے پاس چند پریشان حالوں کو بٹھلا دو۔ (کہ کند ہم پیشہ با ہم پیشہ پرواز خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے چند)

(۴) (ہم پر) کس قدر بربادی آئی ہے۔ کہ لوگ ہمیں (بربادی میں مساوی ہونے کی وجہ سے) ایک دوسرے سے تمیز نہیں کر سکتے۔ (ہماری مثال ایسی ہے گویا ہم) ایک لٹے ہوئے گاؤں کے کچھ گھنٹھر باقی رہ گئے ہیں (ویرانے چند سے ظاہر ہے کہ شکست و ریخت کے بعد کھنڈر میں تمیز و خوار ہو جاتی ہے۔)

(۵) مقتول اس کثرت سے پڑے ہیں کہ اُن (سب) کا کفنایا نہیں جا سکتا یوں سمجھ لو کہ عرصۂ محشر میں مردے پڑے ہیں۔ اور آفتاب محشر کی نورانی کرنیں ان کی کفن پوشی کا سامان کر رہی ہیں ۔ چند۔ ایک سے پانچ یا نو تک کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور معدودے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے یہاں)

(۶) کوئی دل ایسا نہیں جسے حادثۂ ستم نے زخمی کیا ہو اور تیرے لعل (جیسے سُرخ) لبوں نے اس پر کچھ نمکدان نہ چھڑک دیئے ہوں (نمکدان بمعنی معروف اور نیز کنایہ از دہن معشوق۔ عشاق کے دل بوستمہائے عشق سے مجروح ہو رہے ہیں۔ معشوق اُن پر طعنِ بیوفائی وغیرہ کے چوکے لگا کر اور نمک پاشی کرتا ہے)

(۷) زمانے نے کسی شخص کو ٹھوکر نہ ماری کہ ہم نے اُس پر اپنے دانتوں سے اپنی پُشت دست کو نہ کاٹا۔ (جب کسی شخص پر مصیبت آئی ہے ہمارے دل میں اُس کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے ۵ خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر ۔ ساری جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے)

(۸) (تجھ میں اور مجھ میں بہت فرق ہے) تو عیش و طرب کے پھل (یا پہلو) کا خواہشمند ہے (بوالہوس ہے) اور میں دل کے ٹکڑے کر کے نکال رہا ہوں۔ (یہ اشعارِ عشقیہ جو میرے وارداتِ قلب ہیں۔ بہت کاوش سے نکالتا ہوں) میں نے اس جنگل کے پھولوں سے کئی دامن بھر لئے ہیں۔

(۹) تمام حسین (معشوق) نظیری کے فیضِ عشق کے اُمیدوار ہیں۔ (چشم داشتن۔ اُمید اور توقع رکھنا) گویا چند سلاطین نے ایک گدا کے سامنے کاسۂ گدائی پھیلا رکھا ہے۔ (نظیری گدا ہے اور معشوق سلاطین حسن ہیں جو نظیری کے ذوق و نیاز سے اپنے حسن کی آرائش کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بغیر عشق نظارہ باز کے حسن کی تمام زینتیں بے سود ہیں حسرت ۵

انہیں خود ناز ہے اپنی صورت پر کہ برسوں سے
پرستش کر رہا ہے حسرتِ رنگیں بیاں میری

غزل نمبر ۲

بحر رمل مثمن مخبون استبدار کان

تقطیع
شمعِ رازن — دردلی در — شبِ تارا — خرشد
فاعلاتن — فعلاتن — فعلاتن — فعلن
روزِ عشرت — ہمہ خفتا — بخمارا — خرشد

شمع رازندہ دلی در شبِ تار آخر شد — ۱ — روزِ عشرت ہمہ در خواب و خمار آخر شد
شاخِ سرکش شد و دستِ ہمہ کوتاہ بماند — ۲ — جورِ گل چین و نزاعِ سرِ خار آخر شد
عندلیب ار نسرایید بقفس معذور ست — ۳ — گل بیازار نیرزند و بہار آخر شد
خلعتِ دہر باندازۂ حال اکنوں نیست — ۴ — چرخ را رشتہ بہم رفت و مدار آخر شد
ہمچو دینار کہ در پائے گریباں اُفتد — ۵ — کس نگفت از چہ شماریم و شمار آخر شد
کمتر از رنگِ حنا بود بما لطفِ جہاں — ۶ — سرِ دستے نفشاندیم و نگار آخر شد
فکرِ نا آمدہ اینست کہ امسال گذشت — ۷ — غمِ آئندہ ہماں بود کہ پار آخر شد

نقشِ رخسارِ تو بر صفحۂ جاں گشت رقم ۸ پردہ بر یک طرف انداز کہ کار آخر شد

۹ شاہدانِ گوشۂ چشمے بنظیری دارند
ہر چہ دل صید ہمیکرد شکار آخر شد

(۱) شمع کی زندہ دلی اندھیری رات میں ختم ہوگئی اور عیش کا دن تمام خواب وخمار میں گذر گیا۔

(۲) شاخ بلند ہوگئی اور تمام رخواہشمندوں) کا ہاتھ کوتاہ رہ گیا۔ (چونکہ اب ہاتھ شاخ بلند تک پہنچ ہی نہیں سکتا اس لئے) گلچیں کے ستم اور کانٹے کی نوک کا جھگڑا ختم ہوگیا ہے۔ (بلند مقاصد یا عشق کی کٹھن منزلوں میں ہر کس وناکس استقلال سے کام نہیں لے سکتا بے شمار لوگ یہاں ہمت ہار بیٹھتے ہیں)۔

(۳) بلبل اگر قفس میں نہیں گاتی۔ تو وہ معذور ہے۔ پھولوں کو لوگ ابھی بازار میں بھی نہیں لیجانے پائے تھے۔ کہ بہار ختم ہوگئی (بلبل کی نغمہ سرائی کا ذریعہ گل ہے جو بہار میں کھلتا ہے۔ مگر بہار اس قدر ناپائدار ہے کہ پھول بازار میں پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہوچکی۔ پھر وہ بلبل جو اسیرِ قفس ہے۔ نغمہ سرائی کا موقعہ کیسے پاسکتی ہے)۔

(۴) اب زمانے کا خلعت (ہمارے) حال کے مطابق نہیں رہا۔ (کیونکہ) چرخہ کا دھاگا اُلجھ کر رہ گیا ہے۔ اور اُس کی حرکت ختم ہوچکی ہے۔ زمانے نے جو پیرہن بنالیا تھا وہ ہمارے پیکرِ حالات کے مطابق نہیں (چرخ۔ چرخہ)۔

(۵) اُس دینار کی طرح جو کنجوس لوگوں کے ہیروں میں (سخاوت کے وقت) گر پڑتا ہے۔ (قابلِ ذکر لوگوں کی) گنتی ختم ہوگئی اور (ہمارے متعلق) کسی نے یہ نہ کہا کہ ہم کس شمار میں ہیں۔ (ہم بالکل بے وقعت ہیں)۔

(۶) ہمارے لئے دنیا کا لطف مہندی کے رنگ سے بھی زیادہ ناپائدار تھا کہ ابھی ہم نے ہاتھ پھیلا کے رقص (مستی) شروع بھی نہ کیا تھا۔ کہ رنگ اُڑ گیا۔ (درحقیقت عیش کا زمانہ جو ہمیں نصیب ہوا نہایت مختصر تھا یا یہ کہ عیش کا زمانہ یا وہ جو امتداد کے بھی مختصر معلوم ہوا کرتا ہے)۔

(۷) جو فکر ابھی پیدا نہیں ہوا وہ یہ ہے کہ "یہ سال" بھی گذر گیا۔ (سال رواں کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم ابھی ہم نے محسوس نہیں کیا) اور آئندہ کا غم یہی رہا ہے کہ "پارسال" گذر گیا۔ (مستقبل کی فکر پہلے سے نہیں کرتے بلکہ وقت ہاتھ سے نکل جانے پر افسوس کرتے ہیں)۔

(۸) تیرے رخسار کے نقش تو میری جان کے صفحے پر ثبت ہوچکے ہیں۔ اب پردہ اُٹھادے کہ (میرا) کام تمام ہوا جاتا ہے۔ (مزید تاب انتظار نہیں رکھتا) خالص تصوف کا شعر ہے مطلب یہ کہ خدا کی صفاتِ جمالی کے مطالعہ سے مجھ پر حالت انبساط طاری ہوچکی ہے۔

(۹) اب معشوق لوگ بھی نظیری کی طرف چشم التفات (مبذول) کئے ہوئے ہیں۔ جو چیز (چشمِ معشوق) پہلے میرے دل کو شکار کیا کرتی تھی۔ آخر وہ خود شکار ہوگئی)۔ (ہر چہ کی جگہ اگر ہر کہ ہو تو مُراد خود معشوق ہوگا۔ مگر میرے خیال میں ہر چہ سیاق وسباق کے لحاظ سے بہتر اور معنوں نرم ہے۔ پہلے مصرعہ میں "گوشۂ چشمے بنظیری دارند" کے الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں دیکھو ردیف دال پہلی غزل کا مقطع)

غزل نمبر ۳

بحر: مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاع لات مفاعیل فاعلن

تقطیع
ذوقے زمے نزاد — مے نزاد — کہ صد شور — شر نشد
بے باکیِ — ذوقِ نزاد — فاع لات — کہ صد شور — مفاعیل — شر نشد
بیباکی از مذاقِ خمِ مے بدر نشد
مفعول — فاع لات — مفاعیل — فاعلن

۱ ذوقے زمے نزاد کہ صد شور و شر نشد — بیباکی از مذاقِ خمِ مے بدر نشد
۲ ایں رسمہائے تازہ ز حرمانِ عہد ماست — عنقا بروزگارِ کسے نامہ بر نشد
۳ باز ایں چہ آفت ست درخت اُمید را — امسال ہم شگوفہ فشاند و ثمر نشد

بیہودہ برگذرگہ آفت نشستہ ایم ۴ شد کاروان و مردرہے جلوہ گر نشد
رُسوا منم وگرنہ تو صد بار در دلم ۵ رفتی و آمدی کہ کسے را خبر نشد
دستارِ مارِ گنج، گرہ در گلو شود ۶ خُم را کہ خشتِ میکدۂ تاجِ سر نشد
شب زندہ دار باش کہ تا پیرِ بُت تراش ۷ بیدار بود بتکدہ زیر و زبر نشد
در صدر چوں حضور نبود آستاں گزید ۸ ہرگز گدائے کوئے مغاں معتبر نشد

۹ بس نغمہا بگوشِ نظیری ہوس کشید
دراز دروں بہ بست و بہ بیروں در نشد

(۱) شراب سے کوئی ذوق ایسا پیدا نہ ہوا کہ جس سے آخر سینکڑوں شور و شر نہ پیدا ہوئے ہوں۔ شراب کے مشکے کے مذاق سے بیباکی دُور نہ ہو سکی۔ (بے باکی اور شور و شر شراب کا خاصہ ہے)۔

(۲) یہ نئے طریقے ہمارے زمانے کی محرومیوں میں سے ہیں۔ (کہ ہمارا نامہ برعنقا ہے) ورنہ عنقا کو کسی (عاشق) کے زمانے میں بھی نامہ بر نہیں بنایا گیا۔ (ہم ایسے محروم القسمت ہیں کہ ہمیں ہمارا نامہ بر عنقا یعنی معدوم ہے۔ اس سے زیادہ حرماں نصیبی کیا ہوگی کہ قاصد ہی نہیں ملتا)۔

(۳) یہ اُمید کے درخت پر پھر کیا آفت آئی ہے۔ کہ اس سال بھی شگوفے ہی جھڑ گئے۔ اور پھل نہ آنے پایا۔ (ہمیشہ کی طرح پھر اُمیدیں دل کی دل ہی میں رہ گئیں)۔

(۴) ہم بیکار اس آفت کے راستے (دُنیا) میں بیٹھے ہیں۔ قافلہ جا چکا اور کوئی مردِ راہ نمودار نہ ہوا۔ (دنیا میں ہم نے کسی مرد کامل کی تلاش میں بہت سرگردانی اٹھائی مگر بے سود۔ رہبر کامل ملتا ہی نہیں)۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ — پہچانتا نہیں ہوں ابھی رہبر کو میں

(۵) رسوا میں ہو گیا ہوں حالانکہ کبھی تیرے دل میں آیا نہ گیا۔ ورنہ تو تو سینکڑوں مرتبہ میرے دل میں آیا اور گیا اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ (مطلب یہ کہ معاملات عشق میں رسوائی بغیر حصول کے عاشق کا حصہ ہے)۔

(۶) (خدا کرے) اُس مشکے کے گلے میں خزانے کے سانپ کی پگڑی گرہ بن کر رہ جائے۔ جس کے سر کا تاج میکدہ کی اینٹ نہ بنی ہو (وہ مٹکا کسی کام کا نہیں جسے میکدہ میں بار نہیں ملا۔ اور جس کو میکدہ کی اینٹ کا ڈھکنا نصیب نہیں ہوا)۔

(۷) راتوں کو بیدار رہا کر (راتوں کو عبادت و ریاضت کیا کر) کیونکہ جب تک بوڑھا بُت تراش (آذر) بیدار رہا بتکدہ زیر و زبر نہ ہوا۔ (آذر۔ حضرت ابراہیم کے بت تراش اور بت پرست والد۔ جونہی وہ اپنے بُتوں کی طرف سے غافل ہوئے وہ توڑ دیئے گئے۔ مطلب یہ کہ تمنا ہر ایک قسم کی صورت گری ہے اس کے لئے شب بیداری اور محنت کی ضرورت ہے)۔

(۸) چونکہ مسند پر جگہ نہ تھی۔ اس لئے اُس نے دہلیز ہی کو پسند کر لیا۔ پیر مغاں کے کوچے کے گدا کے امتحان لینے کی نوبت ہی نہ آئی (طالب راہِ معرفت اُس کے دروازے کو چھوڑ کر کبھی نہیں جاتے۔ خواہ اُن کو حضوری نصیب ہو یا نہ ہو۔ اور اُس کی بخشش پر رکھنے کی کرم فرمائی کو بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر خیال کرتے ہیں)۔

(۹) ہوس نے نظیری کے کان میں بہت سے (دلکش) نغمے ڈالے۔ مگر اُس نے اندر سے دروازے کو بند کر لیا۔ اور باہر نہ نکلا۔ (ہوس کے نغموں سے متاثر نہ ہوا بلکہ قناعت گزیں رہا)۔

م نظیری آوردہ بہت معتقد ہے۔ الفاظ کی صنعت گری کو لازم شعر تصور کرتا ہے اس اعتبار سے اچھے شعر کہنے کیلئے شب بیداری کو ضروری تصور کیا۔

غزل نمبر ۴

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

تقطیع

قاصد	لیا زرد	تر ز آب	ل دارد
مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعولن
مے آید	دز اکوئے	زرفتن گ	ل دارد

قاصد دلے آزردہ تر از آبلہ دارد ۱ مے آید ازاں کوئے و زرفتن گلہ دارد

کس خیمہ نیفراخت بسر چشمۂ حیواں ۲ گاہے گذرے خضر بریں مرحلہ دارد

شاید کہ شود جلوہ گر از غیب جمالے ۳ چشمے ہمہ کس بر رہِ ایں قافلہ دارد

معشوق جمیل ست و غیور ار نہ بگویم ۴ مجنوں نسب از لیلیٰ ایں سلسلہ دارد

ہوئے بفراغت نکند در ہمہ صحرا ۵ دیوانہ کہ آہوئے رماں در گلہ دارد

دریاش ہمے باید و در ظرف نگنجد ۶ صد گونہ الم طائرِ کم حوصلہ دارد

فارغ ننشوم یک نفس از بندگیِ عشق ۷ شکرانۂ فرضے کہ کنم نافلہ دارد

بے بادہ کنم مستی و بے نغمہ زنم ذوق ۸ اینک مے و نے ہر کہ سرِ مشغلہ دارد

۹ چوں گفتہ و ناگفتہ بسنجیدنِ بخت است
شعرے کہ نگفتست نظیریؔ صلہ دارد

(۱) قاصد (جسے میں نے معشوق کے پاس بھیجا تھا) آبلہ سے زیادہ آزردہ دل ہو رہا ہے۔ (پھوٹ بہنے کو ہے) وہ اُس (معشوق کے) کوچے سے آ رہا ہے۔ اور وہاں جانے کے متعلق گلہ کر رہا ہے۔ (معشوق نے اس سے ناگفتہ بہ سلوک کیا ہے وہ افسوس کر رہا ہے کہ کاش جاتا ہی نہیں)۔

(۲) کسی شخص نے بھی کبھی آبِ حیات کے چشمہ پر خیمہ کھڑا نہ کیا۔ (کسی کو وہاں جم کر بیٹھنا نصیب نہ ہوا) ہاں! کبھی کبھار خضر کا گذر اس منزل پر ہوتا ہے۔

(۳) شاید غیب سے کوئی جمال (صاحب جمال) جلوہ گر ہو۔ ہر شخص اس قافلہ کی راہ پر نظریں جمائے ہوئے ہے۔

(۴) (میرا) معشوق حسین بھی ہے اور غیور بھی ورنہ میں کہہ دیتا کہ مجنوں اس خاندان کی لیلیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ (شاعر اپنے کو مجنوں قرار دیتا ہے مگر معشوقہ کو لیلیٰ سے تشبیہ دیتے ہوئے اُس کی غیرت اور حسن کی وجہ سے کتراتا ہے)۔

(۵) وہ دیوانہ جس کے گلے میں بدکنے والا ہرن موجود ہے۔ (باوجود اس وسعت کے) تمام صحرا میں (اطمینان سے) ہُو (نعرہ لگانا) نہیں کر سکتا (نظیری اس عاشق کا حال بیان کر رہا ہے جس کا محبوب اپنی نزاکت خیال کے باعث اظہارِ تمنا کی تاب نہیں لا سکتا گویا اس کو کیلئے اظہارِ عشق آواز ہوئے)۔

(۶) (میرا) کم حوصلہ پرندہ سینکڑوں قسم کے رنجوں میں مبتلا ہے۔ کہ اُسے دریا چاہیئے۔ حالانکہ وہ اسکے ظرف میں نہیں سما سکتا۔ (عاشق کی خواہشیں بہت بلند ہیں، جو اُسکے حوصلہ سے بڑھکر ہیں)۔

(۷) عشق کی بندگی سے ہمیں ایک پل بھی فرصت نہیں ملتی۔ جس فرض کا شکرانہ ادا کرتا ہوں اس کے نفل باقی رہتے ہیں۔

(۸) میں بغیر شراب کے مست ہو جاتا ہوں۔ اور بغیر نغمہ کے ذوق کا اظہار کرتا ہوں۔ جو شخص اس مشغلہ کی خواہش رکھتا ہو (اُس کے لئے) یہ شراب اور یہ بیسری حاضر ہے (اصطلاحات تصوف کے مطابق میں گویا نشہ پینے کے بغیر حالت وجد میں ہوں۔ میں گیت انہیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انہیں کے سمجھتے ہیں جو بے گت بے سر تال ہوئے بن تال کھاوج ناچے ہیں

(۹) چونکہ کہے اور اَن کہے (اشعار کا قدر پانا) قسمت کے وزن کرنے پر موقوف ہے۔ اس لئے وہ اشعار جو نظیری نے ابھی نہیں کہے اُن کا صلہ بھی اُسے مل جائیگا۔ (قسمت نے یاوری کی تو جو معانی دلآویز الفاظ موزوں کے میسّر آنے سے دل کے دل ہی میں رہ گئے ان کا بھی صلہ مل جائیگا۔)

غزل نمبر ۵

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تقطیع:

کمالے عا	شقی حیرا	نی دیدا	رمے آرد
مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
چو آتش دیر	رمے ماند	سمندر یا	رمے آرد

۱ کمالِ عاشقی حیرانیٔ دیدار مے آرد — چو آتش دیر مے ماند سمندر بار مے آرد

۲ نہ رشکِ خود فروشاں میکشد ناز کم سنجاں — فریبِ حسن غوغا از سرِ بازار مے آرد

۳ تو درخواہ از قضا چندانکہ فیروزی شود روزی — بخت ار در بلندی اختر از دیوار مے آرد

۴ بہ ہندو خطِ جمالِ یار سودائے عجب دارد — ہمہ اقرار و ایماں بُردہ و انکار مے آرد

۵ مُسلماں عاشقِ رخسار و ہندو والہِ زلفش — موحّد بیں کہ با ہم مصحف و زنار مے آرد

۶ مبارک فال صبحِ دولتِ دیدارِ میخواراں — کہ دست و پائے بختِ خفتہ را در کار مے آرد

۷ زخود بیناں چہ میگوئی ببزمِ بیخوداں بنشیں — کہ آبِ خضر اگر حاجت شود خمار مے آرد

۸ نظیری از نوازشہائے دردِ دوست در فرد قم
کہ چوں چنگم بضربت بر سرِ اسرار مے آرد

(۱) جب عشق کمال کو پہنچ جاتا ہے تو پھر (عاشق پر) حیرت طاری ہو جایا کرتی ہے۔ (مَنْ عَرَفَ رَبَّہٗ فَقَدْ کَلَّ لِسَانُہٗ۔ جس نے معرفت خالق پالی اُس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی) جیسے جب آگ عرصے تک (جلتی) رہتی ہے تو اس میں سمندر پیدا ہو جاتا ہے (سمندر۔ سام یعنی آگ اور اندر کلمۂ ظرف۔ وہ کیڑا جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ جب عرصے تک کسی مقام پر آگ جلتی رہے تو اس میں پیدا ہو جاتا ہے)۔

(۲) مجھے نہ تو خود فروشوں (مغرور) کا رشک مارتا ہے (تکلیف دیتا ہے) اور نہ کم عقل لوگوں کا ناز ہی بلکہ فریبِ حسن بازار سے شور و شر (اکٹھا) کر لیتا ہے۔

(۳) تو بے شک طلب کر (کے دیکھ لے) تیری کوشش سے نہ تو تجھے مقدر سے زیادہ مل سکتا ہے۔ اور نہ تیرے عدم طلب سے اُس میں کچھ کمی آ سکتی ہے) جس قدر کامیابی تیری قسمت میں (لکھی) ہے۔ (اُس کے لئے) اگر تو اپنی قسمت پر دروازہ بند کر دیگا تو تیرا ستارہ اُس (مقسوم) کو دیوار پر سے (پھاند کر) لے آئیگا۔

(۴) معشوق کا حسن رخ اس کے ہندو خط میں محصور یہ عجب سودا کر رہا ہے۔ کہ اقرار و ایمان کو تو لے جاتا ہے۔ اور اس کی بجگہ کفر و انکار کو لے آتا ہے۔ (شعر کا یہ ترجمہ اس صورت میں ہوگا کہ پہلا مصرعہ یہ ہندو خط جمالِ یار الخ ہو۔ اس صورت میں سودا کے معنی معاملہ اور لین دین کے ہونگے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پہلا مصرعہ شہید خط و خال یار الخ ہو۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ خط و خال محبوب کا شیدا کسی عجیب سودا (دیوانگی) میں مبتلا ہے کہ اقرار و ایمان کو چھوڑ کر کفر و انکار کو اختیار کئے جاتا ہے۔ اس صورت میں بھی سودا کے معنی معاملہ کے ہو سکتے ہیں۔ فتأمل)۔

(۵) مسلمان اسکے رخسار کا عاشق ہے اور ہندو اس کی زلف کا شیدا۔ ذرا اس موحّد کو دیکھو جو مصحف اور زنار دونو کو اکٹھا کئے ہوئے

ہے۔ (رخسار کو مصحف (قرآن مجید) سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ زلف اور ہندو میں سیاہ رنگ مناسبت ہے۔ معشوق کی وحدت پرستی یہ ہے کہ اُس نے ہندو اور مسلم دونو کو (اپنے عشق میں) یکجہت کر دیا ہے۔ مصحف اور زنار سے مراد اہل مصحف اور اہل زنار) ؛

(۶) میخواروں کے دیدار کی صبح دولت کیسی مبارک فال ہے۔ (میخواروں کے دیدار کو صبح دولت قرار دیا ہے) کیونکہ وہ بخت خفتہ کے ہاتھ پاؤں کو حرکت میں لے آتی ہے۔ (بخت خفتہ اُن کے دیدار سے بیدار ہو جاتا ہے)

(۷) ان خود بین (مغرور) لوگوں کا کیا ذکر کرتا ہے۔ بیخود لوگوں کی محفل میں جا بیٹھ۔ کیونکہ اگر آب حیات کی بھی ضرورت پڑیگی تو مے فروش لے آئیگا۔ (شراب معرفت جن لوگوں نے پی رکھی ہے۔ وہ زندہ جاوید ہیں۔ تجھے بھی یہ جاودانی زندگی وہیں ملے گی) ؛

(۸) اے نظیری! میں عشق محبوب کی مہربانیوں سے وجد میں آرہا ہوں۔ کیونکہ وہ (درد دوست) مجھے چنگ کی طرح ضرب سے اسرار (کے اظہار) پر آمادہ کر رہا ہے۔ (جس طرح ضرب سے چنگ سے نغمے نکلتے ہیں۔ اسی طرح ذوق محبت سے میرے منہ سے الہامی نغمے یعنی اشعار تازہ و بدیع نکلوا دیتے ہیں) ؛

غزل نمبر ۶

بحر ہزج مثمن اضرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

تقطیع

چو ابر	بہاری ب	برم سای	فگن شد
مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعولن
برہر ب	ربو مم ک	نظر کرد	چمن شد

۱ چوں ابرِ بہاری بسرم سایہ فگن شد — برہر برد و بو مم کہ نظر کرد چمن شد

۲ چوں شمع کہ شد رہبرِ پروانہ ز تابش — دلسوزیِ او باعثِ جاں بازیِ من شد

۳ میخواست شود قابلِ نظمم ببلاغت — صد پایہ نشیب آمد و بر اوجِ سخن شد

۴ بے جام ہمہ میکش و بے بادہ ہمہ مست — از نظمِ من آئینِ مغاں رسمِ کہن شد

۵ شک نیست کہ از نیم نظر کار بر آید — آنرا کہ دلیل آصفِ اعجازِ سخن شد

۶ ہمسایگیش را اثرِ ابرِ بہار ست — ہم خانہ گلستان شد و ہم خار سمن شد

۷ از یار و دیار ار نکنم یاد عجب نیست — از رشکِ من امسال غریبی بوطن شد

۸ بر خاکِ درش جائے شہیداں ندہد کس — لطفیست کہ کافورِ تن و عطرِ کفن شد

۹ مہمانِ بہشتی مخور اندوہ نظیری
نز ہنگہ حورانِ چمن بیتِ حزن شد

(۱) جب وہ ابر بہار میرے سر پر سایہ انداز ہوا تو اُس نے میرے جس قطعۂ زمین پر بھی نظر ڈالی وہی چمن (کی طرح سرسبز و شاداب) ہو گیا۔ (معشوق کی کوئی توجہ عشاق کی کامرانیوں اور کامیابیوں کی ضامن ہے) ؛

(۲) شمع کی مانند جو اپنی چمک اور جلنے کے باعث پروانے کی (اپنی طرف) رہنمائی کرتی ہے۔ اُس (معشوق) کی دلسوزی میری جانثاری کا سبب بن گئی۔ (جس طرح شمع جلتی ہے تو پروانہ آکر اُس پر قربان ہو جاتا ہے۔ محبوب کی دلسوزی دیکھکر میں اپنی جان کو اُس پر نثار کر دیتا ہوں) ؛

(۳) سخن (شاعری) کی خواہش تھی کہ وہ بلاغت میں میری نظم کے قابل ہو سکے اس لئے وہ (میری بلاغت) سو درجے نیچے اُتری اور پھر سخن اپنی بلندی کو پہنچا۔ (میری نظم اپنی بلندیوں سے سو درجہ نیچے اتری۔ پھر بھی اس کی بلندی اتنی ہے کہ شاعری کا انتہا

مقام وہی ہے) ٭

(۴) میری نظم کے سبب میفروشوں کا آئین ایک رسم کہن (متروک) ہو چکا ہے۔ کیونکہ (اس کے باعث) تمام لوگ بغیر جام۔ کہ میخوار اور بغیر شراب کے مست ہو رہے ہیں۔ (میرے اشعار میں شراب سے زیادہ مستی ہے) ٭

(۵) جس شخص کا رہنما معجزہ جیسے کلام والا آصف ہو گیا۔ کوئی شک نہیں کہ اُس کا کام ایک نیم نظر (ممدوح کی ذرا سی توجہ) سے حل ہو جائیگا (آصف اعجاز سخن بظاہر اشارہ ہے عبدالرحیم خانخاناں کیطرف جو نظیری کا ممدوح خاص تھا اور اکبر کا وزیر ہونے کی حیثیت سے حل

(۶) اُس کی ہمسائگی میں ابر بہار کا اثر ہے۔ کہ (اُسکی ہمسائگی میں) گھر باغ بن گئے ہیں اور کانٹے چنبیلی ٭

(۷) اگر میں اپنے دوست احباب اور وطن کو یاد نہیں کرتا۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ اس سال میرے رشک کے باعث مسافرت وطن میں چلی گئی ہے۔ (ممدوح کی بدولت مسافرت میں وطن کی سی آسائشیں مجھے حاصل ہیں) ٭

(۸) اُس کے دروازے کی خاک پر کوئی شہیدوں کو بھی جگہ نہیں دیتا۔ کیونکہ (اُس خاک میں) ایک ایسی لطافت ہے جو جسم کے لئے کافور اور کفن کے لئے عطر (کا حکم رکھتی) ہے۔ (شہید کو غسل اور کفن نہیں دیا جاتا۔ کافور غسل میت میں جسم کو اور عطر کفن کو ملا کرتے ہیں۔ جب شہید کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں تو اُسے وہاں جگہ کیوں ملے) ٭

(۹) اے نظیری تو مہمان بہشتی ہے غم نہ کھا۔ تیرا غم خانہ تو باغ کی حوروں کی تفریح گاہ بنا ہوا ہے ٭

غزل نمبر ۱

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تقطیع

بگوشم از پریدن ہائے	چشم آواز مے آید		زمے آید
مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
کہ از غربت دریں زودی	عزیزے باز مے آید		زمے آید

بگوشم از پریدن ہائے چشم آواز مے آید ۱ کہ از غربت دریں زودی عزیزے باز مے آید

مبارک پے ہوائے کز دیار دوستے خیزد ۲ کہ بے بال و پر آنجا مرغ در پرواز مے آید

بغل بکشائے پُر کن از غنیمت ہائے ایمانی ۳ کہ از تاراج حسن مملکت پرداز مے آید

بساط جادوئے برہم خورد جادو نگاہاں را ۴ کہ لب با حجت و رخسار با اعجاز مے آید

محالست اینکہ بر دامِ من نگاہِ من گذر افتد ۵ غزالے را کہ از پے صد کمند انداز مے آید

سپہ را روح در پرواز و شہ را بخت در ناز ست ۶ کہ از بالائیما در چنگِ آں شہباز مے آید

بترتیب صبوحی صبحدم دیدم کہ دولت را ۷ کمر مے بست دوراں خانخاناں باز مے آید

سعادت ہائے گوناگونست دوراں را کہ حسن او ۸ بہر انجام فصلے بر سر آغاز مے آید

نباشد محرم آہنگِ دولت قدرِ ہر سمعے ۹ نوا نازک بروں زیں پردہ ہائے راز مے آید

چو شد تسخیر دل مشتاق را درماں شکیبائیست ۱۰ کہ دل مینازد و دلبر بروئے ناز مے آید

نظیری دوستاں را راز دل ناگفتہ مے ماند
" تحمل کن کہ او خود بر سر ایں راز مے آید

ہم گویا سلیمان ہندوستان کا آصف ہے کہ آصف حضرت سلیمان کے وزیر کا نام تھا۔

(۱) میرے کانوں میں آنکھوں کے پھڑکنے کی (خوشخبری کی علامت) آواز آرہی ہے۔ کیونکہ جلدی ہی ایک دوست سفر سے واپس آرہا ہے (غالباً عبدالرحیم خانخاناں کی سفر سے واپسی کی طرف اشارہ ہے) ؛

(۲) مرا یک قدم ہے۔ وہ ہوا جو کسی دوست کے شہر (کی طرف) سے اُٹھ کر آتے۔ کیونکہ وہاں بے بال و پر پرندہ بھی اُڑنے لگتا ہے۔ (دوستے یا ئے مجہول کی جگہ اگر دوستی یائے معروف سے ہو تو معنی میں عمومیت اور خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس صورت میں دیارِ دوستی کا ترجمہ عشق و محبت کا شہر کیا جائیگا) ؛

(۳) بغل کھول اور ایمان کی غنیمتوں (کے مال) سے بھر لے۔ کیونکہ مملکت پرداز (مملکت کو سنوارنے اور آراستہ کرنے والا) حُسن لوٹ مار سے (واپس) آرہا ہے ؛

(۴) بڑے بڑے جادو نگاہوں (معشوق جن کی نگاہوں میں جادو کا سا اثر ہے) کی جادوگری کی بساط اُلٹی جارہی ہے۔ کیونکہ اُس کا (لب (ایک زبردست) دلیل اور اُس کا رُخسار ایک معجزے کے ساتھ (سامنے) آرہا ہے۔ (معشوق یا ممدوح کے لب بعلیں ایک دلیل اور اُس کا رُخسار معجزہ ہے۔ اور ان ہر دو کے سامنے بڑے بڑے جادو نگاہ معشوقوں کے حسن و غمزہ کا جادو بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ جادو معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا) ؛

(۵) جس ہرن کے پیچھے سینکڑوں کمند انداز (شکاری) آرہے ہوں۔ (جس کے بے شمار چاہنے والے ہوں) ناممکن ہے کہ اس کا گذر میری نگاہ کے جال میں ہو۔ (اُس کا میری طرف التفات ہونا ممکن نہیں) ؛

(۶) فوج کی روح (فوراً نبساط سے) پرواز کر رہی ہے اور بادشاہ کا بخت ناز کر رہا ہے۔ کیونکہ بلندی پر سے ایک ہما اُس شاہباز کے پنجے میں آرہا ہے ؛

(۷) میں نے صبح ہی صبح دیکھا کہ زمانہ حکومت کو صبوحی کی (مجلس) ترتیب دینے کے لئے کمربستہ کر رہا تھا۔ کیونکہ خانخاناں واپس آرہا ہے۔ (اُس کی آمد کی خوشی میں صبوحی کا جشن ترتیب دیا جارہا ہے) ؛

(۸) زمانے کو طرح طرح کی خوش بختیاں میسر ہیں۔ کیونکہ اُس کا حُسن ہر موسم کے اختتام پر پھر پہلی سی حالت پر آجاتا ہے۔ (اُس کا حُسن زوال پذیر نہیں) ؛

(۹) ہر کان کا مقدور نہیں ہے کہ وہ نوائے حکومت کا رازدان ہو۔ کیونکہ ان پردہائے راز سے نہایت نازک سُر نکلتے ہیں۔ (ان کو سننا اور سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ کہ ع رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند) ؛

(۱۰) جب (عشق میں) عاشق کا دل (کسی دلبر کے) قبضے میں چلا جائے۔ تو پھر (اُس کا) علاج صرف صبر ہے۔ کیونکہ دل بھی (اس تسخیرِ عشق پر) نازاں ہوتا ہے اور دلبر بھی ناز سے پیش آتا ہے۔ (جب دل آزارہائے عشق کو لذائذ سمجھ کر نازاں ہے۔ تو پھر تسخیرِ دل کا علاج سوائے صبر کے کچھ نہیں) ؛

(۱۱) اے نظیری! دوستوں کے دل کا راز ناگفتہ رہا جاتا ہے۔ (لیکن اس پر گھبرا نہیں بلکہ) صبر اور تحمل سے کام لے۔ کہ وہ (محبوب) خود ہی اس راز کو افشا کیا چاہتا ہے۔ (رازِ عشق کو اگر عاشق ظاہر کرنے نہیں پایا تو وہ یہ نہ سمجھے کہ محبوب اُس کی عشق پرستی سے ناواقف ہے۔ بلکہ بفحوائے ع "عشق اول در دلِ معشوق پیدا شود" خود ہی اس راز کو ظاہر کرنے پر مجبور ہوگا) ؛

غزل نمبر ۸

بحر مضارع مثمن مقبوض محبون آخری رکن مقصور (ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان)

تقطیع

بہ ہوش سے	چمن کن	کہ شاہدا	مستند
مفاعلن	فعلاتن	مفاعلن	فعلان
قرابہ بر	سرابرے	بہار بش	کستند

۱ بہوش سیرِ چمن کن کہ شاہداں مستند — قرابہ بر سرِ ابرِ بہار بشکستند

۲ چمن پیالہ کش است و صبا قدح پیمائے — معاشرانِ صبوحی ز خواب برجستند

۳ بزیرِ خرقہ نہاں بادہ میخورد صوفی — حکیم و عارف و زاہد ہمہ ازیں دستند

۴ جہان و عیشِ جہاں حرفِ قاف و سیمرغ است — درِ حریم فنا زن کہ نیستاں ہستند

۵ تو نخلِ خوش ثمر کیستی کہ باغ و چمن ۔۔۔ ہمہ ز خویش بریدند در تو پیوستند

۶ بضربتِ تو چناں تشنہ ام کہ صبر م نیست ۔۔۔ بقدرِ فرصتِ آں ماہیاں کہ در شستند

۷ ز بیقراریِ افلاک داغہا دارم ۔۔۔ کہ تا ز شوقِ تو بر خاستند ننشستند

۸ نوا فزون ست ترا ندازۂ بر بطِ عود ۔۔۔ غزل بزمزمہ خوانم کہ پردہا پستند

۹ برمز نکتہ ادا میکنم کہ خلوتیاں ۔۔۔ سرِ سبو نکشادند و در فرو بستند

ن بکشاد

۱۰ تو نخلِ میوہ فشاں باش در حدیقۂ دہر ۔۔۔ کہ کم درختِ قوی خشک شد کہ نشکستند

۱۱ ز کاہلی تو نظیری ز خزاں ایں چمنی
گہے بباغ شدی کز نشاط وارستند؟

(۱) ہوش سے سیرِ چمن کر کیونکہ حسینانِ چمن مست ہو رہے ہیں۔ اور انہوں نے شراب کی صراحی کو ابرِ بہار کے سر پر توڑ دیا ہے (یعنی ابرِ بہار کی موجودگی میں شراب کی ضرورت نہیں رہی کہ بہار خود سرور انگیز ہے)۔

(۲) باغ شراب پی رہا ہے اور صبا پیالے (بھر بھر کر) ناپ رہی ہے۔ (بادِ بہار میں شراب کی سی مستی ہے کہ چمن اس کے سبب مست ہو رہا ہے۔) اور صبح کے وقت مل کے شراب پینے والے دوست نیند سے اٹھ بیٹھے ہیں۔

(۳) صوفی بھی اپنی گدڑی میں چھپا کر شراب پی رہا ہے۔ حکیم۔ عارف اور زاہد سب اسی جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۴) دنیا اور دنیا کا عیش کوہ قاف اور سیمرغ (کی مانند مفقود اور صرف نام کو موجود) ہے۔ فنا کی چار دیواری کا دروازہ کھٹکھٹا (فنا فی اللہ ہو جا) کیونکہ جو لوگ اپنے آپ کو مٹا ڈالتے ہیں (حقیقت میں) زندہ وہی ہوتے ہیں۔

(۵) تو عمدہ پھل والا درخت کس کا ہے۔ کیونکہ باغ و چمن سب اپنے سے کٹ کر تجھ سے آملے ہیں۔ (سب بے اختیار تیری طرف کھنچے چلے آتے ہیں)۔

(۶) میں تیری (عشق کی) ضرب کا اتنا (خواہشمند) ہوں۔ کہ مجھے اس قدر (یا رائے) صبر بھی نہیں رہا جتنا ان مچھلیوں کو جو کنڈی میں (پھنس چکی) ہوں۔ (بے صبر ہو رہا ہوں کہ تیرے عشق کی تکلیفیں برداشت کرنے کا بے حد متمنی ہوں)۔

(۷) میں آسمانوں کی بے قراری کے باعث (اپنے دل پر رشک کے) بے شمار داغ رکھتا ہوں۔ کہ جب سے وہ تیرے شوقِ طلب میں کھڑے ہوئے ہیں۔ بیٹھے ہی نہیں (آسمان کی گردش اسی کی جستجو میں ہے۔ مجھے رشک آتا ہے کہ مجھے یہ مرتبہ حاصل نہیں)۔

(۸) نغمہ بربط کی تاروں کے اندازے سے بڑھ کر ہے۔ (بربط کی تاریں جوشِ نغمہ کو برداشت نہیں کر سکتیں) میں غزل کو گنگنا کر پڑھتا ہوں اس لئے کہ پردے پست ہیں۔ (نغمہ ہائے معرفت کو سننے کا اہل ہر شخص نہیں ہے۔ عود۔ بربط۔ ابریشم بربط کی تاریں جو ابریشم سے بنائی جاتی ہیں)۔

(۹) میں بھی نکتہ اشارے اور کنائے سے بیان کرتا ہوں کیونکہ خلوتیوں (اہلِ معرفت) نے (شراب کے) مٹکے کا منہ کھولنے سے پہلے ہی دروازے کو بند کر لیا۔ (راز حقیقت کو انہوں نے افشا نہیں ہونے دیا۔ میں بھی اسے بالفاظ صریح نہیں بلکہ اشارے اور کنائے میں بیان کر رہا ہوں)۔

(۱۰) تو باغِ دنیا میں میوہ فشاں درخت بن جا (مخلوقِ خدا کو فیض پہنچا) کیونکہ یہ بہت کم (دیکھنے میں آتا ہے) کہ ایک نصب طدرخت سوکھ گیا ہو اور لوگوں نے اسے کاٹ نہ ڈالا ہو۔ (بے ثمر درخت کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ بے فیض انسان بے ثمر درخت کے مشابہ ہے)۔

(۱۱) اے نظیری! تو اپنے گوناگوں مضامین کی وجہ سے درحقیقت بہار سے مشابہ ہے مگر کاہلی کے سبب اس باغ کی

خزاں بنا ہوا ہے۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ تو باغ میں گیا ہو۔ اور (اہل چمن) مسرت سے فارغ ہو گئے ہوں۔ (یعنی ایسا کبھی نہیں ہوا۔ کہ تو کسی انجمن میں گیا ہو اور اہل انجمن کی افسردگی کا ذریعہ بنا ہو)۔

غزل نمبر ۹

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف اضری رکن محذوف سبغ — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولان

تقطیع

ای جان	بہر سنگ	سیہ نور	فروشند
مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعولان
ایں پایۂ	بینش نہ	بہر کور	فروشند

۱ ایں پایۂ بینش نہ بہر کور فروشند — ایجا نہ بہر سنگِ سیہ نور فروشند

۲ شرط است کہ از خویش و وطن دور فروشند — فریاد کہ ہر کس با سیری فتد او را

۳ یک ذرہ ز خاکستر منصور فروشند — غیرت نگذارد کہ بچشم و دلِ منکر

۴ ہر چند کہ جولاں بسرِ طور فروشند — زیبندہ بود دعوی مستوری خوباں

۵ در وادیٔ دوری شب دیجور فروشند — سر دیست چناں خانقہ و دیر کہ آتش

۶ فردوس بیک توشۂ انگور فروشند — آں دُرد کشانے کہ شناسائے عیارند

۷ کز ہند برندم بہ نشاپور فروشند — اخراجِ مغل خواہم و تاراج قزلباش

۸ ویرانہ کہ در کشورِ معمور فروشند — در عشقِ تو با قدر و بہایم کہ عزیز است

۹ یک سینہ بصد ضربتِ ساطور فروشند — قرباں شدگانِ تو بقصّابِ سر کوے

۱۰ بارِ بشِ دل و سینۂ ناسور نظیری
خوش باش کہ کم بندۂ رنجور فروشند

(۱) یہاں (عشق میں) ہر سیاہ پتھر کو نور نہیں بخش دیتے (ہر پتھر آئینہ نہیں بن سکتا یا ہر پتھر اُس کے جلوۂ نور کے پرتو کی قابلیت نہیں رکھتا) ہر اندھے کو عقل و بینش کا یہ مرتبہ نہیں دیا جاتا۔

(۲) فریاد ہے کہ جو شخص بھی اُس (عشق) کی قید میں پھنس جاتا ہے۔ اُس کے لئے ضروری ہے کہ (اُسے) عزیز و اقارب اور وطن سے دُور جا بیٹھے ہیں۔ (عشق میں برادری۔ وطنیت اور دوسرے تمام تعلقات کو ترک کرنا پڑتا ہے)۔

(۳) غیرت (عشق کی) اجازت نہیں دیتی کہ منکرِ (عشقِ حقیقی کی لذت سے ناآشنا) کے چشم و دل کو منصور کی خاکستر کا ایک ذرہ بھی دیں۔

(۴) ہر چند کہ وہ اپنے جلووں کو طور پر ظاہر کرتے پھریں۔ پھر بھی معشوقوں کو پردہ نشینی کا دعوے زیب دیتا ہے۔

(۵) خانقاہ اور آتشکدہ ایسے سرد ہو چکے ہیں۔ کہ (اب) آگ اندھیری رات میں دُور دراز کی وادی میں ہی جلاتے ہیں۔ (عشقِ حقیقی کی لذت سے خانقاہ نشین اور پرستارانِ آتش سب محروم ہیں۔ اس فیض سے صرف وہی مستفیض ہیں جو آبادیوں سے دُور اندھیری راتوں میں اُس معشوقِ حقیقی سے لَو لگائے بیٹھے ہیں۔ "وادی دور" اور "شب دیجور" میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وادی ایمن کے قصہ کی طرف تلمیح ہو سکتی ہے)۔

(۶) وہ تلچھٹ پینے والے جو خالص (شراب) کو بیچا نہ کرتے ہیں وہ فردوس کو انگور کے ایک خوشے کے عوض دیدیتے ہیں۔ (عشق حقیقی کی شراب سے سرشار لوگ معشوق حقیقی کے طلبگار ہیں۔ اور بہشت کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کرتے) ؛

(۷) میں مغلوں کا اخراج چاہتا ہوں اور قزلباشوں کی تباہی و بربادی۔ تاکہ مجھے ہندوستان سے لیجا کر نیشاپور میں جہاں میرا وطن ہے پھر آباد (وطن میں بے قراری کا اظہار کیا ہے) ؛

(۸) تیرے عشق میں باقدر و قیمت ہوں (تیرے عشق کی وجہ سے معزز ہوں) کیونکہ وہ دیوانہ جو آباد علاقہ میں ہوتا ہے قیمتی ہوتا ہے (میں عشق میں منفرد ہوں اور سب کچھ ترک کر چکا ہوں) ؛

(۹) وہ جو تجھ پر قربان ہو چلے ہیں کوچے کے قصاب کے سامنے اپنے ایک سینہ کو چھری کی سو ضرب کے لئے پیش کر دیتے ہیں (عاشقان صادق عشق میں ہر قسم کے رنج و ایذا کو نہایت کشادہ پیشانی سے قبول کرتے بلکہ لبیک کہتے ہیں) ؛

(۱۰) اے نظیری تو دل کے زخم اور سینے کے ناسور سے خوش رہ۔ کیونکہ بیمار غلام کو نہیں بیچا کرتے۔ (تو عشق کا بیمار ہے اس لئے تجھے نہیں بیچیں گے) ؛

غزل نمبر ۱

بحر مضارع مثمن اخرب — ارکان:- مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

تقطیع { مابید / مفعول / مردود — بوستانیم / فاعلاتن / دوستانیم — ازما / مفعول / مبتر — مرنباشد / فاعلاتن / مرنباشد

مابید بوستانیم مارا ثمر نباشد	۱	مردود دوستانیم ازما بتر نباشد
از لب بروں نیاید آواز عشقبازاں	۲	پرواز مرغ بسمل جز زیر پر نباشد
تاراج دیدگان ند آوارگان معشوق	۳	راہے نمیرود عشق کانجا خطر نباشد
صد در اگر کشایند بر خلق گاہ دیدار	۴	آنرا کہ چشم بستند راہش بدر نباشد
اوّل نشان مردی اخفائے کار خویست	۵	بہتر ازیں کہ گفتی دیگر ہنر نباشد
فیروزیٔ ضعیفاں در عجز و انکسارست	۶	تا نشکند صف ما مارا ظفر نباشد
تا دل بجائے خویشست دارد عنان دیدہ	۷	عاشق کہ شد پریشاں صاحب نظر نباشد
از تیغ کے ہراسم دیدار مزد قتلست	۸	خونے کہ عشق ریزد ہرگز ہدر نباشد
در گوشۂ نقابت سیر گل ست و نسریں	۹	زیں خوبتر نظر را ہرگز سفر نباشد
ہر جا رود مسافر حرف تو ارمغان ست	۱۰	یک خانہ نیست کز تو پُر از شکر نباشد
قاصد کہ میفرستی رطل گرانش دردہ	۱۱	کز ما خبر نیابد تا بے خبر نباشد

۱۲ - از شاخ لہو برگے حاصل نشد نظیری
لب تشنہ باد کشتے کز گریہ تر نباشد

(۱) ہم (ایسے ہیں جیسے) باغ میں بید ہیں کہ ہمیں پھل نہیں لگتا۔ ہم دوستوں (کی بارگاہ) کے مردود ہیں۔ ہم سے بدتر کوئی نہیں (بید کو پھل نہیں لگتا۔ ہم سے کسی کو ہماری فلاکت کے سبب فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس لئے سب ہم سے کنارہ کش ہو چکے ہیں) ٭

(۲) عاشقوں کی آواز (فریاد) لبوں سے باہر نہیں نکلا کرتی (جیسے) نیم جان پرندہ کی پرواز پروں کے نیچے ہی رہتی ہے۔ (عاشق نیم جان ہوتا ہے۔ اور اونچی آواز سے فریاد بھی نہیں کرتا۔ جیسے مرغ بسمل پر پھڑپھڑا کر رہ جاتا ہے اور اڑ نہیں سکتا) ٭

(۳) وہ لوگ جو معشوق کے عشق میں آوارہ ہیں وہ برباد ہو چکے ہیں۔ کیونکہ عشق کبھی وہ رہ نہیں چلتا جس میں خطرہ نہ ہو (عشق کی راہ نہایت خطرناک ہے۔ کہ یہاں نام و ننگ عزت و جاہ اور مال و دولت سب کچھ قربان کر دینا پڑتا ہے) ٭

(۴) اگر مخلوق پر دیدار (معشوق) کے وقت سو دروازے بھی کھول دیں تو جس شخص کی آنکھ (کارکنان قضا و قدر نے) بند کر رکھی ہے اس کو (اس جمال کے دیکھنے کا) واسطہ نہیں ملے گا۔ (اس کے جمال کا نظارہ صرف آنکھ والے ہی کر سکتے ہیں) ٭

(۵) بہادری کی سب سے بڑی علامت (اپنے) اچھے کام کو پوشیدہ رکھنا ہے یہ بات جو تم نے کہی (اخفائے کار خوب) اس سے بہتر کوئی ہنر نہیں ٭

(۶) کمزوروں کی کامیابی عاجزی اور انکسار میں ہے۔ جب تک ہماری صف ٹوٹ نہیں جاتی۔ ہمیں فتحمندی (نصیب) نہیں ہو سکتی (عشق میں کامیاب وہی ہے جو عجز و انکسار اختیار کر لے) ٭

(۷) جب تک دل اپنی جگہ قائم رہتا ہے وہ آنکھوں کو قابو میں رکھتا ہے۔ (کیونکہ) جو عاشق پریشان ہو جاتا ہے وہ صاحب نظر نہیں ہو سکتا ٭

(۸) میں تلوار سے نہیں ڈرتا۔ کیونکہ قتل کی مزدوری (بدلہ) معشوق کا دیدار ہے۔ اس لئے عشق جو خون کرتا ہے وہ رائگاں نہیں جاتا۔ (معشوق کا دیدار قتل عاشق کا کافی صلہ ہے۔ ہدر۔ وہ خون جس کا بدلہ یا معاوضہ نہ ہو۔ عاشق کا خون ضائع نہیں گیا۔ کیونکہ اسے معشوق کا دیدار حاصل ہو گیا ہے) ٭

(۹) تیرے گوشۂ نقاب میں گلاب اور نسترن کی سیر (کا لطف) ہے۔ (رخ معشوق گل و نسترن سے بڑھ کر ہے) نظر کے لئے اس سے بہتر کوئی سفر نہیں ہو سکتا ٭

(۱۰) (یہ) مسافر جہاں کہیں جاتا ہے۔ تیری باتوں کو (بطور) تحفہ لے جاتا ہے۔ (ہر جگہ تیرے عشق کی داستان بیان کرتا پھرتا ہوں) کوئی بھی گھر ایسا نہیں جو تیری بدولت شکر سے نہ بھر رہا ہو۔ دوسرا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ کہ جہاں کوئی مسافر جاتا ہے وہیں تیرا ذکر بطور ارمغان موجود ہوتا ہے۔ ہر مقام تیری شیریں یاد سے پُر شکر ہو رہا ہے ٭

(۱۱) اگر تو (ہماری خبر لینے کو) کسی قاصد کو بھیج رہا ہے۔ (تو بے شک بھیجدے مگر) اسے ایک وزنی پیالہ شراب پلانے۔ کیونکہ (ہم حالت بیخودی میں ہیں) جب تک وہ بیخود نہ ہو گا ہماری خبر نہ پا سکے گا ٭

(۱۲) اے نظیری لہو و بازی کی شاخ سے تو ایک پتہ بھی حاصل نہ ہوا (کچھ بھی نہ ملا) خدا کرے۔ وہ کمبختی پیاسی رہے۔ جو گریہ (کے پانی) سے سیراب نہ ہوئی ہو۔ (عشق اور گریۂ عشق ہی حاصل عمر ہیں۔ باقی تمام مصروفیتیں بے نتیجہ اور دور از کار ہیں) ٭

غزل نمبر ۱۱

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

نقطع

زگرد شہا	چشمش مست	تی پیما	ن مے خیزد
مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
گرہ کز اب	روا مے کھے	زدش مست تا	ن مے خیزد

۱ زگرد شہائے چشمش مستی پیمانہ مے خیزد — گرہ کز ابروان میخیزدش مستانہ مے خیزد

۲ چو در روز قیامت ہر کسے خیزد بسودائے — شہید نرگسش او از لحد دیوانہ مے خیزد

۳ مہیائے فنایم جلوۂ درکار مے خواہم — مہم بر بام تا بد آتشم از خانہ مے خیزد

۴ چراغ اہل عشق از کلبۂ من میشود روشن — نشیند ذرہ گر بر روزنم پروانہ مے خیزد

۵ زبس محو تصور کردن یارم نمیدانم — کہ در کاشانہ مے آید کہ از کاشانہ مے خیزد

ب تبسم

سبق از یک ورق لیلیٰ و مجنوں را چہ حالست ایں ۶ یکے دیوانہ میگردد یکے فرزانہ مے خیزد
ز شرحِ قصۂ ما رفتہ خواب از چشمِ خاصانرا ۷ شبِ آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ مے خیزد
برد دُنیا و دیں خواہی سرشکے بر جراحت ریز ۸ کزیں آب و زمیں صد خرمن از یک دانہ مے خیزد
۹ مگر گاہے نظیری میکند آرامگاہ اینجا
جنوں از سایۂ دیوارِ ایں ویرانہ مے خیزد

(۱) اُس کی آنکھوں کی گردش سے (شراب کے) پیالہ کی (سی) مستی پیدا ہوتی ہے۔ وہ گردِ (بل) جو اُس کے ابروؤں سے پیدا ہوتی ہے مستوں کی طرح اُٹھتی ہے۔ (اُس کی آنکھ میں شراب کی سی مستی اور گردِ ابرو میں مستانہ پن موجود ہے) ؛
(۲) جب قیامت کے دن ہر شخص اپنے (کسی خاص) خیال میں (منہمک) اُٹھے گا۔ تو اُس (معشوق) کی نرگس (جیسی آنکھ) کا شہید قبر سے دیوانہ (ہو کر) اُٹھے گا۔ (قبر سے اُٹھے گا تو وہ جس نرگس معشوق کا شہید ہو کر دفن کیا گیا تھا۔ اُسی خوبصورت کو لے کر اُٹھے گا) ؛
(۳) میں فنا ہونے کو بالکل مستعد ہوں۔ صرف ایک جلوے کی ضرورت ہے (کیونکہ) چاند میری چھت پر چمک رہا ہے۔ اور آگ میرے گھر سے اُٹھ رہی ہے۔ (عشق نے گھر میں آگ لگا دی ہے۔ ایک جلوۂ معشوق کا منتظر ہوں کہ دیکھوں اور دیکھتے ہی نقد جان حوالہ کر دوں) ؛
(۴) اہلِ عشق کا چراغ میری ہی جھونپڑی سے روشن ہوتا ہے۔ (عشق میں لوگ مجھ سے اکتسابِ فیض کرتے ہیں) اگر کوئی ذرہ بھی میرے روزنِ دیوار پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ پروانہ بن کر اُٹھتا ہے (لذت ناآشنایانِ عشق میرے فیضِ صحبت سے عاشقانِ کامل و صادق بن جاتے ہیں) ؛
(۵) میں چونکہ اپنے دوست کے تصور میں محو ہوں۔ اس لئے میں نہیں جانتا کہ کون گھر میں آتا ہے۔ اور کون گھر سے اُٹھ (کر چلا) جاتا ہے ؛
(۶) لیلیٰ و مجنوں کا سبق تو ایک ہی ورق (عشق) سے ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ ایک دیوانہ ہو جاتا ہے اور دوسرا ہوشیار اور سمجھدار بن جاتا ہے ؛
(۷) ہمارے قصے کی تفصیل سے خاصوں (خاصانِ سراپردۂ محبوب یا دوستانِ خاص) کی آنکھ سے نیند اُڑ گئی ہے۔ (حالت یہ ہے کہ) رات ختم ہونے کو آئی ہے اور بات میں سے بات پیدا ہوتی چلی جاتی ہے ؛
(۸) اگر دین و دنیا کا کچھ حاصل کیا چاہتا ہے تو اپنے (عشق کے) زخموں پر آنسو ٹپکا۔ کیونکہ اس پانی (آنسو) اور زمین (جراحت) سے تو ایک دانہ سے سینکڑوں خرمن پیدا ہو سکتے ہیں۔ (جراحت و اشکِ عشقِ دینی و دنیوی مقصد برآری کے کفیل ہیں) ؛
(۹) شاید کبھی نظیری اس جگہ کو اپنی آرام گاہ بناتا ہے۔ (یہی وجہ ہے) کہ اس ویرانے کی دیواروں کے سائے سے دیوانگی پیدا ہو رہی ہے۔ (نظیری کا جنون انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ اور اُس کا اثر یہ ہے کہ جہاں سے وہ گذرتا ہے یا جہاں وہ کچھ دیر آرام کرتا ہے وہاں آثارِ جنون نمایاں نظر آتے ہیں) ؛

غزل نمبر ۱۲

بحر رمل مثمن مخبون اخری رکن مخبون مسکن مقصور — ارکان:- فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

تقطیع	دوش برسو	زورِ بی	نِ برا تم	دادند
	فاعلاتن	فعلاتن	فعلاتن	فعلان
	سرچو شمعم	ببریدن	دُحیاتم	دادند

دوش بر سوزِ دل و سینہ برا تم دادند ۱ سرچو شمعم ببریدند و حیا تم دادند
نالہ کردم بنہاں عشوہ خموشم کردند ۲ گریہ کردم ز شکر خندہ نبا تم دادند

۱ دُرد و صافِ غم و شادی بمن ارزانی شد ۳ تا خُم و خمکدۂ عشق برا تم دادند
۲ پارہ پارہ جگرِ طور زغیرت خوں شد ۴ کہ کہے بودم و چوں کوہ ثباتم دادند
۳ گر سنہ دیدہ ترا ز مفلسِ کنعاں بودم ۵ خواجہ گشتم کہ ازاں حسن زکاتم دادند
۴ تا بمقصد سپرم کشتیِ مشتاقاں را ۶ از خضر ہمت و از نوح نجاتم دادند
۷ اخترم شعشعہ بر چرخ نظیری زدہ ست
کس چہ داند کہ چہ عالی درجاتم دادند

(۱) کل (روزِ ازل میں) مجھے (کارکنانِ قضا و قدر) نے دل اور سینہ کی سوزش کا حصہ دیدیا۔ (میری قسمت میں ازل ہی سے عشق کا آزار لکھدیا گیا) میرے سر کو شمع کی طرح کاٹ ڈالا۔ اور مجھے زندگی بخش دی (جس طرح شمع کا گل کاٹ دینے سے وہ زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عشق میں جل جل کر میں حیاتِ تازہ پاتا ہوں)۔

(۲) میں نے نالہ (کرنا شروع) کیا۔ تو انہوں نے ایک نازِ پوشیدہ سے مجھے خاموش کر دیا۔ میں رونے لگا۔ تو انہوں نے شکر خند سے مجھے مصری دیدی۔ (اُس کے عشوہ کو دیکھکر میں نے نالہ اور اُس کے شکر خند کو دیکھ کر گریہ موقوف کر دیا)۔

(۳) (دوسرا مصرعہ پہلے) جب سے (قضا و قدر نے) عشق (کی شراب) کا خم اور خمکدہ میری قسمت میں کر دیا ہے۔ (اُسی وقت سے) رنج و مسرت کی الجھٹ اور شراب صاف مجھے بخش دی گئی ہیں۔ (درد و صافِ غم و شادی میں لف و نشر مرتب ہے۔ غم کو دُرد اور شادی کو صاف سے تعبیر کیا ہے)۔

(۴) طور کا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر غیرت کے مارے خون ہو گیا۔ کہ میں (انسان) ایک تنکا (ساخفیر) تھا اور مجھے پہاڑ جیسا ثبات و استقلال بخشدیا گیا (طور اُس کے جلوۂ سرمدی کی تاب نہ لا سکا۔ اور انسان ضعیف البنیان کا قلب اُس کے انوار و تجلیات کا جلوہ گاہ بنا ہوا ہے)۔

(۵) میں کبھی مفلسِ کنعان (حضرت یعقوبؑ) سے بھی زیادہ دیدار کا بھوکا تھا۔ (مگر اب) میں مالا مال ہو چکا ہوں۔ کیونکہ مجھے اُس حسن کی زکوٰۃ مل گئی ہے۔ (اُس کے حسن نے مجھے تمام ضروریات سے مستغنی کر دیا ہے)۔

(۶) (دوسرا مصرعہ پہلے) مجھے (قدرت نے) خضر کی سی ہمت اور نوح کی سی نجات دیدی ہے۔ تاکہ میں مشتاقوں کی کشتی کو مقصد تک پہنچا دوں۔ (عشق کے طوفان میں خامکارانِ عشق کو منزلِ مقصود پر پہنچانا آسان نہیں۔ مجھے قدرت نے حضرت خضر کی سی ہمت رہنمائی اور حضرت نوح کی طرح اس طوفان سے خود بچ نکلنے اور دوسروں کو بچالے جانے کا یقین واثق بخشا رکھا ہے)۔

(۷) اے نظیری! میرے ستارے نے آسمان پر شعاعیں پھیلا رکھی ہیں۔ کسی کو کیا معلوم کہ مجھے قدرت نے کیسے کیسے اونچے مرتبے دیئے ہیں۔

غزل نمبر ۱۳

بحر ہزج مثمن احزب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

تقطیع	گلزار	ب شہر آمد	و بازار	چمن شد
	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعولن
	گوشے ہمہ	کس محوِ	غزلخوانیِ	من شد

۱ گلزار بشہر آمد و بازار چمن شد — گوشِ ہمہ کس محوِ غزلخوانیِ من شد
۲ تا جیب کشادم کہ ازاں نامہ برآرم — دیدم کہ صبا قافلہ صد بیتِ حزن شد

۱ ہر دخل کہ میخواست کند دشمنِ حاسد ۲ آمد بزبانش زدل و مُہرِ دہن شد
۳ از ظلمتِ شب مرغِ خروشاں نشد امشب ۴ ہر چند کہ در بندِ پر و بال زدن شد
۵ پُرزور تر از بادۂ تلخ ست محبّت ۶ عشقے کہ برد سال گذر کردِ کہن شد
۷ الفت دہِ ہجران و وصال است صبوری ۸ مخمورئ من توبہ دہ و توبہ شکن شد
۹ تا مے شنوم حُسن و وفا ہر دو غریب اند ۱۰ عاشق نشنیدم کہ ز غربت بوطن شد
۱۱ تا ہمسفرِ اشکِ خودم کار خراب ست ۱۲ ہر جا کہ شدم در پئے ویرانیِ من شد

۱۳ ہر زخم کہ برداشت زایّام نظیری
نے چاکِ گریبان شد و نے چاکِ کفن شد

(۱) باغ شہر میں آگیا اور بازار چمن بن گیا۔ (کیونکہ) ہر شخص کے کان میری غزلخوانی میں محو ہیں۔ (شہر میں میری غزلخوانی کے باعث بلبل کے نغموں اور چمن کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے) ؛

(۲) جب میں نے جیب کھولی کہ اُس میں سے خط نکالوں تو میں نے دیکھا کہ صبا سینکڑوں غم خانوں کی قاصد بن گئی ہے۔ (میرا نامہ اس قدر پُر از قصۂ غم تھا کہ ہوا جو اُس سے ٹکرائی۔ جہاں جہاں پہنچی غم کا اثر ساتھ لیتی گئی) ؛

(۳) میرا حاسد دشمن (میرے کلام پر) جو اعتراض بھی کرنا چاہتا تھا۔ وہ اُس کے دل سے زبان پر تو آیا۔ لیکن اُس کے منہ پر مُہر بن کر رہ گیا۔ (اوّل تو اعتراض ہی پوچ تھا۔ پھر ہیبت اور عدم استطاعت و قدرتِ بیان کی وجہ سے دشمن اُسے ظاہر بھی نہ کر سکا) ؛

(۴) آج رات کی تاریکی کی وجہ سے مُرغ نے بانگ نہیں دی۔ (رات بہت اندھیری تھی اس لئے مرغ نے بانگ نہ دی) ہر چند کہ اُس نے پر پھڑ پھڑائے۔ (در بندِ چیزے یا کارے شدن۔ کسی کام کے لئے آمادہ و مستعد ہونا) ؛

(۵) محبت (عشق) شراب تلخ سے بھی زیادہ تیز اور زبردست ہے۔ کیونکہ جس عشق پر ایک سال گذر جاتا ہے۔ وہ پُرانا ہو جاتا ہے۔ (شراب کہن تیز ہوتی ہے۔ عشق جس پر ایک سال گذر چکا ہو۔ شاعر اُسے پرانی شراب سے بھی زیادہ تیز قرار دیتا ہے) ؛

(۶) صبر وصال اور ہجر دونوں کو باہم ملا دینے والا ہے۔ (ہر دو میں صبر کی ضرورت ہے) اسی طرح میری مخموری توبہ کرانے والی اور توبہ توڑوانے والی بن گئی ہے۔ (خمار کی تکلیف توبہ آموز بھی ہے اور پھر اس لئے کہ خمار کا علاج شراب ہے توبہ شکن بھی ہے) ؛

(۷) جب سے مجھے سُننے کا موقعہ ملا ہے (میں تو یہی سُنتا آیا ہوں) کہ حُسن اور وفا دونوں مسافر (بے ثبات) ہیں۔ اس لئے میں نے نہیں سُنا کہ کوئی عاشق سفر سے وطن میں آیا ہو (وفا سے یہاں میرے خیال میں حسن کی طرف سے وفا مراد ہے نہ کہ عاشق کی طرف سے) ؛

(۸) جب سے میں اپنے آنسوؤں کا ہم سفر ہوں (عشق میں آنسو بہانا اختیار کیا ہے) میرا کام بگڑ گیا ہے۔ کیونکہ میں جہاں کہیں بھی گیا۔ وہ میری بربادی کے درپے رہا۔ (آنسو افشائے رازِ عشق کا سبب بن کر میری بربادی کا ذریعہ بنتے رہے) ؛

(۹) نظیری نے زمانے کی طرف سے جو زخم بھی برداشت کیا۔ وہ نہ تو چاک گریبان ہی بنا اور نہ چاک کفن ہی ؛

غزل نمبر ۱۴

بحر ہزج ثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

تقطیع

آخرب	مفعول	مفاعیل	فعولن
اکاف	مفاعیل	مفاعیل	براد

آخر بمن آں مغبچہ ہم کیش برآمد ۱ — واں کافر بیگانہ بمن خویش برآمد

نیش سیہم گرچہ نمود از صفِ مژگاں ۲ — نوشیں نگہے از عقبِ نیش برآمد

چشمش زکماں خانۂ ابرو بمن انداخت ۳ — ہر تیر کہ چالاک تر از کیش برآمد

اقبالِ دو گیتی بکلاہِ نمدی بود ۴ — دیہیم شہ از خانۂ درویش برآمد

کامے کہ بشمشیر و سناں دیر برآید ۵ — از دیدۂ خونین و دلِ ریش برآمد

بر خلق نگر دید گراں ہر کہ دریں بزم ۶ — پس از ہمہ رفت و ز ہمہ پیش برآمد

دیدیم ز سر تا قدمش حسن و شمائل ۷ — لیک از ہمہ خوبیش وفا بیش برآمد

دادیم بجاں منصبِ ہمرازیِ جاناں ۸ — دل نیز دوید و غرض اندیش برآمد

۹ سامان نشد از سعیِ خردکارِ نظیری

دیوانہ شد و از خود و از خویش برآمد

(۱) مغبچہ آخر میرا ہم مذہب نکلا۔ اور وہ بیگانہ وش کافر میرا اپنا (عزیز) ہی نکلا۔

(۲) اگرچہ اس نے مجھے پلکوں کی قطار کے کالے کالے ڈنک دکھلائے۔ لیکن اس ڈنک کے پیچھے سے نوش بھری نگاہ بھی نکل آئی (یہاں عشق میں تکلیفیں ہیں وہاں لطف اور راحتیں بھی ہیں)۔

(۳) (دوسرا مصرعہ مقدم) ہر وہ تیر جو اس کے ترکش میں سے سب سے تیز نکلا۔ اس کی آنکھ نے ابرو کے کمان خانے سے مجھ ہی پر پھینکا۔ (معشوق سب سے زیادہ نکاروں کے تیر بھی پر برساتا ہے)۔

(۴) دونوں جہان کا اقبال اس نمدی (نشین) ٹوپی میں تھا۔ (یہ عجیب بات ہے کہ) بادشاہی درویش کے گھر سے نکل آیا۔ (حقیقی اقبال فقر و درویشی میں ہے)۔

(۵) جو کام تلوار اور نشتر سے نہ مشکل نکل سکتا ہے۔ وہ خونیں آنکھ اور زخمی دل کی بدولت (بہ آسانی) پورا ہو گیا۔ (عشق میں گریہ و زاری اور عجز و انکساری سے کام چلتا ہے۔ نہ زور آوری اور زبردستی سے)۔

(۶) جو شخص اس مجلس (دنیا) میں سب سے بعد گیا اور سب سے پہلے نکل گیا۔ وہ لوگوں کو گراں نہیں گذرتا۔ (کم عمر اشخاص سے لوگ بیزار نہیں ہوتے ہیں)۔

(۷) ہم نے سر سے پاؤں تک اس کے خد و خال کو دیکھا۔ لیکن اس کی تمام خوبیوں سے بڑھ کر نکلی۔ (حسن و خوبی کے علاوہ معشوق میں وفا کی صفت بھی موجود ہے۔ شمائل = خصائل و صفات۔ غزل دعوت اور وضع قطع)۔

(۸) ہم نے معشوق کی ہمرازی (محرمیت) کا منصب جان کو دیدیا۔ (اس لئے کہ راز عشق کو جان کے ساتھ چھپائے ہوئے ہوں) کیونکہ دل بھی [illegible] اور خود خونی [illegible] اور ادھر ادھر چلے اور ادھر پھرے۔ (دل بھی راز عشق چھپا نہ سکا)۔

(۹) نظیری کی خردکار (عقلمندانہ) کوشش سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا (عقل سے عشق میں کام نہیں چلتا) اس لئے وہ دیوانہ ہوگیا اور خودی وخودپرستی کو چھوڑ دیا ؛

غزل نمبر ۱۵

بحر ہزج ثمن اخرب مکفوف آخری رکن محذوف مسبغ ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولان

تقطیع: یغمائے تو دستے بکم و بیش برآورد / تاراج تو دلق از بر درویش برآورد
مفعول مفاعیل مفاعیل فعولان
یغما ئے تُ دستے بکم و بیش برآورد
تاراج تُ دلق ز بر درویش برآورد

۱ یغمائے تو دستے بکم و بیش برآورد / تاراجِ تو دلق از برِ درویش برآورد
۲ عشقِ تو شک انداخت بہفتاد و دو ملت / حقیت آئینِ خود از کیش برآورد
۳ حُسنِ تو بقیدِ دو جہاں سلسلہ افراشت / آوازۂ آزادگی خویش برآورد
۴ از بیلکِ مژگانِ تو شد کشتہ جہانے / با آنکہ ندیدیم کے از کیش برآورد
۵ چوں از تو رہد صید کہ کعبینِ غزالت / چوں پنجۂ شیراں بغضب نیش برآورد
۶ خط نیست کہ بر عکسِ رُخت سایہ فگندست / از صیقلِ تیغ آئینہ ام ریش برآورد
۷ در مصلحتِ کس ترنم چنگ کہ عشقم / از کشمکشِ عقلِ کج اندیش برآورد
۸ عشق از خردم خوب رہانید نظیری
خون گرمی بیگانہ ام از خویش برآورد

(۱) تیری لوٹ نے کم اور زیادہ سب پر ہاتھ ڈالا (یعنی امیر اور فقیر کسی کو نہیں چھوڑا) اور تیری غارتگری نے درویش کے جسم پر سے گدڑی تک اُتار لی ؛
(۲) تیرے عشق نے مسترد بہتر فرقوں میں شک ڈال دیا۔ (کہ ان میں سے کوئی بھی راستی پر نہیں ہے) اور اپنے طریق کی سچائی کو مذہب سے ثابت کر دیا۔ (کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ تمام فرقوں میں سے صرف ایک ناجی ہوگا۔ شاعر کہتا ہے کہ وہ طریق عشق ہی ہے جو راہِ نجات ہے) ؛
(۳) تیرے حسن نے دونوں جہان کو اپنی قید میں لانے کے لئے سلسلہ پھیلا دیا۔ (دونوں جہان تیرے حسن کی قید میں ہیں) اور اپنی آزادی کی شہرت کو عام کر دیا۔ (حسن خود آزاد ہے) ؛
(۴) تیری مژگان کے تیروں سے ایک جہان قتل ہو چکا ہے۔ حالانکہ ہم نے دیکھا ہی نہیں کہ وہ (تیر مژگاں) کب ترکش سے نکلا (نگاہوں کے تیر سے ایک دنیا گھائل ہو رہی ہے۔ حالانکہ اس تیر کو کبھی کسی نے کسی کو زخمی کرتے دیکھا نہیں) ؛
(۵) (کعبین۔ غمزہ۔ کعبین۔ دو نوکیلے) شکار تجھ سے چھوٹ کر کہاں جا سکتا ہے۔ کہ تیرے ہرن (آنکھوں) کے کعبین نے اس طرح نیش نکال لئے ہیں جس طرح غضب کی حالت میں شیروں کے پنجے ہوں ؛
(۶) یہ جو تیرے چہرے کے مقابل سایہ افگن ہے۔ یہ (تیرے چہرے کا) خط نہیں ہے۔ (بلکہ) تلوار کے صیقل کرنے میں میرے آئینہ (دل) میں زخم ہوگیا ہے ؛
(۷) میں کسی کی مصلحت میں کبھی دست اندازی نہیں کرتا۔ کیونکہ عشق نے مجھے کج اندیش عقل کی کشمکش سے نکال دیا ہے (عشق نے تحمل آزاری اور مفاد ذاتی کے خیالات کو جن کا منبع عقل ہے۔ میرے دل سے نکال دیا ہے) ؛
(۸) اے نظیری! عشق نے مجھے عقل (کے پنجے) سے خوب چھڑا دیا۔ ایک بیگانے (معشوق) کی محبت نے مجھے اپنے (خودی) سے آزاد کر دیا۔ (عشق کی بدولت خودی ترک ہوگئی) ؛

غزل نمبر ۱۶

بحر مضارع مثمن اخرب — ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

تقطیع:
درد و غمت — که ہمچو ہما — استخواں خورند
مفعول — فاعلات — مفاعیل — فاعلات
بر من مبارک — اند گرم مغزِ جاں خورند

۱ درد و غمت که ہمچو ہما استخواں خورند — بر من مبارک اند گرم مغزِ جاں خورند
۲ بر نامہ ام مخند که آشفتہ خاطراں — موکز قلم کشند نے اندر بناں خورند
۳ مست آئیم بصلح اگر نکہتے بری — زاں مے که در محبتِ ہم دوستاں خورند
۴ نیشکر آنچناں نخورد کس ز دست دوست — کآزادگاں ز دست مبارز سناں خورند
۵ جانے و صد کرشمۂ مژگاں چہ مے کنم — ایں تیرہا تمام اگر بر نشاں خورند
۶ چشمِ ہزار تشنہ جگر در کمینِ تست — ترسم که خام میوۂ ایں بوستاں خورند
۷ آزادگاں بجائے رسیدند و ما ہماں — زاں رہروان که گرد پسِ کارواں خورند
۸ ہر جا گلیست بہرِ نظیری طرب گہیست
کے بلبلانِ مست غمِ آشیاں خورند

(۱) تیرا درد و غم (عشق) جو ہما کی طرح میری ہڈیاں کھائے جا رہا ہے۔ (مشہور ہے کہ ہما ہڈیاں کھاتا ہے) وہ میرے لئے مبارک ہیں۔ اگر وہ میرا مغز جان تک کھا جائیں ؛

(۲) میرے خط (کو پڑھ کر اُس) پر ہنسو نہیں۔ کیونکہ پریشان خاطر لوگ (عشاق) قلم بنانے میں ہزار تکلیفیں برداشت کرتے ہیں (خط لکھنے میں اُنہیں کیا کچھ عذاب برداشت نہیں کرنا پڑے ہونگے۔ مواز: قلم کشیدن۔ قلم سے تنکا نکالنا۔ قلم بنانا اور نے اندر بناں یا ناخن خوردن۔ تکلیف و اذیت برداشت کرنا۔ مجرموں کو سزا دینے کا ایک طریق کہ نے کا سرا باریک اور تیز بنا کر ناخنوں میں چبھوتے اور توڑتے ہیں) ؛

(۳) اگر تو اُس شراب کی ذرا سی خوشبو بھی پالے جو دوست ایک دوسرے کی محبت میں پیتے ہیں۔ تو تو (اُس بوئے شرابِ محبت سے) مست ہو کر میرے پاس صلح کی غرض سے آجائے۔ (محبت میں جو لطف ہے اگر تجھے اس کی ذرہ برابر بھی خبر ہو تو تو کبھی مجھ سے کھچا کھچا نہ رہے) ؛

(۴) کوئی شخص دوست کے ہاتھ سے اس طرح (شوق سے) گنّا لے کر بھی نہیں کھاتا۔ جس طرح (شوق سے) کہ (راہِ عشق کے) آزادہ مرد اپنے حریف مقابل کے ہاتھ سے خنجر کھاتے ہیں ؛

(۵) (میری) یک جان ہے اور (معشوق کی) پلکوں کے سینکڑوں کرشمے۔ اگر یہ تمام تیر نشانے پر بیٹھیں تو میں کیا کرونگا ؛

(۶) ہزاروں تشنہ جگر حریص (عشاق) لوگوں کی آنکھ تیری تاک میں ہے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ اس باغ کے کچے ہی پھل کو نہ کھا جائیں (جوان ہونے سے پہلے ہی تجھے اپنی حرص (ہوس رانی) کی آماجگاہ بنا لیں) ؛

(۷) آزاد لوگ تو کسی مقام (منزلِ مقصود) پر پہنچ گئے اور ہم اُسی طرح اُن مسافروں میں سے ہیں جو قافلے کے پیچھے کی گرد کھاتے ہیں۔ یعنی ؎

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا — ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

(۱) جہاں کہیں پھول ہے وہی جگہ نظیری کے لئے مقامِ طرب ہے مست بلبلیں آشیانے کا غم کب کھاتی ہیں۔ (بلبل کو آشیانے سے نہیں گل سے عشق ہے) نظیری کو بھی کسی خاص مقام سے اُلفت نہیں۔ جہاں کوئی حسین صورت نظر آجاتی ہے وہیں ڈیرے ڈال دیتا ہے) ؛

غزل نمبر ۱

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف آخری رکن محذوف مسلغ ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

تقطیع

مجلس چو بر شکست	تماشا بما رسید	مجلس چو بر شکست	تماشا بما رسید
مفعول	مفاعیل	فاعلات	فاعلات
در بزم چوں نماند	کسے جا بما رسید	در بزم چوں نماند	کسے جا بما رسید

۱ مجلس چو بر شکست تماشا بما رسید — ۱ در بزم چوں نماند کسے جا بما رسید

۲ دلال عشق بود و خریدار دلستاں — ۲ خود را فروختیم چو سودا بما رسید

۳ وی خندہ بر بضاعتِ درویش زد بلیش — ۳ صد کارواں شکر بہ نئے بوریا رسید

۴ بال و پر از درازیٔ منزل بسوختیم — ۴ پیغامِ بے نیازیٔ عنقا بما رسید

۵ آموخت ہر چہ عشوہ زگبری بما فروخت — ۵ اندوخت ہر چہ غمزہ ز یغما بما رسید

۶ گر گمرہیم تیرہ شب از خواب جستہ ایم — ۶ حُسنِ تو شور کرد کہ غوغا بما رسید

۷ بعد از ہزار سعیِ ثواب و مجاہدت — ۷ زنّارِ راہب و بتِ ترسا بما رسید

۸ مارا کجاست ارزشِ زخمِ التفاتِ تو — ۸ شد عام آنچنانکہ تمنّا بما رسید

۹ رحمے نما و مستیِ مارا زیادہ کن — ۹ زاں خم کہ یک پیالۂ صہبا بما رسید

۱۰ مشکل عنانِ نالہ نظیری تواں گرفت
بادِ بہار و نکہتِ صحرا بما رسید

(۱) جب مجلس درہم برہم ہوگئی تو ہماری باری آئی۔ (اب ہمیں کیا حاصل؟) جب مجلس میں کوئی بھی باقی نہ رہا۔ (سب اُٹھ گئے) تو ہمیں جگہ ملی۔ (اکیلے کیا کریں کہ لطفِ صحبت نہیں رہا) ؛

(۲) عشق دلال (سودا کروانے والا) تھا۔ اور خریدار معشوق (جیسا دل لینے والا) تھا۔ (جب ایسا دلال اور ایسا خریدار موجود تھا تو پھر) جب ہماری سودے کی باری آئی۔ تو ہم نے اپنے آپ کو (عشق کے ذریعہ معشوق کے ہاتھ) بیچ ڈالا ؛

(۳) کل اُس کے لبوں نے درویش کے سامان کی ہنسی اُڑائی۔ (درویش کی متاعِ حقیر کا طعن آمیز مذاق اُڑایا) تو اسی کے تنکوں میں مٹھاس کے سینکڑوں قافلے پہنچ گئے (اُس کے شکر خندہ کے اثر سے بے حد شیرینی حاصل ہوئی) ؛

(۴) منزل کی دوری کے سبب ہم نے اپنے بال و پر جلا ڈالے (مایوس ہوکر کہ ہم منزل پر پہنچ ہی نہیں سکتے) کیونکہ ہمیں عنقا کی بے نیازی کا پیغام پہنچ چکا ہے ؛

(۵) عشوہ نے جو کچھ کفر سے سیکھا ہمارے پاس بیچ دیا اور غمزے نے جو کچھ لوٹ مار میں جمع کیا وہ ہمیں مل گیا (اُس کے عشوے اور غمزے مجھے اپنی آماجگاہ بنائے ہوئے ہیں) ؛

(۶) اگر ہم گمراہ ہیں (تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) ہم اندھیری رات میں نیند سے اُٹھے ہیں۔ کیونکہ تیرے حُسن نے ایک شور مچا دیا جس

کی آواز ہم تک پہنچی۔ (راہِ معرفت بہت دشوار گذار ہے۔ اس راہ پر ہمیشہ یکسانیت اور اطمینان سے چلے جانا مشکل ہے۔ جیسے اندھیری رات ہو اور کوئی شخص شور و غل سنکر گہری نیند سے بیدار ہو تو ناممکن ہے کہ وہ راستے کے نشیب و فراز سے پوری طرح آگاہ ہو کر حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لئے راہ طے کر سکے)۔

(۷) ثواب اور مجاہدۂ نفس کی ہزاروں کوششوں کے بعد ہمیں راہب کی زنّار اور ترسا کا بُت ملا۔ (راہِ معرفت ضروری نہیں کہ مجاہدات و ریاضات سے طے ہو سکتا ہے۔ کہ عبادت و ریاضتِ شاقہ کے باوجود کسی شخص اور مقصودِ حقیقی کے درمیان کچھ بھی اُتنا ہی بُعد ہو جتنا کفر اور اسلام میں)۔

(۸) ہم میں تیرے زخم (عشق) کی قابلیت کہاں تھی (ہمیں جرأتِ عشق یوں ہوئی کہ) تیری مہربانی اور توجہ اس قدر عام ہو گئی (تو ہر شخص پر مہربانی کرنے لگا) کہ ہمارے دل میں بھی تمنّا پیدا ہو گئی (کہ ہم بھی عشق کے زخم کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئے)۔

(۹) (ہم پر) رحم کر اور (شراب کے) اُس مٹکے سے (اور شراب دے کر) جس کا ایک پیالہ شراب ہمیں (پہلے) مل چکا ہے۔ ہماری مستی کو اور بھی بڑھا دے۔ (شرابِ محبت جس کے ایک جرعہ سے ہم پہلے ہی مست ہو رہے ہیں۔ اور دے کر ہمیں اور زیادہ مست کر دے)۔

(۱۰) اے نظیری! (اب جبکہ) بہار کی ہوا اور صحرا کی خوشبو ہمیں آ رہی ہے۔ (موسمِ بہار آ گیا ہے) نالہ و فریاد کو روکنا مشکل ہے (عنانِ نالہ گرفتن۔ نالہ کو روکنا۔ موسمِ بہار میں عشق بھی جوش پر ہوتا ہے)۔

غزل نمبر ۱۸

بحرِ رمل مثمن مخبون آخری رکن مخبون مسکن مقصور

ارکان: فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

تقطیع

ہر سحر سل	سل از پا	ع صبا بک	شا یند
فا علاتن	فعلاتن	فعلاتن	فعلان
کز کشا دش	گر ہے از	دل ما بک	شا یند

ہر سحر سلسلہ از پائے صبا بکشایند ۱ کز کشادش گرہے از دلِ ما بکشایند

دردنا یافتنم سوخت ندانم زکجا ۲ بُلبلاں را بچمن راہِ نوا بکشایند

کارم از زلفِ گرہگیر تو پیچیدہ تر است ۳ سر ایں رشتہ ندانم زکجا بکشایند

آخر اے گل گذرے کن بگلستاں تا کے ۴ چشمِ نرگس برہِ بادِ صبا بکشایند

برہم افتادہ دل و دیدہ برانداز نقاب ۵ تا ہمہ عقدِ گہر، روئے نما، بکشایند

ہر کجا فتنۂ آں چشمِ سیہ درکار است ۶ کفر باشد کہ زباں را بدعا بکشایند

سیرِ ایں دائرہ بدنیست ولے مے ترسم ۷ چشم از خویش ببندند چو پا بکشایند

۸ گر بمیخانہ نظیری برم ایں زمزمہ را
مطربانم گرہ از بندِ قبا بکشایند

(۱) ہر صبح بادِ صبا کے پاؤں سے زنجیر (اس لئے) کھول دیتے ہیں۔ تاکہ اُس کے کھلنے سے ہمارے دل کی ایک گرہ بھی کھول ڈالیں (صبا کے چلنے سے ہمارے دل کی کلی کھل جاتی ہے۔ گویا قدرت نے ہوا بنائی ہی ہمارے رنج و غم کو دور کرنے کے لئے ہے)۔

(۲) مجھے تو "نا یافتن" (ناکامیِ مقاصد) کے درد نے جلا ڈالا ہے۔ (کڑھتا رہتا ہوں) میں نہیں جانتا کہ بلبلوں کے لئے باغ میں

چھانے کا راستہ کہاں سے کھول دیتے ہیں (مجھے تو کبھی مسرت کا کوئی موقعہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ بلبلیں جو مسرت سے چہچہاتی رہتی ہیں۔ ان کو یہ موقع کہاں سے حاصل ہو جاتا ہے) ؛

(۳) میرا کام تو تیری گرہگیر زلفوں سے بھی زیادہ پیچیدہ اور اُلجھا ہوا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس دھاگے (میرے کارِ مشکل) کے سرے کو کہاں سے کھولیں گے (میری مشکل بظاہر لاینحل ہے) ؛

(۴) اے گل! آخر تو باغ میں سے گذر۔ کب تک نرگس جیسی آنکھوں کو لوگ بادِ صبا کے راستہ پر کھولے (بیٹھے) رہیں گے ؛

(۵) (ہمارے) دل اور آنکھیں درہم و پریشان ہو رہے ہیں۔ ذرا نقاب اُلٹ دے۔ تاکہ تمام لوگ موتیوں کی لڑی (آنسو) بطور روشنائی پیش کر دیں ؛

(۶) جہاں کہیں اُس سیاہ آنکھ کا فتنہ برسرِ کار ہو۔ وہاں زبان کو دُعا کے لئے کھولنا کُفر ہے۔ (اُس کی چشمِ فتنہ زا کا مبتلا نہ ہونا کفر میں داخل ہے) ؛

(۷) اس دائرہ کی سیر بُری نہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ اگر میرے پاؤں کو (سیر کے لئے) کھول دیں تو میری آنکھیں اپنے آپ کی طرف سے بند نہ کر دیں۔ (دنیا کی الفت میں مبتلا ہو کر بالکل بے خبر نہ ہو جاؤں) ؛

(۸) اے نظیری اگر میں اس زمزمہ (غزل) کو مغنیانے میں لے جاؤں تو مطرب میرے بندِ قبا کی گرہیں کھولنے لگیں (بندِ قبائے کسے کشادن۔ اُس کی خدمت بجا لانا۔ نوکری کرنا) ؛

غزل نمبر ۱۹

بحر مضارع مثمن مقبوض مخبون آخری رکن مشعب بقصور ارکان :- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

تقطیع

نمے تواں	بگزندز	من انتقام	م کشید
مفاعلن	فعلاتن	مفاعلن	فعلان
کہ دایہ ز	ہر بطفلی	مرا بکام	م کشید

۱ نمے تواں بگزند از من انتقام کشید — کہ دایہ ز ہر بطفلی مرا بکام کشید

۲ زمانہ یک نفسم بر مرادِ خود نگذاشت — بہر کہ داد مرادِ از من انتقام کشید

۳ ہزار نقشِ خوشم داد چرخ تا دیدم — قلم گرفت و خطِ سہو بر تمام کشید

۴ مرا فریب نبرد از رہ ار نہ ایں جادو — عنانِ خاص گرفت و کمندِ عام کشید

۵ بیا و نالہ حریفیم ز جام و نغمہ مگو — کہ کارم از مئے و مطرب بایں مقام کشید

۶ شرابِ دور جز آں بے تفاوتے نگرفت — کہ گر حلال رسید و اگر حرام کشید

۷ چہ جائے من کہ بجامِ شراب و طرۂ حور — فرشتہ راز فلک میتواں بدام کشید

۸ چناں نزار فتادم بعشقِ نیم منظر — کہ سایہ از سرِ کویم بزیرِ بام کشید

۹ بساطِ عافیت اے عقل و ہوش بر چینید
دگر نظیریِ بے ظرف یکدو جام کشید

(۱) مجھے دُکھ اور نقصان پہنچا کر مجھ سے بدلہ نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ دایہ نے بچپن ہی میں میرے حلق میں زہر ٹپکا دیا تھا (ابتدائے ولادت سے دُکھ درد برداشت کرنے کا عادی ہوں۔ دُکھ اور نقصان سے مجھے تکلیف نہیں پہنچتی۔ ع

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج

(۲) زمانے نے مجھے ایک منٹ بھی بامراد نہ رہنے دیا جس کسی کی مراد کو بھی (زمانے نے) پورا کیا اُس کا بدلہ مجھ سے لے لیا۔ (لوگ مرادیں پاتے ہیں بعد میں ہر لحظہ نئی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہوں)

(۳) آسمان نے مجھے ہزاروں دلکش اُمیدیں دلائیں۔ مگر جب جو دیکھا تو اُس نے قلم پکڑ کر اُن سب پر خط سہو کھینچ دیا۔ (سب اُمیدوں کو مٹا ڈالا)۔

(۴) مجھے یہ فریب (حُسن) گمراہ نہ کر سکا۔ ورنہ اس جادو نے خاص لوگوں کی بھی باگ تھام لی اور عام لوگوں کو بھی کمند میں جکڑ لیا۔ (خواص عوام سب اُس کے فریبِ حُسن میں مبتلا ہیں)۔

(۵) میں تو آہ و نالہ کا حریف ہوں (ہر وقت آہ و نالہ کرتا رہتا ہوں) مجھ سے جامِ شراب اور نغمہ و سرود کی باتیں مت کرو کہ میرا کام مئے و مطرب سے گذر کر اس مقام پر پہنچ چکا ہے (از تجاوز کے معنوں میں ہے)۔

(۶) زمانے کی شراب کو اُس بے تمیز کے سوا کسی نے نہ لیا۔ (مرفوباتِ زمانہ کی اُلفت میں پھنس کر مخمور ہو جانا بے تمیزوں کا کام ہے) کہ خواہ حلال ملی خواہ حرام وہ چڑھا گیا (جائز اور ناجائز کا مطلق خیال نہ کیا)۔

(۷) میں کیا ہوں (میری کیا بساط ہے) کیونکہ جامِ شراب اور حور کی زلف کے ساتھ تو آسمان پر سے فرشتے کو بھی جال میں کھینچ سکتے ہیں "مئے دوسالہ" اور "معشوقِ چہاردہ سالہ" کو پا کر توبہ کو قائم رکھنا قریباً ناممکن ہے۔ شعر میں غالباً ہاروت و ماروت اور چاہ بابل کے مشہور افسانہ کی طرف تلمیح ہے)۔

(۸) میں اُس نیم نظر کے عشق میں ایسا لاغر ہو گیا ہوں کہ سائے نے مجھے کوچے کے سرے سے چھت کے لئے نیچے گھسیٹ لیا (سائے کا گھسیٹ لانا کمزوری اور ضعف میں مبالغہ کی انتہا ہے۔ "نیم نظر" معشوق کو بوجہ مخموری چشم کہا ہے)۔

(۹) اے عقل و ہوش تم اپنا عافیت کا بوریا بستر سمیٹو (چلتے بنو) کیونکہ بے ظرف نظیری نے پھر ایک دو جام چڑھا لئے ہیں (نظیری کم ظرف ہے کہ تھوڑی سی پی کر مست ہو جاتا ہے)۔

غزل نمبر ۲۰

مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاعِ لاتُ مفاعیل فاعلن

تقطیع

رشکے ب / من گہے ز / ادائے سخن / رسد
مصدجانِ / کہ مقام / کند تا بمن / رسد

۱ رشکے بمن گہے ز ادائے سخن رسد — صد جانگہ مقام کند تا بمن رسد

۲ من بردراز تجلیِ ایں نور سوختم — پروانہ چوں بعرصۂ آں انجمن رسد؟

۳ در راہِ تو شمالِ و صبا در تردد ند — تا بو کرا دہی کہ بہ بیت الحزن رسد!

۴ گر زیرِ گلبنے قفسم را نمے نہی — جائے بنہ کہ نالہ بگوشِ چمن رسد

۵ گفتند کم بقاست سمن عندلیب گفت — اے کاش عمرِ گل بحیات سمن رسد!

۶ جیبے کہ پارہ شد بسلامت رفو نشد — دستِ جنوں مباد بایں پیرہن رسد

۷ زاہد ز سرِّ نکتۂ صوفی چہ آگہست — در شیوہ ہائے چشمِ صنم برہمن رسد

۸ باز یچۂ تو معجزِ عیلے بباد داد — در نرگسِ تو کس بچہ افسون و فن رسد؟

۹ اے جاں بسعی دردِ نظیری نمی رود
مرگے مگر بدادِ دلِ زیستن رسد

ترک کر دیتا ہے) ؛

(۲) کفر میرے عشق کی مصلحت دخوبی بن گیا ہے اور ایمان سے انکار میرا یقین ہو چکا ہے۔ (عشق میں کفر اختیار کر چکا ہوں کہ عشق کی خوبی اسی میں ہے۔ اور یقین کی جگہ ایمان سے انکار نے لے لی ہے) محبت کعبہ کو ویران کرتی ہے اور بتخانے کو آباد ؛

(۳) ظلم اُس (قادرِ مطلق) کے ہاتھ میں ہے۔ میں تو ایک موہوم (جس کا کہیں وجود نہ ہو) نقش کی طرح ہوں۔ اگر وہ چاہتا ہے تو مجھے عقلمند بنا دیتا ہے اور چاہتا ہے تو مجھے دیوانہ کر دیتا ہے ؛

(۴) میں ناخنوں سے اپنی جان کے رگ و ریشوں کو جدا کرتا رہتا ہوں۔ (از ہم میکنم۔ ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہوں)۔ کیا ہی مبارک ہے وہ ہاتھ جو کبھی اپنے پنجے کو کسی معشوق کی زلف میں کنگھی بناتا ہے۔ (معشوق کے بالوں کو اُنگلیوں سے سلجھاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ میں تو ہجر میں تڑپتا ہوں۔ وہ شخص خوش قسمت ہے جسے دولتِ وصال حاصل ہے) ؛

(۵) مجلس (والوں) کے ردّ قبول سے میرا دل خون ہو چکا ہے۔ کیا ہی خوش قسمت ہے وہ بندہ جو (مجلس اور اہلِ مجلس سے بے نیاز) رات کو تو کسی بھاڑ کے کونے میں اور دن کو کسی ویرانے میں گذار دیتا ہے۔ (شاعر لوگوں کے بے جا اعتراضات اور تحسین ناشناس سے تنگ ہے) ؛

(۶) اُس پرِ یا کی طرح جو ایک بچے کے ہاتھ میں کھیل کی غرض سے (پکڑی ہوئی) ہوتی ہے۔ میں بھی (محبوب کو) عزیز ہوں۔ وہ اپنی زلفوں سے میرے لئے جال بُنتا ہے اور خال کو دانہ بناتا ہے۔ (محبوب مجھے اپنے عشق میں پھنسائے ہوئے ہے لیکن محض بطور مشغلہ و تفریحِ طبع۔ اُسے مجھ سے دلی لگاؤ نہیں ہے) ؛

(۷) نظیری کو بیگانوں کی طرح اپنی مجلس سے مت نکال دے۔ اگر شراب نہیں ہے۔ تو رد ہی وہ بیگانہ تھوڑا ہی ہے کہ اس کا خیال کریگا، وہ پیالۂ شراب کی تہ پر کی میل پر ہی قناعت کر لیگا ؛

غزل نمبر ۲۳

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تقطیع

چو عریاں شد چمن مرغ	از ضرورت خانہ میسازد	چو قحطِ گل بود بلبل	بآب و دانہ میسازد
چو بر بام و درِ مردم	نشیند چند ناسازست	مبارک پے بود آنرا	کہ با ویرانہ میسازد
زدشمن خیل در خیل	از محبت گوشۂ چشمے	فسونِ جادو انرا	معجزم افسانہ میسازد
محبت جزو جزوم را	زہم بے تاب تر دارد	تجلّی ذرّہ ذرّہ	کوہ را پروانہ میسازد
پیامِ نوبہاری لالہ گونم	ابرِ نوروزی	کلیدِ باغ را کے	شاخ گل دندانہ میسازد
بچشمِ کم نباید دید	قدرِ زیردستاں را	فلک صد جا سبو گل	میکند پیمانہ میسازد
بجز زلفِ پریشاں در خیالم	نگذرد چیزے	پری را گوشۂ ویرانہ	ام دیوانہ میسازد
مبادا برگ و بارم کم	اگر افشاندہ ام تلخی	کہ شکر خندہ آنرا	نقل صد کاشانہ میسازد
۹ نظیری لازمِ عشق و جنوں جنگست و ناسازی			
تو معذوری بمردم	مردمِ فرزانہ میسازد		

(۱) جب باغ عریاں ہو جاتا ہے۔ (خزاں آجاتی ہے) تو پرندہ مجبوراً (از ضرورت۔ ضرورت سے مجبور ہو کر) گھر بنا لیتا ہے۔ جب پھولوں کا قحط پڑ جاتا ہے۔ تو بلبل آب و دانہ پر قناعت کر لیتی ہے۔ (عیش و تنعم کے سامان کھو جانے پر معمولی طریق زندگی اختیار کر لینا دانشمندی ہے)

(۲) آتو جب لوگوں کے در و بام پر بیٹھتا ہے۔ تو وہ منحوس (خیال کیا جاتا) ہے۔ لیکن جب وہ ویرانے میں رہتا ہے۔ تو اُس وقت وہ مبارک قدم (سمجھا جاتا) ہے۔ (ہر شخص اور ہر چیز کسی خاص مقصد اور غرض سے وجود میں آئی ہے۔ اور وہی اُس کے لئے مناسب ہے) ✦

(۳) دشمنوں کی فوج در فوج (میرے مقابلے میں جمع) ہے۔ (تُو) محبت کا گوشۂ چشم میری طرف کر دے۔ (پھر مجھے گروہ در گروہ دشمنوں کا مطلق خوف نہ ہوگا) پھر جادوگروں کے جادو کو میرا معجزہ ایک داستان (بے حقیقت فرضی قصہ) بنا دیگا۔ (میں دشمنوں پر غالب آؤنگا۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون کے جادوگروں پر غالب آئے) ✦

(۴) محبت میرے (جسم کے) ایک ایک جزو کو ایک دوسرے سے بڑھ کر بے قرار اور مضطرب رکھتی ہے۔ (میں کوہ ثبات تھا مگر محبت نے میرے ثبات (استقلال) کو بالکل فنا کر دیا۔ گویا) تجلی پہاڑ کے ایک ایک ذرہ کو پروانہ بنا رہی ہے ✦

(۵) بہار کے زمانہ میں جنون مجھ پر بھی جاتا ہے (ابر نوروزی) بہار کے زمانہ میں بارش خوب ہوتی ہے (ابر نوروزی سے مراد گریہ کثیر ہے مصنف لیہ اسی کا ہے) (ابر نوروزی سے مراد گریہ خونیں لالہ گون سرخ رنگ لالہ گون ابر نوروزی سے مراد گریہ خونیں) (دندانہ کلید کنجی کی جھڑ فصل انہی دندانوں سے کھلتا ہے (ترجمہ مطلب خیز ہے اگر گریہ خونیں نو بہار آئینہ کا پیام لا رہا ہے دیکھنا چاہیئے کہ شاخ گل باغ کی کنجی میں کب دندانہ پیدا کرتی ہے تاکہ باغ جو خزاں کی وجہ سے

(۶) زبردستوں (زمرہ دوں) کے مرتبہ کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ آسمان سینکڑوں دفعہ مٹکے کو (توڑ پھوڑ کر) کچرا بنا ڈالتا ہے اور (پھر اُس سے) پیمانہ بنا دیتا ہے۔ (ہو سکتا ہے کہ جو تمہیں حقیر نظر آتے ہیں دراصل وہ معزز و باوقار ہوں ؎

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر ۔۔۔ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(۷) اُس کی پریشان (بکھری ہوئی) زلفوں کے بغیر میرے خیال میں اور کوئی چیز آتی ہی نہیں (ہر وقت اُنہیں کے خیال میں محو رہتا ہوں) میرے ویرانے کا گوشہ (خیال جہاں زلفِ پریشان کے تصور کے سوا اور کچھ نہیں گویا ویرانہ ہے) پری کو بھی دیوانہ بنا ڈالتا ہے۔ (حالانکہ پری ویرانے میں ہوتی ہے) ✦

(۸) اگر میں نے رنج اور ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ (معشوق سے بیزاری یا غصہ رنج ظاہر کیا ہے) تو خدا کرے میرے ساز و سامان (عشق) میں (اس سے) کوئی کمی نہ آئے۔ کیونکہ (معشوق کا) شکر خندہ اُس کو سینکڑوں گھروں میں بیان کر رہا ہے۔ (میں نے معشوق سے بیزاری کا اظہار کیا۔ وہ اُس پر تعریضاً سنسا کہ واہ یہ بھی اس قابل ہوا ہے کہ ہم سے اظہار بیزاری کرے۔ اور اس امر کا ہر جگہ چرچا ہو رہا ہے۔ افشاندہ ام تلخی سے گریۂ تلخ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور نقل بمعنی حکایت و بیان کی جگہ نَقل بفتح اول بھی ہو سکتا ہے) ✦

(۹) اے نظیری! جنگ اور ناموافقت، عشق اور جنون کو لازم ہیں (چونکہ تو عاشق ہے۔ اور اس لئے دیوانہ) اس لئے تو معذور ہے کیونکہ عقلمند لوگ ہی (دوسرے) انسانوں سے (صلح اور امن سے) پناہ کر سکتے ہیں ✦

غزل نمبر ۲۴

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف آخری رکن سبغ — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

تقطیع

امشب	ہنگری	لا یا تاز	۴ تر بود
مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعولن
بر ہر سر	رخارہ ے م	ژ لختے ز	جگر بود

امشب چمن از گریۂ ما تازہ تر بود	۱	بر ہر سرِ خارِ مژہ لختے ز جگر بود
مے رُست رگ و ریشۂ جاں از بُنِ ناخن	۲	صد لالہ ستاں کاشتہ در سینۂ دبر بود
در زیر لبم گاہ طرب زمزمہ مے سفت	۳	بر دور رخش گاہ ہوس حلقہ ثمر بود
تا روز بخلوت گہِ مقصودِ اجابت	۴	در پیرہنم نالہ ہم آغوشِ اثر بود
از کثرتِ آمد شدنِ دُرد خیالی	۵	پیرایۂ خوابم ہمہ شب زیر و زبر بود
وز بہرِ نثارِ قدمے چشمِ ترم را	۶	تا گوش گریبانِ نظر بُرز گہر بود

نوٹ: بعض نسخوں میں گریۂ خونیں کا قافیہ گہما ہے اور بعض میں گریۂ خونیں زیادہ ہے یکھا ہے اور بعض میں گریۂ خونیں ہا ہے۔

گفتم بدعائے سحری وصل تو خواہم ۷ بیہوش شدم بوئے تو یا بادِ سحر بود
قاصد جگرم سوخت چہ پیغام و چہ نامہ ۸ دل بود ہماں خوش کہ بامید خبر بود
۹ یگذشت گریباں نزدی چاک نظیری
پیشش چہ بلا دست دعائے تو بسر بود

(۱) آج رات باغ (عاشق کا چہرہ) ہمارے گریہ کے باعث سرسبز و شاداب تھا۔ پلکوں کے ہر ایک کانٹے کی نوک پر (میرے) جگر کا ایک ٹکڑا (چمک رہا) تھا۔ (جگر کو خون کر کے آنسوؤں کے ذریعہ آنکھوں سے بہا دیا تھا۔ اور اس سے چہرے پر رونق آ رہی تھی) ؛

(۲) میرے ناخنوں کی جڑوں سے جان کے رگ و ریشے اُگ رہے تھے۔ (ناخنوں سے اپنی جان و جسم کے رگ و ریشے نوچ رہا تھا) اور میرے سینہ اور پہلو میں لالہ کے سینکڑوں باغ اُگ رہے تھے۔ (سینہ اور جسم کے زخموں کو خون آلود ہونے کی وجہ سے لالہ کے سرخ پھولوں سے استعارہ کیا ہے) ؛

(۳) حلقۂ شعر شمار کنندۂ حلقہ ہائے زلف (ترجمہ مطلب خیز) انسان کو جب امید بندھتی ہے تو وہ بہت کچھ خیالات کو وسعت دیا کرتا ہے مثلاً مفلس آدمی جب سونا لیٹتا ہے تو خیالی پلاؤ پکاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ روپیہ دے تو ایسا باغ بنائیں گے ایسی کوٹھی اور ایسا فرنیچر ہوگا یہ کریں گے وہ کریں گے ہمارے حال عاشق کا بھی ہے اس لئے کہتا ہے کہ معشوق گویا آ گیا ہے لہٰذا نشاط کے باعث کبھی خوشی میں گنگناتا ہے اور کبھی ان زلفوں کی ارزو سے ؛

(۴) قبولیت کے مقصود کی خلوت گاہ میں (رات سے لے کر) صبح تک نالہ میرے پیرہن میں اثر سے ہم آغوش تھا۔ (قبولیت دعا کو مقصد قرار دے کر میں تنہائی اور خلوت میں رات بھر التجائیں اور نالہ و فریاد کرتا رہا اور وہ اثر سے ہم کنار ہوتے رہے) ؛

(۵) (اُس) دُزدِ خیالی کی آمد و رفت کی کثرت کے سبب کل تمام رات میری نیند کا لباس بالکل زیر و زبر رہا۔ (معشوق کا خیال رات بھر آتا رہا اور اُس نے مجھے سونے نہ دیا) ؛

(۶) اور اُس کے قدموں پر نثار کرنے کے لئے میری چشمِ تر کا گریبانِ نظر کانوں تک موتیوں سے بھرا ہوا تھا (اُس کے قدموں پر نثار کرنے کے لئے آنسوؤں کے موتی گراتا رہا) ؛

(۷) میں نے کہا کہ صبح کی دعا میں تیرا وصل چاہوں گا (تیرے وصل کی دعا مانگوں گا) کہ میں بے ہوش ہو گیا (معلوم نہیں کہ وہ) تیری خوشبو تھی یا بادِ سحر تھی۔ (تصور میں تیری خوشبو آ گئی یا بادِ سحر کی خوشبو پر تیری خوشبو کا گمان گذرا اور میں بے ہوش ہو گیا۔ پھر وصل کی تاب کیسے لا سکوں گا) ؛

(۸) قاصد نے میرے جگر کو (جواب خط لا کر) جلا دیا۔ اب کیسا پیغام اور کیسا خط۔ دل اُسی وقت تک خوش تھا۔ جب تک (جواب نہ ملنے کی) خبر کی اُمید میں تھا۔ (قاصد جو جواب لایا ہے۔ وہ مایوس کن ہے۔ قاصد منادی بھی ہو سکتا ہے۔ اور اُس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ اے قاصد! (تمہارے جواب سے) میرا جگر جل گیا۔ (اس صورت میں سوخت فعل لازم ہوگا اب مجھے پیغام اور خط سے کیا واسطہ ہے) ؛

(۹) اے نظیری! وہ (تیرے پاس سے ہوتا ہوا) گذر بھی گیا۔ اور تو نے اپنے گریبان کو چاک نہیں کیا۔ اُس کے سامنے تیرے دستِ دعا پر کیا آفت آ گئی۔ (کہ وہ گریبان چاک کرنے کو بھی نہیں اُٹھا۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ اس کا معمول تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ عاشق محبوب کو دیکھکر رعبِ حسن میں مبہوت رہ گیا ہے۔ پیشش چہ بلا دست دعائے تو بسر بود۔ نثر یوں ہوگی کہ پیشش بہ سر دست دعائے تو چہ بلا بود یعنی تیرے دعا طلب ہاتھ کے سر پر کیا آفت نازل ہو گئی) ؛

غزل نمبر ۲۵

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف

ارکان :- مفعول مفاعیل مفاعیل : فولن

تقطیع { با آنکہ / مفعول / ز مہرش / مفاعیل / بدلم / مفاعیل / حور / فعولن
درد دیدہ / او / نقشِ / من از / دور / نگنجد

با آنکہ ز مہرش بدلم حور نگنجد ۱ در دیدۂ او نقشِ من از دور نگنجد

صورتوں کی علامتوں کا مطلب ہے جو ان کے دونوں کناروں کے گرد لکیریں ہیں۔

۱ پروانہ بمہتاب کند بال فشانی ۲ کز عیش بخلوت گہ او نور نگنجد
۳ از گریۂ من عشرتِ او تلخ مسازید ۴ در بزم گہ خوش بمکاں شور نگنجد
۵ سلطان و گدا بر درِ میخانہ خرابند ۶ در حلقۂ ما شوکتِ فغفور نگنجد
۷ ما را چہ محل لیک عزیزاں نپسندند ۸ ہر دل کہ در و نالۂ رنجور نگنجد
۹ تو میدی و آنگہ ز تو ہیں تیرگی بخت ۱۰ در روزِ سیاہ و شبِ دیجور نگنجد
۱۱ ما و روشِ دیر کہ دریائے خطا شوست ۱۲ در شرعِ غلط گونۂ منصور نگنجد
۱۳ از صدرہ ویرانہ پری جلوہ کنانست ۱۴ زانست کہ دیوانہ بمعمور نگنجد

۱۵ گر مست نۂ دم مزن از عشق نظیری
کیں ذوق و ہوس در سرِ مخمور نگنجد

(۱) باوجودیکہ میرے دل میں اُس کی محبت کی وجہ سے حور بھی نہیں سما سکتی۔ (بڑے سے بڑا حسین اُسکے مقابلے میں بے وقعت ہے) مگر اُسکی آنکھ میں میرا نقش دور سے بھی نہیں جچتا (وہ مجھے پسند نہیں کرتا) ٭

(۲) بال افشاندن پر کر اور نثار پروانے شعلۂ شمع پر آ کے گرتے ہیں تو انکے پر جھڑ جاتے ہیں پھر شعلہ کے اثر سے اِدھر اُدھر بلاتے اور تڑپتے پھرتے ہیں۔ (ترجمہ مطلب خیز) خلوتگاہ یار اسقدر عیش و نشاط سے پُر ہے کہ اسکی خلوت میں مطلق نور یا نور شمع کی بھی گنجایش نہیں (خود نور رشکِ سے اس کی مجلس منور ہو رہی ہے) جب نور شمع کو دخل نہیں تو پروانہ وہاں کیسے جا سکتا ہے (شمع ہی پر پروانہ آ کر گرا کرتے ہیں اور جلنا اور تڑپنا اور بال افشانی کرنا پروانہ کی ہے) ٭

(۳) میرے گریہ سے اُسکی مسرت کو تلخ نہ بناؤ۔ کیونکہ خوش نمک (خوش دل) لوگوں کی محفل میں رنج و غم (شور۔ تلخی) کی گنجایش نہیں (کہ ع افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را) ٭

(۴) شاہ و گدا (سبھی) میخانہ کے دروازے پر مست ہیں۔ ہماری مجلس میں فغفور (سلاطین چین کا لقب) کی شوکت کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ (کہ یہاں "جنید و شبلی و عطار" سب مست ہیں اور شاہ و گدا کی کوئی تمیز نہیں) ٭

(۵) ہماری کیا حیثیت ہے (کہ ہم کچھ کہیں) لیکن محبوب لوگ اُس دل کو پسند ہی نہیں کرتے جس میں درد بھرا نالہ جگہ نہ رکھتا ہو۔ (دلِ دردمند ہی اُن کے نزدیک قابلِ قدر ہے۔ ورنہ وہ دل نہیں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے بیکار) ٭

(۶) نا اُمیدی اور پھر تجھ سے! یہ سیاہ بختی تو روزِ سیاہ اور شبِ تاریک میں بھی نہیں سما سکتی (اُن سے بڑھ کر تاریک ہے کیونکہ نا امیدی کفر ہے۔ اِنَّہٗ لَا یَیْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ (قرآن مجید) خدا کی رحمت سے صرف کافر ہی نا امید ہوتے ہیں) ٭

(۷) ہم ہیں اور طریقِ دیر (ہم نے دیر کا طریقہ اختیار کر لیا ہے) کیونکہ وہ گناہوں کو دھو ڈالنے والا ایک دریا ہے۔ (یہاں شریعت کی سی پابندیاں نہیں اسی لئے ہم نے شریعت کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ) شریعت میں منصور کا غلط طریقہ نہیں سما سکتا۔ (منصور نے انا الحق کہا۔ شریعت نے اُسے کفر ٹھیرایا۔ طریقت اُس کے نشۂ معرفت میں سرشار ہونے کی وجہ سے اُسے معذور سمجھتی ہے۔ غلط گونۂ۔ گونۂ غلط) ٭

(۸) ویرانے کی سینکڑوں راہوں سے پری جلوہ افگن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیوانہ آبادی میں نہیں ٹھیرتا۔ (دیوانہ کو پری دیدہ بھی کہا کرتے ہیں۔ دیوانہ آبادی سے بھاگتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اُسے ویرانے میں محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے) ٭

(۹) اے نظیری! اگر تو مست نہیں ہے۔ تو عشق کا دعوے مت کر (کہ عشق میں پوری بے خودی۔ محویت اور مستی کی ضرورت ہے) کیونکہ یہ (عشق کا) لطف اور ذوق مخمور سر میں نہیں سما سکتا ٭

عرفات سے عمل سے بازنیں آسکتا لہٰذا اس ماہ عرش کے مہتاب پر خ پہ بال افشانی کرتا ہے

غزل نمبر ۲۶

بحر مضارع مثمن اخرب — ارکان: مفعول فاع لاتن مفاعیل فاعلات

تقطیع:
در آشیان ما پر و بال ہما رسید — ہر جا رسید سایۂ دولت زما رسید
بلبل نمے شود کہ ننالد بوستاں — گلبن ز صوت و نغمہ بہ نشو و نما رسید
کس ما جرائے بلبل و پروانہ حل نکرد — سرگشتہ ماند ہر کہ بایں ما جرا رسید
با غمزہ ایں معاملہ پیش از الست بود — حرفِ بلیٰ نبود کہ زخمِ بلا رسید
ہر کس بقدرِ طاقتِ خود میکشد غمش — آہن بقدرِ جذبہ بہ آہن ربا رسید
شب خندہ بر بضاعتِ درویش زد لبش — صد کارواں شکر بہ تمنّائے یوریا رسید
کردند تلخ عیش حریفاں ز حسرتم — لذّت شد از طعام چو چشمِ گدا رسید
آزار از جراحتِ بیگانگاں رسد — مرہم منہ کہ زخمِ دل از آشنا رسید
مے وہ کہ رفت نوبتِ مستوری و صلاح — طرفِ نقابِ غنچہ بدستِ صبا رسید

کس در جفا طریقِ رضا را بسر نبرد
در حیرتم کہ کارِ نظیری کجا رسید

(۱) ہمارے آشیانے میں جا کے پر و بال پہنچے ہیں۔ (اور اُس کی برکت کا اثر ہے کہ) جہاں کہیں بھی دولت کا سایہ پہنچا ہے۔ وہ ہمیں سے پہنچا ہے۔

(۲) یہ ہو نہیں سکتا کہ بلبل باغ میں نالہ و فریاد نہ کرے۔ کیونکہ گلاب کا پودا (اُسی کی) آواز اور نغمہ سے نشو و نما پاتا ہے۔ (نالۂ عاشق مرغوب معشوق ہے)۔

(۳) کوئی شخص بھی بلبل اور پروانے کے قصّہ کو حل نہ کر سکا۔ جو شخص بھی اس داستان تک پہنچا۔ وہ سرگرداں رہ گیا۔ (عشق کی داستان ایک لاینحل معمہ ہے)۔

(۴) غمزے کے ساتھ ہمارا یہ (عشق کا) معاملہ روزِ الست سے بھی پہلے موجود تھا۔ ابھی "ہاں" کی بات بھی نہ ہوئی تھی کہ (ہمیں) اس بلا (عشق) کا زخم لگ گیا۔ (ہم ازل سے دردِ عشق میں مبتلا ہیں)۔

(۵) ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق اُس کا غمِ عشق برداشت کرتا ہے۔ (جس طرح) لوہا مقناطیس تک اُس کی کشش کے موافق کھینچتا ہے۔ (مقناطیس میں جس قدر قوت زیادہ ہوگی اُسی قدر وہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں لوہے کو کھینچ سکے گا۔ عاشق میں جس قدر عشق کمال پر ہوگا وہ غمِ معشوق زیادہ برداشت کر سکے گا)۔

(۶) یہی شعر غزل نمبر ۱۷ میں نمبر ۳ پر گذر چکا ہے۔

(۷) میری حسرت کے سبب حریفوں نے اپنا عیش تلخ کر لیا۔ (جیسے اُس) کھانے کا لطف جاتا رہا جس پر گدا کی نظر پڑ گئی ہو۔

للچائی ہوئی اور حسرت بھری نگاہ سے حریفوں کی خوش عیشی کی طرف دیکھا تو وہ بھی مکدر ہو گئے)۔

(۸) دُکھ بیگانوں کے (لگائے ہوئے) زخم سے پہنچا کرتا ہے۔ (مگر میرے) دل کا زخم ایک (دوست کی طرف سے لگا ہے۔ اس پر مرہم مت رکھو۔ (کہ یہ مجھے محبوب ہے اور تکلیف نہیں دیتا)۔

(۹) شراب پلا کہ خلوت و پرہیزگاری کا وقت گذر چکا۔ کیونکہ غنچے کے نقاب کا کونہ بادِ صبا کے ہاتھ آگیا ہے۔ (صبا نے غنچوں کو کھلا دیا ہے صبح یا بہار ہے اور پینے پلانے کا لطف اسی وقت ہے)۔

(۱۰) کسی شخص نے کبھی جفا میں رضا کے طریق کو انجام تک نہ پہنچایا۔ جفا کے مقابل آخر تک صبر و رضا اختیار کئے رکھنا بے حد مشکل ہے) مگر میں حیرت میں ہوں کہ نظیری کا معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے۔ (کہ وہ جفا کے مقابل آخر تک طریق رضا اختیار کئے ہوئے ہے)۔

غزل نمبر ۲

بحر رمل مثمن محذوف — فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

تقطیع

پائے بالم — فاعلاتن — ہر کہ در شور — فاعلاتن — آورد
فتنۂ را — فاعلاتن — ہر سرِ راہم — فاعلن
بر سرِ راہم — فاعلاتن — ہر طرف زور — آورد
بلا از — فاعلن
آورد

۱ پائمالم فتنۂ را ہر کہ در شور آورد — بر سرِ راہم بلا از ہر طرف زور آورد

۲ تخمِ غم در آب و خاکِ من مگو نومید بہ — خرمنے حاصل کنم گر دانۂ مور آورد

۳ آنکہ شامِ زندگانی شمعِ بالینم نشد — کے پسِ از مرگم چراغے بر سرِ گور آورد

۴ عشق و تشریفِ ہم آغوشی محالست اینکہ کس — خلعتِ سلطاں برائے مفلس و عور آورد

۵ نے ہمیں ہنگامۂ رسوائیِ من شد بلند — عشق دائم بر سرِ بازار مستور آورد

۶ حسنِ گل برقے بہ بستاں زد کہ اکنوں شاخِ گل — بلبل و پروانہ را مجروح و رنجور آورد

۷ مجلسِ عشق از فروغِ من نظیری روشن ست
موسی از بہرِ چراغم آتشِ طور آورد

(۱) میں اُس فتنے سے پامال ہو رہا ہوں کہ جس وقت وہ شورش برپا کرتا ہے۔ تو میرے راستے میں مصیبتیں ہر طرف سے زور لا ڈالتی ہیں۔

(۲) مت سمجھو کہ غم کا بیج میرے جسم (کے آب و خاک) میں پھل دیتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی چیونٹی ایک دانہ بھی لے کر آتی ہے۔ تو میں اُس سے ایک خرمن حاصل کر لیتا ہوں۔ (تھوڑے پر قناعت کر کے اُسے بہت سمجھتا ہوں)۔

(۳) جو شخص میری زندگانی کی شام (نزع کی حالت) میں میرے سرہانے کی شمع نہ بنا۔ (میری خبر کو نہ آیا) وہ میری موت کے بعد میری قبر پر چراغ لے کر کب آئیگا۔

(۴) عشق اور وصال کی خلعت! (عشق میں وصل کی خلعت ملنا ناممکن) یہ محال ہے۔ کہ کوئی شخص ایک ننگے دھڑنگے اور کنگال کے لئے شاہی خلعت لے کر آئے۔

(۵) صرف یہی نہیں کہ میری ہی ذلت کا ہنگامہ بلند ہوا ہے۔ (صرف میں ہی عشق میں ذلیل نہیں ہوا) بلکہ عشق ہمیشہ خلوت گزین اور تنہائی پسند لوگوں کو بر سرِ بازار لے آتا ہے (اور ذلیل کروا دیتا ہے)۔

(۶) پھول کے حسن نے باغ میں ایسی بجلی بھر دی کہ اب پھول کی شاخ بلبل اور پروانے کو زخمی اور رنجور کر رہی ہے۔ (گل کا حسن

جہانسوز بلبل اور پروانے کو یکساں بے قرار کر رہا ہے۔ پروانہ شمع پر جلتا ہے جو موم سے بنتی ہے۔ اور موم شہد کی مکھی عُقاب سے لاتی ہے) ٭

(۷) اے نظیری عشق کی مجلس میرے ہی نور سے نورانی ہے۔ میرے چراغ کے لئے (حضرت) موسیٰ آتش طلب کرتے ہیں (میرا عشق عشق حقیقی ہے۔ اور مجازی عشق کی مجالس اسی سے روشن و مستنیر ہیں) ٭

غزل نمبر ۲۸

بحر مضارع مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تقطیع

ہوس پروا	ن اس تمہا	بگردے دو	دمے گردد
مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
نظر خوبس	ت آادل	غبارالو	دمے گردد

ہوس پروانہ است امّا بگردِ دُود میگردد ۱ نظر خوبست امّا دل غبار آلود میگردد

ز کاوشہائے مژگانِ تو پُر خوں دیدۂ دارم ۲ کہ گر شویم بآب بحر خون آلود میگردد

دلم را کردہ ذوقت خوش دگر نگذارم از دستش ۳ دہد تا باز وقتے دست غم فرسود میگردد

تو گر برہم زنی سودائے دل نازے زیاں داری ۴ مرا سرمایۂ دنیا و دیں نابود میگردد

دریں مدت غمِ ہجراں عبث بر خود پسندیدم ۵ ندانستم کہ از مرگم دلت خوشنود میگردد

کسِ این بے اعتدالیہائے حُسنت را کجا گوید ۶ کہ عاشق پیشہ از مہر و وفا مردُود میگردد

۷ بشفقت گاہ گاہے سوئے خود میخواں نظیری را
جدائی دیدہ از وصلت تسلّی زود میگردد

(۱) ہوس بھی پروانہ تو ہے۔ مگر (وہ) جو دھوئیں کے گرد منڈلاتا پھرتا ہے۔ (ہوس اور عشق میں یہی امتیاز ہے کہ ع بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق۔ مگر ہوس خطرات میں پڑنا شیوۂ عقل کے خلاف سمجھتی ہے) نظر (ہوس کی نظر سے کسی حسین کو دیکھنا) خوب ہے۔ مگر اس سے دل غبار آلود (میلا) ہو جاتا ہے۔ (دل میں لگن لگی ہو اور تصور کئے بیٹھے رہیں۔ تو یہ عشق اور صفائے دل کا موجب ہے۔ مگر صرف نظر بازی تو ہوس پرستی اور اس لئے کدورت قلبی کا باعث ہے) ٭

(۲) تیری پلکوں کے زخموں کے سبب میری آنکھیں ایسی زخمی ہو رہی ہیں۔ کہ اگر میں اُن کو سمندر کے پانی سے دھونے لگوں تو (وہ بھی) خون آلود ہو جائے۔ (اگر یہ خون کا سیلاب عشق میں تھم نہیں سکتا) ٭

(۳) تیرے ذوق نے میرے دل کو خوش کر دیا ہے۔ (اس لئے) اب اُسے میں کبھی نہ چھوڑ دونگا۔ (رنگذارم از دستش۔ از دست نگذارمش اُسے ہاتھ سے نہ دونگا) کیونکہ جب تک پھر (از سر نو) ذوق حاصل ہو۔ وہ (دل) غموں سے گھُل چکا ہوگا ٭

(۴) اگر تو دل کے سودے کو برہم (ردّ۔ منسوخ) کر دے۔ تو تیرے (صرف) ایک ناز کا نقصان ہوگا۔ (کہ تیرے ایک ناز نے دل خرید لیا اور سودا پھیرنے سے تیرا ایک ناز ضائع چلا گیا) مگر میرا تو دین و دنیا کا سرمایہ (دل) برباد ہو جائیگا۔ (کہ اب وہ میرے کام کا نہیں بلکہ صرف تیرے کام کا رہ گیا ہے) ٭

(۵) میں اس قدر عرصے تک جدائی کے غم کو فضول اپنے لئے پسند کر کے برداشت کرتا رہا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ تیرا دل میری موت سے خوش ہوتا ہے۔ (اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا۔ تو غم ہجراں کیوں برداشت کرتا۔ دوسرا پہلو یہ ہے۔ کہ تجھے خوش کرنے کے لئے میں بہت پہلے بخوشی جان دے دیتا) ٭

(۶) کوئی شخص تیرے حُسن کی بے اعتدالیوں کا شکوہ کہاں کرے۔ کیونکہ عاشق اپنی وفاداری محبت کے سبب (جن کے باعث اُسے

مقبولیت حاصل ہونی چاہئے) تیرے نزدیک مردود ہوجاتا ہے ؛

(۷) کبھی کبھی محبت سے نظیری کو اپنے پاس بُلالیا کر (کیونکہ) وہ جدائی دیکھے ہوئے ہے۔ (اس لئے) تیرے وصل سے جلد مطمئن ہوجائے گا۔ (بخوائے قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید۔ وہ ہجر کی سختیوں کو برداشت کرچکا ہے۔ وصل سے فوراً مطمئن ہوکر تمام شکوے اور شکایتیں بھلا دیگا۔ تسلی۔ فارسی میں اطمینان اور مطمئن دونوں معنوں میں مستعمل ہے) ؛

غزل نمبر ۲۹

بحر مضارع مثمن مقبوض آخری رکن مجنون محذوف — ارکان :- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

تقطیع

گہے کہ وقت	تِ علاجے	دماغ من	باشد
مفاعلن	فعلاتن	مفاعلن	فعلن
نسیم در	یمنونا	ف درختن	باشد

۱ گہے کہ وقتِ علاجِ دماغِ من باشد — نسیم در یمن و نافہ در ختن باشد

۲ مقیّدم بہ بتِ خود چنانکہ میخواہم — نہ بت پرست نہ بتگر نہ بت شکن باشد

۳ زطورِ عشق ہمہ کارِ عقل دیگر شد — چو آصفے کہ سلیمانش اہرمن باشد

۴ مشو بخویش مقیّد کہ مُرغِ زیرک را — خطر گہیست کہ مشغولِ خویشتن باشد

۵ سفر گزیں کہ نہالِ اوّل ار ملول شود — زمینِ غربتش آخر بہ از وطن باشد

۶ چو ذرّہ ام بہوائے درِ تو بازاریست — کہ دور گردیٔ من رشکِ انجمن باشد

۷ زبسکہ جامہ زشوقِ تو پارہ پارہ کنم — بہر چہ دست زنم چاکِ پیرہن باشد

۸ تواں زنامۂ من یافت اشتیاقِ مرا — عیارِ شوق باندازۂ سخن باشد

۹ زنالہ بس نکنم ترانکہ کم رسد آسیب — براں درخت کہ مرغِ صفیر زن باشد

۱۰ چو شاخِ گل ہمہ مرغاں سزد کہ گوش شوند
کہ بلبلے چو نظیری دریں چمن باشد

(۱) جب میرے دماغ کے علاج کا وقت ہو تو نسیم یمن میں اور نافہ ختن میں ہی رہے (تو اچھا ہے میرا علاج دماغ محبوب کی زلفوں کی خوشبو ہے۔ مجھے نسیم یمن اور نافۂ ختن سے وحشت ہوتی ہے۔ خوشبو درحقیقت امراض دماغی میں مضر ہے)

(۲) میں اپنے بت (معشوق حقیقی) سے ایسا وابستہ ہوں کہ چاہتا ہوں کہ نہ کوئی بت پرست ہو نہ بت گر اور نہ بت شکن ہی (میرے اور معشوق کے سوا اور کوئی وجود ہی نہ رکھتا ہو۔ خصوصاً جسے اس کے ساتھ کسی قسم کی بھی نسبت حاصل ہو۔ اگرچہ وہ نسبت مخالفت ہی کی کیوں نہ ہو۔ جیسے بت کو۔ دوسرے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ جو نسبت تقید مجھے اس بت سے حاصل ہے میری خواہش ہے یہ نسبت کسی اور کو حاصل نہ ہو)

(۳) عشق کے طور طریقوں سے عقل کا تمام کاروبار درہم برہم ہوگیا ہے۔ جیسے وہ آصف کہ جس کا سلیمان شیطان بن گیا ہو۔ (آصف حضرت سلیمان کے وزیر تھے۔ مشہور ہے کہ حضرت سلیمان کی انگوٹھی گم ہوگئی اور ایک جن نے اس پر قابو پاکر حضرت کے تخت پر قبضہ کرلیا۔ الخ)

(۴) خودی میں مقید مت ہو جا کہ دانا پرندہ کے لئے وہی خطرے کا موقع ہوتا ہے جب وہ اپنے آرامنہ کرنے میں مشغول ہو (خودی

وخود پرستی انسان کو برباد کر دیتی ہے۔ کہ پرندہ جب اپنی آرایش تن میں مشغول ہو تو شکاری اسے غافل پاکر گرفتار کر لیتا ہے)

(۵) تو بھی سفر اختیار کرے۔ کیونکہ پرواز اگر شروع میں ہی کمزور ہو تو آخر کار زمین عزت اس کے لئے وطن سے بہتر ثابت ہوتی ہے (اگر چھوٹے پودا سوکھنے لگے تو اسے ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لگا دیا کرتے ہیں۔ اور پھر وہ نشو و نما پانے لگتا ہے۔ تجھے بھی سفر سے کامیابی حاصل ہوگی)

(۶) (ذرہ اہم اضافی ہے یعنی "ذرۂ من" (ہوا) محبت (بازار) رونق خوبی چہل پہل (رشک انجمن) اسے رشک اہل انجمن (ترجمہ) مطلب خیز (جب میرے ذرۂ خاک) کو تمہارے دروازہ کی محبت سے خوبی ہے۔ تو میرا دروازۂ انجمن (دروازہ پر رہنا) اہل انجمن کیلئے رشک کا باعث ہے چونکہ جو محبت مجھ میں ہے وہ اہل انجمن میں نہیں پھر مجھ پر انہیں رشک کیوں نہ آئے (اگرچہ اس کی بزم سے دور ہوں)

(۷) چونکہ میں تیری محبت میں اپنے لباس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہوں اس لئے جس چیز کو بھی ہاتھ لگاتا ہوں (وہی چاک پیراہن کی طرح) ہو جاتی ہے (ہاتھ جامہ دامن کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس لئے جس چیز کو ہاتھ لگاتا ہوں (جنون عشق میں اسی کو توڑ پھوڑ ڈالتا ہوں۔)

(۸) میرے اشتیاق و محبت کو میرے خط (کے مضمون) سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ شوق کا معیار سخن کے اندازے کے مطابق ہی ہو سکتا ہے (انسان کی باتوں سے اس کے درجۂ محبت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ تم میرے خط سے میرے عشق کا اندازہ کر سکتے ہو)

(۹) میں نالہ کرنے سے نہیں رکوں گا۔ کیونکہ اس درخت کو نقصان نہیں پہنچتا جس پر چہچہانے والا پرندہ بیٹھتا ہو (میں اپنے نالے کی وجہ سے آزار سے محفوظ رہوں گا۔ کیونکہ جس درخت پر خوش الحان پرندے بیٹھ کر چہچہاتے ہوں۔ اسے کاٹا نہیں کرتے)

(۱۰) (دوسرا مصرعہ پہلے) جب نظیری جیسا بلبل اس باغ میں چہچہا رہا ہو تو چاہیئے کہ شام پرندے شاخ گل کی طرح ہمہ تن گوش ہو جائیں (جب میں شعر پڑھنے لگوں تو باقی تمام شعرا کو جو میرے مقابلہ میں ہیچ ہیں خاموش ہو کر میرے اشعار سننے چاہئیں)

غزل نمبر ۳۰

بحر ہزج ثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

تقطیع: آنرا کہ / قبولِ / تو خری / دار نبا / شد — مفعول / مفاعیل / مفاعیل / فعولن

۱ آنرا کہ قبولِ تو خریدار نباشد — در بیع کہ ہیچ دلش بار نباشد

۲ از قیمتِ یوسف نشود یک سرِ موکم — ہر چند خریدار بسیار نباشد

۳ گویا تو بروں میروی از سینہ وگرنہ — جاں دادنِ کس ایں ہمہ دشوار نباشد

۴ از نرگسِ مخمورِ تو در بستر و بالین — بر پائے رود فتنہ و بیدار نباشد

۵ از جادوِ حسنِ تو کہ در پیشِ جمالت — بر خاک طپد صید و گرفتار نباشد

۶ غم یارِ من و بخت سرِ سمہ کہ ایں غم — گر از تو بود چوں زمنش عار نباشد

۷ آں شعلہ کہ افتد بخسِ خارِ عشق است — ہر سوختہ زیں نشأ خبردار نباشد

۸ با دردِ تو از کس نکند یاد نظیری
پروانہ کہ سوزد بگلش کار نباشد

(۱) وہ شخص کہ تیری قبولیت اس کی خریدار نہ ہو (تجھے قبول نہ کرے) تو پھر کسی دل کی منڈی میں بھی اس کو پانیں مل سکتا (اسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا)

(۲) یوسفؑ کی قیمت میں ایک بال برابر بھی کمی نہیں آسکتی۔ اگرچہ بازار میں کوئی ایک بھی خریدار موجود نہ ہو (قدر ناشناسی جنس کی قیمت

جنس میں فرق نہیں آجاتا)

(۳) (موت کے ساتھ) گویا تو سینہ سے نکل کر جا رہا ہے ورنہ کسی کے (میرے) لئے یہ جان دیدینا تو کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے (جان دینے کو تیار ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ تو بھی تو نکل جائیگا۔ اور یہ مجھے گوارا نہیں۔ اور دوسرا لطف یہ ہے کہ تو یا معشوق ہی جان ہے۔ کہ تواں ترا و جاں را زہم امتیاز کردن)

(۴) تیری مخمور نرگس جیسی آنکھوں کے سبب بستر و بالین میں فتنہ برپا ہے۔ اس کے باوجود وہ بیدار نہیں ہوتیں (تیری نیم باز مخمور آنکھیں فتنے برپا کر رہی ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ خود انہیں اس کی خبر نہیں)

(۵) یہ بھی تیرے حسن کے جادو کا ایک کرشمہ ہے کہ تیرے جمال کے سامنے نگارزمین پر تڑپتا ہے۔ حالانکہ وہ گرفتار نہیں ہے (گرفتاری کے ظاہری اسباب کے فقدان کے باوجود عاشق کو معشوق سے وہ نگاہ ہے کہ کسی طرح نہیں ٹوٹ سکتا)

(۶) (تیرا) غم میرا یار ہے۔ اور میرا بخت حیرت میں ہے کہ اگر یہ غم تیرا ہی ہے۔ تو اسے مجھ (نظیری) سے عار کیوں نہیں ہے (مجھے مجھ سے عار ہے پھر یہ غم عشق بھی جسے تجھ سے نسبت حاصل ہے کیوں میری جان کو کھائے جاتا ہے)

(۷) (ہاں) وہ شعلہ جو خس و خار میں گر پڑے۔ عشق نہیں ہے (بر الہوس میں اگر کچھ جذبات محبت کا اثر نظر آئے تو وہ عشق نہیں) ہر نظارہ سوختہ ساماں اس تشنہ (عشق) سے آگاہ نہیں ہوتا۔

(۸) تیرے درد عشق کے ہوتے ہوئے نظیری کسی اور کو یاد نہیں کرتا جو پروانہ کہ (شمع پر عشق میں) جل مرتا ہے اسے پھول سے کوئی کام نہیں ہوتا (عاشق کو درد عشق کے سوا کسی سے کچھ سروکار نہیں)

غزل نمبر ۳۱

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف جزئی رکن محذوف مسبغ — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولان

تقطیع:

دو شینہ سروے دل افگار برآورد		مفعول	مفاعیل	فعولان
کاہوز حرم مرغ ز گلزار برآورد		مفعول	مفاعیل	فعولان
امسال دگر اشک صلاح ودم زہدم		مفعول	مفاعیل	مفاعیل
رنگ مئے پارو گل پیرار برآورد		مفعول	مفاعیل	مفاعیل
من توبہ نیاوردہ ام از کعبہ کہ کافر		مفعول	مفاعیل	فعولان
بت از گرو خانہ خمار برآورد		مفعول	مفاعیل	فعولان
تنہا نہ مرا راہ زد از بوالعجبی عشق		مفعول	مفاعیل	مفاعیل
بس شیخ کہ از خرقہ و زنار برآورد		مفعول	مفاعیل	مفاعیل
ہر خار کہ اندر رہ ما بر کف پا خورد		مفعول	مفاعیل	فعولان
صد رنگ گل از گوشہ دستار برآورد		مفعول	مفاعیل	فعولان
ہر کرد بما ہر کہ در خلوت مازد		مفعول	مفاعیل	مفاعیل
مارا ز سر پردہ دیدار برآورد		مفعول	مفاعیل	مفاعیل
چوں کبک خرامندہ بہر رہ کہ گذشتی		مفعول	مفاعیل	فعولان
جولان تو طاؤس ز رفتار برآورد		مفعول	مفاعیل	فعولان
بس سر کہ بزد بر در افلاک نظیری		مفعول	مفاعیل	مفاعیل
کیں صبح طرب راز شب تار برآورد		مفعول	مفاعیل	مفاعیل

(۱) کل رات میرے زخمی دل نے ایسا درد انگیز راگ الاپنا شروع کیا کہ وہ ہرن کو حرم سے اور پرند کو باغ سے نکال لایا۔ (نغمہ کی دردانگیزی سے متاثر ہو کر بیتابی میں سب نے اپنے نشیمن چھوڑ دیئے اور سننے کے لئے نکل آئے)

(۲) اس سال پھر میری پرہیزگاری کے آنسوؤں اور زہد کے دم زاہد انہ آہوں نے گذشتہ سال کی مے شراب اور دو سال پہلے

کے سے پھولوں کا رنگ ظاہر کیا ہے (خشکِ صلاح دوم زہد اور رنگ مے پارو گی پیرار میں لف ونشر مرتب ہے۔ آنسو ایسے سرخ ہیں جیسے یکسالہ شراب اور آہیں ایسی پژمردہ اور بے اثر، جیسے دو سال کے پھول۔)

(۳) میں کہیے سے توبہ تو نہیں لایا ہوں (میں کعبہ سے توبہ کر کے نہیں آیا) کہ کافر شراب فروش کے گھر کو رہن رکھ کر مے لے آیا ہے (کہ مجھے توبہ شکنی پر آمادہ کرے۔ کعبے میں جانے کے باوجود میرا دل محبت غیر سے پاک نہیں ہوا)

(۴) عشق نے اپنی بوالعجبیوں سے صرف مجھے ہی نہیں لوٹا (راہ زدن:۔ ڈاکہ ڈالنا) بلکہ کتنے ہی بزرگ ہیں جن کا خرقہ وزنار (لباس زہد وتقدس) اس نے اتار پھینکا۔

(۵) ہر دہ کانٹا جو ہمارے راستے میں پیروں کے تلووں میں چبھ گیا اس نے (اپنے گوشۂ دستار سے کئی رنگ کے پھول نکالے (میرے خیال میں گوشۂ دستار سے عاشق کے گوشۂ دستار کے مقابلے میں خار کا گوشۂ دستار مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے گویا ہمارے تلوے کے خون نے کانٹوں کی اس قبیلہ آبیاری کی ہے کہ ان سے سینکڑوں قسم کے پھول نکل آئے ہیں۔

(۶) جس شخص نے ہماری خلوت کا دروازہ کھٹکھٹایا اس نے ہم سے برائی کی۔ (کیونکہ اس کا یہ فعل) ہمیں سراپردہ دیدار سے باہر نکال لایا (خلوت میں ہم تصور محبوب کئے بیٹھے تھے۔ اس میں خلل پڑنے سے گویا ہم دیدار سے محروم ہو گئے)

(۷) تو جس راستے بھی خرام ناز سے چلنے والے چکور کی طرح سے گزر گیا۔ تیری چال نے مور کو اس کی رفتار بھلا دی۔ (مور تیری چال کو دیکھ کر شرمندگی سے اپنی چال کو بھول گیا)

(۸) نظیری نے آسمانوں کے دروازے پر بہت سر مارا۔ تب کہیں جا کر وہ اندھیری رات میں سے اس خوشی کی صبح کو نکال لانے میں کامیاب ہوا (بڑی دعاؤں اور تمناؤں کے بعد یہ صبح طرب حاصل ہوئی ہے)

غزل نمبر ۳۲

بحر مضارع مثمن مقبوض محذوف (نون آخری رکن مجنون محذوف) ارکان: مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

تقطیع: بخاطرم / گلہ گشت / دوست دشمن شد / دو دل / چو شیر و شکر بود / سنگ و آہن شد

۱ بخاطرم گلہ گشت و دوست دشمن شد — دو دل چو شیر و شکر بود سنگ و آہن شد

۲ چو خانہ سر کشتست عہد را بنیاد — ز ہر طرف کہ نسیمے وزید روزن شد

۳ مرنج اگر نشدم مضطرب ز آمدنت — چراغ دیدہ نمے داشت دیر روشن شد

۴ در اشتیاق تو چنداں صنم صنم گفتم — کہ شرمسار ز خود زاہد و برہمن شد

۵ سر از عنانِ تو گفتم برون توانم برد — کمندِ پا و سرم طرفِ جیب و دامن شد

۶ کشید بر سرِ دیوارِ بوستاں دامے — کہ گل ملول ازیں بلبلاں بشیون شد

مساز خندہ دگر رنجہ پا کہ نکشاید
لبِ ملولِ نظیری کہ وقفِ شیون شد

(۱) میرے دل میں (معشوق سے) ایک شکوے کا خیال ہی پیدا ہوا (زبان پر لانے کا تو کیا ذکر) اور دوست (محبوب) میرا دشمن بن گیا (کہ دل میں بھی میری شکایت کا خیال کیوں پیدا ہوا (اس سے پہلے ہم دونوں کے) دل شیر و شکر تھے۔ اب وہ لوہے اور پتھر کی طرح سخت ہو گئے ہیں۔

(۲) (معشوق سے) عہد کی بنیاد خانۂ سرکشت (وہ چھوس وغیرہ کا چھپر جو کھیت کے کنارے اس کی حفاظت و نگرانی کی غرض سے بنا لیا کرتے ہیں) کی مانند (کمزور) ہے کہ جس طرف سے بھی ذرا سی ہوا چلتی ہے اس میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ (محبوب ادنے سے عہد کی بنا پر عہد شکنی کا عادی ہے)

عبارت

(۳) اگر میں تیری آمد پر مضطرب اور بیقرار نہیں ہوا تو ناراض نہ ہو کیونکہ میری آنکھوں کا چراغ نمناک تھا اس لئے دیر سے روشن ہوا۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے ہوں تو کچھ نظر نہیں آیا کرتا۔ اسی طرح چراغ کی بتی کا سرا روغن میں تر ہو، تو جلد روشن نہیں ہوا کرتا۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ مشوق آیا مجھے اس لئے کہ آنسو آنکھوں میں تھے۔ خبر تک نہ ہوئی۔ وہ ناراض ہونے لگا۔ کہ میں نے بے اعتنائی برتی۔ اور عشق و بیتابی کا اظہار نہ کیا۔ اس کی توجیہہ کرتا ہے۔ کہ چراغ دیدہ نمے داشت الخ

(۴) میں نے تیری محبت میں اس قدر "صنم صنم" کہا کہ (میرے استقلال و یکجہتی کو دیکھ کر) زاہد اور برہمن اپنے آپ میں شرمندہ ہونے لگے (زاہد اور برہمن اس استقلال و پامردی اور خلوص کے ساتھ اپنے معبود کی عبادت نہیں کرتے)

(۵) میں نے سوچا تھا کہ تیرے جمنے سے نکل جاؤں گا (سر از عنان بردن یا تافتن۔ بے لگام اور آزاد ہو جانا) لیکن میرے اپنے ہی جیب و دامن کے کنارے میرے سر اور پیروں کے لئے کمند ہو گئے (تیرے عشق کے پنجے سے نکلنا ممکن نہ ہوا۔ جنونِ عشق میں جیب جیب اور دامن دامن نہ رہا۔ بلکہ جیب پھٹ کر سر کا اور دامن پھٹ کر پیروں کا کمند ہو گیا)

(۶) باغ کی دیوار کے اوپر جال لگا دو کیونکہ ان نالہ و شیون کرتی ہوئی بلبلوں سے گل بیزار ہو گیا ہے (عشاق کے نالہ و فریاد سے معشوق کو رنج پہنچتا ہے۔ دیوارِ بوستاں پہ جال لگانے کا فائدہ ایک تو یہ مبلبل اندر نہ آسکیں دوسرے گرفتار بھی ہوتے جائیں معشوق عشاق سے بیزار ہونے کے باوجود یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ اس کے قبضے سے نکل جائیں)

(۷) تو اب اپنی ہنسی کو تشریف آوری کی تکلیف نہ دے کیونکہ نصیری کے زخمیدہ لب جو نالہ و فریاد کے لئے وقف ہو چکے ہیں (ہنسنے کے لئے نہیں کھلیں گے) پہلے مصرع کی تفسیر میرے اس ترجمہ کے مطابق یہ ہے کہ "گر خندہ را رنجہ پا مساز" ہنسی کو زحمتِ رفتار نہ دے۔ میں نالہ و فریاد کا اس قدر عادی ہو چکا ہوں کہ اب کوئی چیز یہاں تک کہ خندۂ محبوب بھی مجھے آمادہ تبسم نہیں کر سکتا)۔

غزل نمبر ۳۲

بحر رمل مثمن اخرب مکفوف مقصور — ارکان: بمفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

تقطیع: ایں کعبہ را / بنا نہ / بباطل / نہادہ اند — فاعلات / مفاعیل / فاعلات / فاعلن

۱ ایں کعبہ را بنا نہ بباطل نہادہ اند — بس معنیٔ جمال دریں گل نہادہ اند

۲ در ماندہ گشتہ ایست بایں کار و بارِ عشق — ہر سو ہزار عقدۂ مشکل نہادہ اند

۳ زیں گل چہ دیدہ اند مگر حاملانِ عرش — کز رنجِ راہ پایۂ محمل نہادہ اند

۴ قلزم بشور رفتہ و عمان نشستہ تلخ — زیں آبِ زندگی کہ بسائل نہادہ اند

۵ آہ ایں چہ دوستیست کہ سرہائے یکدگر — خویشاں بریدہ در رہِ قاتل نہادہ اند

۶ خوارم مکن کہ رنجشِ آبروے را — باخونِ صد شہید مقابل نہادہ اند

۷ بر ہر کہ ہوشیار بود اعتراض کن — مستاں قدم بزمِ تو غافل نہادہ اند

۸ بنمائے رخ تمام کہ شاہانہ چیدہ اند — شاہاں کہ خاں بدعوتِ سائل نہادہ اند

۹ در بزمِ خلد نعمتِ ہر گونہ چیدہ شد — حسبِ مراد دعوتِ سائل نہادہ اند

گردن بنہ بہ تیغ نظیری کہ عاشقی
۱۰ بر سر کلاہ مردمِ عاقل نہادہ اند

(۱) اس وجود کے (کعبہ کی بنیاد رکھنا کنان قدرت نے) یونہی نہیں رکھی بلکہ اس مٹی میں حسن و جمال کے ہزار مضمون رکھ دیئے گئے ہیں۔ (لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (قرآن) مانا کہ اس وجود میں دل رکھ دیا گیا ہے)

(۲) عشق اس کاروبار سے (جو اسے انجام دینا پڑتا ہے) پریشان ہو گیا ہے۔ کیونکہ ہر طرف ہزاروں مشکل گرہیں پڑی ہوئی ہیں (جو آسانی سے

(۳) کل مراد انسان خاکی بنیان حاملان عرش فرشتے (کہتے ہیں کہ عرش کے ستر پائے ہیں اور ہر پایہ کو ستر ستر ہزار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں) محمل عماری مراد امانت یعنی خلافت الٰہی۔ عرفان عشق خدا (ترجمہ مطلب خیز) ان فرشتوں نے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں نہ معلوم انسان خاکی بنیان میں کونسی ایسی بات دیکھی ہے۔ جو تکلیف راہ کے خیال سے محمل کا پایہ رکھ دیا یعنی بار امانت نہ اٹھا سکے اس آیت کی طرف اشارہ ہے انا عرضنا الامانۃ ..... فحملھا الانسان انہ کان ظلوما جھولا

(۴) (دوسرا مصرعہ پہلے) اس آب زندگی سے جسے ساحل پر رکھ دیا گیا ہے۔ قلزم شور ہو گیا اور عمان کڑوا ہو گیا ہے (زندگی کی تلخیوں نے سمندروں کے پانی کو بھی تلخ کر دیا ہے۔ حسن تعلیل)

(۵) آہ! یہ کیا دستی ہے کہ خود اپنوں نے ایک دوسرے کے سر کاٹ کر قافلے کے راستے میں ڈال دیئے ہیں۔ (اس کے عشق میں عزیز و اقارب کو قربان کر دینا پڑتا ہے)

(۶) مجھے سلامت کر کیونکہ آبرو ریزی تو موشہید کے خون کے مقابل رکھا گیا ہے (آبرو ریزی قتل سے کہیں بڑھ کر ہے)

(۷) جو کوئی ہو تیار ہو اس پر اختتام کر (کہ) وہ تیری محفل میں کیوں آدھمکا (مستوں نے تو تیری محفل میں بیخبری کے عالم میں قدم رکھا ہے۔ (اس لئے وہ قابل درگذر ہیں)

(۸) (نقاب ہٹا کر) پورا چہرہ (مجھے) دکھلا دے کیونکہ تو پادشاہ ہے اور میں گدا) بادشاہ جو گدا کے لئے دعوت کا دسترخوان بچھاتے ہیں۔ اسے شاہانہ طریق سے سجاتے ہیں۔

(۹) بزم خلد میں ہر قسم کی نعمتیں چنی گئی ہیں۔ گویا سائل کی دعوت اس کی مراد اور خواہش کے مطابق کی گئی ہے۔

(۱۰) اے نظیری! تلوار کے نیچے گردن رکھ دے۔ کیونکہ تو عاشق ہے۔ اس لئے کہ سر پر ٹوپی تو عقلمند لوگ رکھا کرتے ہیں (اور عاشق دیوانہ ہوتا ہے اسے سر کٹوا دینا چاہیئے)

غزل نمبر ۳۲

بحر مضارع مثمن مقبوض مخبون ارکان آخری رکن مخبون محذوف ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

تقطیع	بدل ز شو	ق تو چوں	ل در سما	عاید
	مفاعلن	فعلاتن	مفاعلن	فعلن
	اجابتے	در و بامم	باستما	عاید

۱ بدل ز شوقِ تو چوں نالہ در سماع آید — اجابت از در و بامم باستماع آید

۲ مئیست در خمِ شوقم کہ گر بجوش رود — ہزار ذرہ و پروانہ در سماع آید

۳ چناں بنالشِ من روزگار خوش دارد — کہ گر خموش شوم بر سرِ نزاع آید

۴ بہ بیعِ عشوہ برآنم جہاں کہ مستِ نازم را — اہانتے ست کہ خود بر سرِ متاع آید

۵ بجاست نالہ مرغِ چمن کہ گل بشتاب — چناں رود کہ گر از پئے وداع آید

۶ چساں فسانۂ بلبل برم بہ دردِ سرش — سریست آنکہ ز بوئے گلش صداع آید

۷ سر از اطاعتِ فرماں کشم جم و کے را — کہ بندہ کہ مطیعِ تو شد مطاع آید

۸ نمونہ ز وصالِ تو دنایقِ ماست — کہ ذرہ در نظر از ہستیِ شعاع آید

ن خرم

بصبر و دادِ نظیری قرار و فرماں دہ
کہ غم ببدعت و ہجراں باختراع آید

(۱) میرے دل میں تیرے عشق کی وجہ سے جب نالہ و جد میں آتا ہے تو قبولیت میرے در و بام پر (میری فریاد و نالہ کو) سننے کے لئے آجاتی ہے (نالہ کرتا ہوں تو وہ اجابت حاصل کر لیتا ہے)

(۲) میرے عشق و شوق کے خم میں وہ شراب ہے کہ اگر وہ جوش میں آجائے تو ہزاروں ذرے اور پروانے وجد میں آجائیں (میرا جوشِ عشق ہزاروں عشاق کو مست و دیوانہ بنا دینے کو کافی ہے)

(۳) میرے نالہ و فریاد سے زمانہ اس قدر خوش رہتا ہے کہ اگر میں خاموش ہو جاؤں تو وہ (زمانہ) جھگڑنے لگتا ہے (زمانہ مجھے کبھی بے نالہ و فریاد نہیں چھوڑتا۔ مصائب یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں)

(۴) میں اس کے ناز کے پاس بیچنے کو خود جان لے کر بارہا گیا (کیونکہ میرے مست ناز محبوب کی یہ توہین ہے۔ وہ خود خریدنے کیلئے سامان کے پاس آئے (بیع: خرید و فروخت دونوں معنوں میں آتا ہے۔ یہاں معنی فروخت ہے۔ میں خود جا کر اس کے ایک ناز پر جان قربان کرنے کو تیار رہوں۔ اُسے تشریف آوری کی زحمت فرمانی کی ضرورت نہیں)

(۵) باغ کے پرندوں کا نالہ بالکل جائز ہے کہ پھول اس قدر جلد چلا جاتا ہے (پژمردہ ہو جاتا ہے (کہ گویا وہ آتا ہی رخصت ہونے کو ہے) وقت وداع کلی کو ملتے جاتے ہیں تو چند منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہرتے پھول کی زندگی بالکل مختصر ہے۔ پرندوں کے نالہ کا یہی سبب ہے) حسنِ تعلیل ہے)

(۶) میں اس کی سردردی کے لئے اس کے پاس بلبل کا قصہ کیسے لیجاؤں۔ کیونکہ اس کا سر تو ایسا ہے جسے پھول کی خوشبو سے درد ہونے لگتا ہے (صداع۔ دردِ سر۔ اس کی طبع نازک پھول کی خوشبو کی تاب نہیں لا سکتی۔ بلبل کا افسانۂ درد وہ کیسے سن سکتا ہے۔)

(۷) میں جمشید اور کیخسرو کی فرمانبرداری سے سر پھیر لیتا ہوں۔ کیونکہ جس تیرا فرمانبردار ہو گیا وہ دوسروں کا فرمانروا ہو جاتا ہے۔ (میں نے تیری غلامی اختیار کر لی ہے۔ وہ شاہی سے بڑھ کر ہے۔ بیت

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ)

(۸) تیرے وصال کا ذرا سا نمونہ اور ہماری نمایش (دعوے) لزوم کے لئے یعنی ہماری ہستی کی نمایش و نمود تیرے ذرا سے وصال کے ساتھ لازم ہے۔ کیونکہ ذرہ شعاع کے وجود سے ہی نظر آیا کرتا ہے (جس طرح شعاع کے وجود کے بغیر ذرہ نہیں نظر آتا۔ اسی طرح اس مہتابِ مطلق کے عکس کے بغیر ہمارا وجود ظہور نہیں رکھتا)

(۹) تو نظیری کے صبر و داد رسی کا حکم و فرمان دے۔ کیونکہ غم بدعت کیلئے اور ہجر اختراع کے لئے (اس کے پاس) آتا ہے (تو ہی نظیری کو صبر عطا کر کیونکہ اس پر غم و ہجر بدعت نئے نئے مظالم توڑتے ہیں)

غزل نمبر ۳۵

بحر رمل مثمن اثنتین — ارکان: فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

تقطیع:

کس چو من نیست کہ پیشِ نظرِ دل برود — غائب از دیدہ نگردد ز مقابل برود
دولتے بود کہ مردیم بہنگامِ وداع — آں قدر زندہ نماندیم کہ محمل برود
راہِ بیگانگی پیش نداری کہ کسے — بدلیلِ رہ وطے کردنِ منزل برود
صبر داریم کہ ایں تہمتِ عشق از سرِ غیر — ہمچو خونِ بسمل از گردنِ قاتل برود
قصۂ ما بعزیزانِ دلش خواہد گفت — ہر کرا تختہ ازیں ورطہ بساحل برود

نیکوئی دوستی آرد بدلِ دشمن و دوست ۶ ہمہ جا سرزند ایں ریشہ چو در گل برود
مردِ عاشق ندہد دل بتماشائے جہاں ۷ آں دہد کیسہ بطرارکہ غافل برود
سرِ چشمانِ تو گردم کہ زبس خونخواری ۸ قطرۂ خوں نگذارند ز بسمل برود
من و آزارِ نظیری ز کسم عار مباد
۹ بزباں آید از آنم گلہ کز دل برود

(۱) میری حالت بھی عجیب ہے کہ باوجود اس کے کہ محبوب کی نظروں کے سامنے ہوں لیکن اس کے دل میں گھر نہیں کر سکا کیونکہ اگرچہ اس (محبوب) کی آنکھوں سے غائب نہیں ہوں لیکن درحقیقت اور بالمعنے اس کے سامنے سے غائب ہوں (یعنی میرے بخت کی نارسائی اور اس کی شان تغافل کا یہ عالم ہے کہ اس کے سامنے ہوتے ہوئے بھی نہیں ہوں۔ مناسب تو یہ تھا کہ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل نظیری اس کو الٹ کر ایک مضمون پیدا کرتا ہے۔ کہ آنکھ سے اوجھل نہیں لیکن دل سے اوجھل ہوں)

(۲) (عاشق کے نزدیک وصلِ یار سب سے بڑی نعمت اور ہجر یار سب سے بڑی مصیبت ہے۔ اس خیال سے نظیری کہتا ہے۔ ترجمہ یہ کیسی خوش نصیبی تھی کہ جب محبوب جانے والا تھا ہم مر گئے۔ اور اتنی دیر بھی زندہ نہ رہے کہ محمل (محبوب کی سواری) روانہ ہو جائے۔ (نظیری موت کو خوش نصیبی اس لئے خیال کرتا ہے۔ کہ حرمانِ ہجر سے بچ گیا۔ اور محبوب کو ہماری جاں سپاری اور وفاداری کا یقین بھی کامل ہو گیا۔)

(۳) (اے محبوب) تجھ تک پہنچنے کا راستہ ایسا بیگانہ نہیں ہے کہ جو رہبر کی مدد سے طے ہو سکے (راہ معرفت دلائل و براہین اور اختیار و پارسائی سے طے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کا تعلق قلب کی پاکیزگی اور صفائی سے ہے۔ جو خدا کی دین ہے۔ یعنی عشق سے بے نیاز ہے)

(۴) (اس واقعہ کو کہ لوگ رقیب کو عاشق کہتے ہیں تہمت سے تعبیر کیا ہے۔)
ترجمہ۔ ہم اس تہمتِ عشق پر جو لوگوں نے رقیب پر باندھ رکھی ہے۔ صبر کرتے ہیں (اور اس وقت کے منتظر ہیں جب یہ تہمت غیر (رقیب) کے سر سے اس طرح حل جائے جس طرح معاف کیا ہوا خون۔ قاتل کی گردن سے حل جاتا ہے (آزمایش کے بعد اس کے عشق میں پورا نہ اترنے کی بنا پر لوگ خود بخود کہنے لگیں کہ رقیب عاشق صادق نہ تھا)

(۵) جس شخص کا تختہ اس بھنور (عشق کے گرداب) سے ساحل پر (سلامت) پہنچ جائے گا وہ ہمارا قصہ (کہ نظیری عشق کے دریا میں غرق ہو گیا ہے) ہمارے عزیزان وطن سے بیان کرے گا (یعنی نہ کوئی عشق کرے گا اور نہ ہماری موت کا پتہ چلے گا۔ اور اگر کوئی عشق کے دعوے کے باوجود سلامت بچ رہے گا تو وہ بوالہوس ہوگا نہ کہ عاشق صادق)

(۶) نیکی دوست اور دشمن دونوں (کے دل میں یکساں محبت پیدا کرتی ہے۔ یہ ریشہ (نیکی) جہاں کہیں بھی لگا یا جائے سرسبز ہوتا ہے (یعنی نیکی دوست اور دشمن دونوں کے دل میں گھر کر لیتی ہے۔)

(۷) عاشق دنیا کے تماشہ پر جو ایک کیسہ بر سے مشابہ ہے اپنا دل نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ بے شمار گرہ کٹ سے کیسہ کٹوا لینا ہے (ہو غافل ہو۔ عاشق تماشائے جہاں کو دیکھ کر عشق سے غافل نہیں ہو سکتا اس لئے وہ محفوظ ہے)

(۸) میں تیری آنکھوں کے قربان! کہ جو خونخوار ہونے کے باوجود بسمل (عاشق نیم جان) کا ایک قطرۂ خون بھی نہیں بہنے دیتیں (جدھر دیکھتی ہیں تلوار کی طرح بسمل کئے جاتی ہیں۔ مگر اس خوبی سے زخمی کرتی ہیں۔ کہ ایک قطرہ خون بھی زمین پر گرتا نظر نہیں آتا۔ اور اس طرح تڑپتی نہیں قاتل قرار نہیں دے سکتا)

(۹) اے نظیری میں ہوں اور آزارِ عشق ہے۔ (عشق کے آزار کے متعلق حرف شکایت زبان پر لانا چاہتا ہوں) میری زبان پر اگر حرف شکایت آتا ہے تو صرف اس لئے کہ میرے دل سے (گلہ) نکل جائے۔ اس لئے مجھے کسی (عشق) سے خبر ہونے کی کوئی وجہ نہیں (قاعدہ ہے کہ اظہار رنج و غم سے دل ہلکا ہو جایا کرتا ہے۔ رنج و غم کے بوجھ سے نظیری کا گلہ معشوق کی شکایت کے لئے نہیں۔ اس لئے اسے اس کی طرف سے خبر نہ ہونے کی افسوس کرنے کی ضرورت نہیں)

غزل نمبر ۳۶

بحر ہزج مثمن اخرب مقبوض محذوف

تقطیع { بزمت غمِ یارِ ما / مفاعلن / ندارد
بنفعولن / عیشِ تو / فعولن
عیشت کہ / غبارِ ما / مفاعیل

بزمت غمِ یارِ ما ندارد ۱ عیشِ تو غبارِ ما ندارد
ما چہرہ بخوں کنیم گلگوں ۲ مشاطہ نگارِ ما ندارد
چوں شعلہ ز سوزِ سینہ رویم ۳ نم ابرِ بہارِ ما ندارد
بس بوئے ببرد گل کہ دستش ۴ زخمِ سرِ خارِ ما ندارد
ما عربدہ مے کنیم بسیار ۵ مطرب سرِ کارِ ما ندارد
آئینہ بعیبِ ماست گویا ۶ عیبِ آئینہ دارِ ما ندارد
ہر نامہ کہ دل نمے کند خوں ۷ پیغامِ دیارِ ما ندارد
خوشحالیٔ روزِ وصل دیدیم ۸ شوقِ شبِ تارِ ما ندارد
ایں غم کہ ملالِ آرزو کیست ۹ رنگِ غمِ یارِ ما ندارد
بے نام و نشاں خوش ست مرغے ۱۰ کو نالۂ زارِ ما ندارد
گردوں مہ و مہر وار دارد ۱۱ نقدے بعیارِ ما ندارد

خوشا بہ کشتم ما نظیری
۱۲ مے عشرتِ کارِ ما ندارد

(۱) تیری محفل کو میری آمد کا کوئی غم نہیں (میں جو سراپا غم ہوں۔ وہاں موجود نہیں ہوں) اس لئے تیرا عیش (میری موجودگی کی وجہ سے) مکدر نہیں (یعنی تیری محفل سراسر عیش و عشرت کی محفل ہے۔ اور ہم سراپا غم اس لئے ہم اس میں نہیں آتے تاکہ تیرے عیش میں خلل نہ آئے کیونکہ افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را)۔

(۲) ہم اپنا چہرہ خون سے رنگین کر رہے ہیں (کیونکہ شرط عشق یہی ہے) (معمولی) مشاطہ کے پاس جو بناؤ سنگار کا سامان ہے وہ نگارِ ما بننے کی حیثیت نہیں رکھتا (یعنی عشق کی آرائش رنگ و نگار سے نہیں ہوتی بلکہ خون سے ہوا کرتی ہے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن — خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را)

(۳) چونکہ ہم سوزِ سینہ سے شعلہ کی طرح اگتے (نشو و نما پاتے) ہیں اس لئے ہمارے بہار میں نمی نہیں ہے (بلکہ سوزِ سینہ ہے جس سے ہماری نشو و نما ہوتی ہے)

(۴) پھول اس لئے اس قدر خوشبو حاصل کر سکا کہ ہاتھ ہمارے کانٹوں (عشق) کا زخم نہیں رکھتا (پھول کے ساتھ کانٹا

ضرب المثل ہے۔ مگر جو کانٹے عشق میں عشاق کو کھانے پڑتے ہیں اگر پھول کو ان سے دوچار ہونا پڑے تو اس میں خوشبو نام کو بھی نہ ہو۔)

(۵) مطرب (جب گاتا ہے) تو ہم اس مطرب سے جھگڑتے ہیں کہ وہ درد و گداز سے بھری ہوئی غزل گائے۔ مگر وہ مزے سے اپنا گیت گائے جاتا ہے اور ہماری بات کی پرواہ نہیں کرتا۔

(۶) آئینہ ہمارے عیب ظاہر کرتا ہے۔ ہمارے آئینہ دار میں کوئی عیب نہیں ہے۔ آئینہ میں اگر دیکھنے والے کو اپنے عیوب نظر آتے ہیں وہ آئینہ دیکھنے والے کے اپنے چہرہ کے خط و خال اور عیوب و نقائص ہیں اس میں آئینہ بنانے والے کا کوئی قصور نہیں مطلب یہ کہ اپنی بداعمالیوں کے لئے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ خالق کائنات کی ذات کو ان کے لئے ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا)

(۷) وہ خط (جس کا مضمون) دل کو خون نہیں کر دیتا اس میں ہمارے ملک کا پیغام نہیں ہوگا کیونکہ نامہ دیار عشق میں یہ تاثیر ہے کہ شدائد عشق اور اس کے سوز و گداز کے بیان کی وجہ سے پڑھنے والوں کا دل بے اختیار خون ہو کر اچھلا جاتا ہے)

(۸) ہم نے روز وصل کی خوشحالی بھی دیکھ لی۔ مگر اس سے ہمارے شوق (وصل) کی اندھیری رات کا لطف نہیں ہے یعنی ہجر و انتظار کی گھڑیاں وصل و وصال کے اوقات سے زیادہ پر لطف ہوتی ہیں)

(۹) یہ غم جس سے ملال پیدا ہو رہا ہے کس کا ہے۔ کیونکہ اس میں ہمارے محبوب کے غم کا رنگ نہیں ہے کیونکہ غم عشق میں ملال نہیں ہوتا بلکہ ایک خاص قسم کا لطف حاصل ہوا کرتا ہے۔ تو یہ غم غم عشق نہیں بلکہ کسی اور قسم کا غم ہے۔)

(۱۰) وہ پرندہ جو نالہ زار میں ہمارا ہمنوا نہیں اس کا بے نام و نشاں ہونا ہی بہتر ہے۔

(۱۱) آسمان بیشک چاند اور سورج کی روشنی اور تابناکی کا مالک ہے۔ لیکن ہمارے پاس جو نقدی (سخن یعنی جنس شعر) ہے اس کی تابناکی اور اس کے حسن و جمال [illegible] بلد میں کہ اس وقت عالمگیر ہو چکی ہے۔ سورج اور چاند کی عالمتابیوں کی عالمگیری کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

(۱۲) اے نظیری! ہم تو خالص خون پیتے ہیں۔ اس لئے شراب ہماری عشرت کا کوئی سامان نہیں رکھتی (ہمیں جو لطف عشق کے خونابہ پینے سے حاصل ہوتا ہے وہ شراب میں نہیں ہوتا۔)

غزل نمبر ۳۷

بحر ہزج مثمن سالم

تقطیع: منا صیدم / مفاعیلن / زبس زخمے / مفاعیلن / کہ ہر کس را / مفاعیلن / نظر بر حا / مفاعیلن / ل من اُفتد / مفاعیلن

۱ من آں صیدم کہ ہر کس را نظر بر حال من افتد / زبس زخم دلم کاریست در دنبال من افتد

۲ شکارت خوش برآید گر خود از منزل بروں آئی / نگاہت جانب مرغ مبارک فال من افتد

۳ نیم مرغے کہ بس دشوار باشد صید من کردن / زبس سستم گرہ از بال من در بال من افتد

۴ ازاں بر جم کہ ہر گہ عقدہ در پیش چرخ آید / ز دوراں ماہ من ماند ز گردش سال من افتد

۵ بزن در نامہ ام اے ابر محشر از کرم برقے / کہ مے ترسم ملک را چشم بر اعمال من افتد

۶ بقاتل خون خود پیش از سوال حشر مے بخشم / کہ مے ترسم کہ در ماندگی ز ہمال من افتد

۷ مرا گستاخ گوئی ہا مست در مجلس نخواہد شد / کہ دائم بند حسرت بر زبان لال من افتد

۸ مراں از گوشۂ چشمے کہ از عالم ہمیں دارم / کہ در ہر شادی و غم قبلہ آمال من افتد

بسے پر شوق مے آید نظیری کعبہ میترسم
بُتے ناگہ زطاق از شوقِ استقبالِ من افتد

(۱) میں وہ شکار ہوں جس شخص کی نظر میرے حال پر پڑتی ہے وہ یہ سمجھ کر (کہ میں جلدی اس کے ہاتھ آجاؤنگا) میرا تعاقب کرتا ہے کیونکہ میرے دل پر ایک کاری زخم لگا ہے (شکاری زیادہ مجروح شکار کو پہلے قابو کر لیا کرتے ہیں نظیری کا دل عشق میں سب سے بڑھ کر گھائل ہے اس لئے ہر معشوق اس کو اپنے جال میں پھنسانا چاہتا ہے)

(۲) اگر تو اپنے گھر سے شکار کے خیال سے باہر نکلے تو تیرا شکار مبارک ہوگا۔ کیونکہ (سب سے پہلے) تیری نظر مجھ مبارک فال پر پڑے گی (یعنی میں سب سے پہلے تیرا شکار بنوں گا)۔

(۳) میں وہ پرندہ نہیں جس کا شکار کرنا مشکل ہو میں تو بڑا سست رفتار ہوں (آسانی سے پکڑا جا سکتا ہوں) کیونکہ سست رفتاری کی وجہ سے میرے پر آپس میں اُلجھ جاتے ہیں (یعنی عاشق محبوب کے جال میں خود بخود آجاتا ہے محبوب کو تگ و دو کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی)

(۴) میں اس منحوس برج سے ہوں کہ جب کبھی کوئی عقدہ آسمان کے پیش آتا ہے (وہ اسے اسی میں ڈال دیتا ہے۔) جس کے باعث میرا سال اور ماہ گردش کرنے سے رک جاتے ہیں۔

(۵) اے ابر قیامت! از راہ مہربانی میرے نامۂ (اعمال) پر بجلی گرا (کیونکہ) میں ڈرتا ہوں کہیں فرشتہ کی نظر میرے نامۂ (اعمال) پر نہ پڑ جائے (اور مجھے شرمندہ ہونا پڑے)

(۶) اس سے پہلے کہ قیامت کے دن قاتل (محبوب، سے (مرے خون کی باز پرس ہو) میں اس (قاتل) کو اپنا خون بخشے دیتا ہوں کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہیں میری سہل انگاری کی وجہ سے وہ (قیامت کے دن) درماندگی سے دوچار نہ ہو (اس مضمون کو نظیری نے مختلف پر لطف اسالیب سے بیان کیا ہے ایک جگہ کہتا ہے ؎

"مصفل ز رخش بیحیا نہ بینمش — مے آرم اعتراف گناہ نابودہ را)

(۷) میرے پاس گستاخی کی باتوں کا بہت سا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے (اب تک اس کے سخنوں کو خاموشی سے برداشت کرتا رہا ہوں مگر) اب اس کی مجلس میں مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا کہ میری (اب تک خاموش) لگی زبان پر آئندہ ہمیشہ حسرت کی مہر لگی رہے۔

(۸) مجھے اپنے گوشۂ چشم سے مت نکال کیونکہ دنیا میں صرف یہی ایک چیز ہے جو خوشی اور غم کے وقت میری امیدوں کا قبلہ بنتی ہے (خواہ خوشی ہو یا غم تیرا گوشۂ چشم التفات ہی میری آرزوؤں کا قبلہ گاہ ہے)

(۹) نظیری (محبوب پرستی میں کمال حاصل کر چکا ہے اب، بہت شوق سے کعبہ جا رہا ہے مجھے خوف ہے کہ ناگہاں کوئی بت اس کے استقبال کے شوق میں (کعبہ کے) طاق سے گر نہ پڑے (غنا عرنے پہلے مصرعہ میں اپنے کو غائب اور دوسرے میں متکلم فرض کیا اس میں صفت تجرید ہے)

غزل نمبر ۳۸

تقطیع { فلک مز / دورایما / ئے تو باشد
فعولن / فاعلاتن / ئے تو باشد
نوازد / ہر کرارا

۱ فلک مزدورایمائے تو باشد ، نوازد ہر کرارائے تو باشد
۲ بدل تنگی کنم دل خوش ہمیشہ ، کہ تنہا جائے تنہائے تو باشد
۳ نیازارم زخود ہرگز دلے را ، کہ میترسم در و جائے تو باشد
۴ شود مجروح مغز استخوانم ، سر خارے چو در پائے تو باشد

مئے کا شفتگی در شور آرد ۵ نگاہِ کارافزائے تو باشد
حریفے کز خرد بازیچہ سازد ۶ عتاب گریہ فرمائے تو باشد
نہایت نیست طومارِ دلے را ۷ کہ مضمونش تمنائے تو باشد
کدورت نیستِ کاخِ سینہ را ۸ کہ راہش برتماشائے تو باشد
گلِ صد رنگ بیروید از آں خاک ۹ کہ در وے نوشِ صہبائے تو باشد
سحر گہ ہر کہ پیش از خواب خیزد ۱۰ حریفِ بادہ پیمائے تو باشد
دو عالم نقدِ جاں بردست دارند ۱۱ بہ بازارے کہ سودائے تو باشد

نظیری زندگی در دردِ دل جو
کہ دردِ تو مسیحائے تو باشد ۱۲

(۱) آسمان تیرے حکم کا مزدور ہے (اس لئے وہ تیرے ایما کے مطابق گردش کرتا ہے) اور جس کے متعلق تیرا حکم ہوتا ہے اسی پر وہ نوازش کرتا ہے (آسمان اپنی گردش میں آزاد نہیں بلکہ وہ تیرے ارشاد کا ایک ادنیٰ خادم ہے)

(۲) اگرچہ دل تنگی ایک عیب ہے مگر میں ہمیشہ اس دل تنگی پر خوش رہتا ہوں تاکہ اس میں صرف تیرے ہی غموں کی گنجائش ہو (عاشق محبوب کے سوا کسی دوسرے کے خیال کو اپنے دل میں جگہ نہیں دینا چاہتا۔ باوجود اتنی وسعتوں کے اسکے خیال میں کاملِ عشق کے لئے تنگ ہے)

(۳) میں کسی دل کو بھی دکھ نہیں دیتا کیونکہ میں ڈرتا ہوں اس میں کہیں تیری جگہ نہ ہو (یعنی اس میں تو موجود ہے قلوب المومنین عرش اللہ تعالےٰ)

(۴) جب کسی کانٹے کی نوک تیرے پاؤں میں لگ جاتی ہے (یعنی تجھے کوئی تکلیف پہنچتی ہے) تو وہ (نوک) تیرے مژہ استخوان تک کو زخمی کر دیتی ہے (محبوب کی ذراسی تکلیف عاشق کو مضطرب و بیقرار کر دیتی ہے)

(۵) وہ شراب جو مستی کو جوش میں لاتی ہے (اور تیز کرتی ہے) وہ تیری نگاہ کارافزا ہی ہے۔ نگاہِ معشوق میں وہ تموج انگیزی اور مستی موجود ہے کہ گویا وہ ایک نہایت تیز شراب ہے۔ کارافزا نگاہ کو عشق انگیزی کی وجہ سے قرار دیا ہے)

(۶) (دوسرا مصرعہ مقدم) تیرا رلا دینے والا عتاب وہ حریف ہے جو عقل کو ایک بازیچہ بنا دیتا ہے (تیرے عتاب کے بعد عقل کام نہیں کر سکتی)

(۷) اس دل کے دفتر کی کوئی انتہا نہیں ہے جس (دل) کا مضمون تیری تمنا (یعنی عشق) ہو (عشق کا بیان غیر مختتم ہے)۔

(۸) اس سینہ کے محل میں کدورت نہیں ہو سکتی جس کی راہ تیرے نظارہ کی طرف جاتی ہو (یعنی جس دل میں محبوب حقیقی کا جلوہ موجود ہے وہ دشمنی کی آلائش سے پاک ہوتا ہے)

(۹) اس مٹی سے گل صد رنگ پیدا ہوتا ہے جس میں تیری شراب کا تر یا خشک موجود ہو (نوش صہبائے سے مراد عشق ہے یعنی عشق کی شراب سے رنگا رنگ پھول پیدا ہوتے ہیں)

(۱۰) تیرا حریف بادہ پیما (ایک ساتھ شراب پینے والا) ہو سکتا ہے۔ صبح کے وقت جو شخص پہلے نیند سے اٹھتا ہے (مراد یہ ہے کہ وہ شخص عرفانِ الٰہی کو پہنچتا ہے جو شب بیدار ہو)

(۱۱) جس بازار (منڈی) میں تیری خرید (کا سودا ہوتا ہے وہاں وہ لوگ جہاں اپنی اپنی جان کی نقدی ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں تاکہ اپنی جان کے عوض تجھے خرید لیں کسی نے کہا ہے ؎

سپرد و عاشقیت خود گفتہ ترخ بالاکن ارزانی ہنوز)

(۱۲) اے نظیری تو (جاودانی) زندگی کو درد دل (عشق) میں تلاش کر کیونکہ تیرا درد (عشق) ہی تیرا مسیحا ہو سکتا ہے (زندگی نام ہے عشق حقیقی کا)

غزل نمبر ۳۹

بحر ہزج مثمن سالم

تقطیع { پس از نو مہ جہاں / مفاعیلن / جہار اراوا / مفاعیلن / بچگنقد / مفاعیلن
مرقع تا / مفاعیلن / کدامیں خا / مفاعیلن / برنگ افتد

مینے عیشے / مفاعیلن / رخارآرا / مفاعیلن / برنگ افتد

۱ پس از نو مہ جہاں را دامن عیشے بچنگ افتد — مرقع تا کدامیں خار و خارا را برنگ افتد

۲ بخشتیں جامہ بر اندازۂ حسن تو ببریدند — قبا بر قدِ سرو از بہرِ آں کوتاہ و تنگ افتد

۳ بعشقِ روپیت از دل ارغوان و لالہ می چینم — شرارے لعل گردد مہرِ خورشید ار سنگ افتد

۴ فگندہ دل خراشہائے رنجش خستہ وزارم — مباد آئینہ را قسمت کہ در چنگال زنگ افتد

۵ پس از وارستگی در قیدِ زلفش تازہ افتادم — بتر از نو مسلمانے کہ در قیدِ فرنگ افتد

۶ ز حسرت سوختم وز شرم دودے بر نیاوردم — الٰہی آتشے در خانۂ ناموس زنگ افتد

۷ ترقی در تو جہد کم شنود عشقِ مجازی را — بمنزل کے رساند مرد راہت چو لنگ افتد

۸ تمنائے گہر در کشتہ ام دارد بدریائے — کہ در ہر گام صد جادہ بکامِ نہنگ افتد

۹ جنیبت دارِ راہند اندریں ذوقِ جہاں ہم را — نہ سورے بے عزا آید نہ شہدے بے شترنگ افتد

۱۰ ہمیشہ ہمچو اجزائے خطِ پرکار در کارم — کجا در دورِ چرخ و گردشِ انجم درنگ افتد

۱۱ نظیری بہرِ حفظِ تن مطیعِ نفس گردیدی — چہ نصرت در گذرگاہیکہ آہو با پلنگ افتد

ف پالنگ افتد

(۱) نو مہینے کے عرصے کے بعد عیش (بہار) کا دامن جہان کے ہاتھ آیا ہے دیکھئے کس کس کانٹے اور پتھر کا لباس حسن بہار سے رنگین ہوتا ہے یعنی ہر موسم بہار آرہا ہے رنگ رنگ کے پھول پیدا ہونگے۔)

(۲) ازل کے دن ہی قضا و قدر نے جن کا لباس تیرے (محبوب کے) اندازہ پر قطع کیا (یہی وجہ ہے) وہ (حسن کا لباس) سرو کے قد پر چست تو ہے اور موزوں نہیں۔)

(۳) جس طرح سورج کی شعاعوں سے پتھر لعل ہو جاتا ہے میں بھی تیرے مہر رخ کی شعاعوں کو اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں۔ اور اس میں جو موج خوں جاری ہے وہ گویا ارغوان اور لالہ کے پھول ہیں جو میں چنتا ہوں۔

(۴) تیری رنجش کی خراشوں کے زنگ نے مجھے زندگی سے بیزار کر دیا ہے۔ میری حالت ایسی ہے گویا کسی بدنصیب کا آئینہ زنگ خوردہ ہو جائے۔

(۵) میں ابھی آزاد ہی ہوا تھا کہ از سر نو اس (محبوب) کی زلف میں گرفتار ہو گیا پس میری حالت اس نومسلم سے بھی بری ہے جو مسلمان ہوتے ہی فرنگی کے ہاتھ ایسے ہو گیا ہو۔

(۶) میں حسرت کے مارے جل رہا ہوں گر شرم کے مارے آہ نہیں نکالتا۔ خدا کرے اس ناموس کا گھر جل جائے تاکہ میں ننگ و ناموس سے بے نیاز ہو کر اپنی داستان عشق بیان کر سکوں۔)

(۷) ہم عشق مجازی (جو ایک کم ہمت ہے) کی طرف رجوع کرتے ہیں عشق حقیقی کی طرف ترقی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ایک کم ہمت

آدمی منزل مقصود (عشق حقیقی) تک نہیں پہنچا سکتا۔

(۸) تمنائے کامرانی (عشق محبوب) کی تلاش مجھے ایک ایسے سمندر میں مارے مارے لئے پھرتی ہے جہاں ہر قدم پر کام نہنگ سے دوچار ہونا پڑتا ہے (یعنی عشق میں ہر طرف بلائیں منہ کھولے کھڑی ہیں کہ عاشق کو خرمان نصیب بنائے رکھیں)

(۹) دنیا میں اس لئے خوشی بغیر ماتم کے اور شہد بغیر حنظل (زہر) کے نہیں ملتے۔ کیونکہ خوشی اور غم ابلق ایام کی عنان تھام کر چلتے ہیں (یعنی روز و شب کے حوادث پیہم میں غم کی لذت دائمی کی آمیزش ضروری ہوتی ہے۔)

(۱۰) میں ہر وقت پرکار کے خط کے اجزاء کی طرح حرکت میں ہوں اور میری اس گردش میں اسی طرح کبھی تاخیر نہیں ہو سکتی جس طرح آسمان اور ستاروں کی گردش میں تاخیر نہیں ہوتی۔

(۱۱) اے نظیری تو لذت تن آسانی خواہشات (کی خاطر نفس (آوارہ) کا مطیع ہو گیا ہے۔ جس گذرگاہ میں بکری اور شیر کا مقابلہ ہو وہاں کمک کیا فائدہ دے گی۔

غزل نمبر ۴

بحر مضارع مثمن اخرب

تقطیع: آمد و گر بہ صلح و در بہ جنگ باز کرد

آمد و گر بہ صلح و در بہ جنگ باز کرد
صلحے مصلحت پئے جنگِ دراز کرد

شد عمر و سرگرانیِ او بر طرف نشد
بر من بقدرِ مرتبۂ عشق ناز کرد

خود را بکامِ دشمنِ خود دید آنکہ او
با دوستاں تغافلِ دشمن نواز کرد

عقلم نظر بآئینۂ دوستاں فگند
از دوستی و دشمنیم بے نیاز کرد

چشمِ طمع بدوز کہ در قسمتِ کساں
ہر کس کشود دیدہ بحسرت فراز کرد

صد معجز از کرامتِ لعلِ تو دیدہ ام
از تو نمیتواں بخطا احتراز کرد

ہر جائے بلبنم از تو سزائے پرستشی
بر کعبہ میتواں زہمہ سو نماز کرد

صوتِ تو از ترانۂ ناہید برگزشت
شد بلبلِ مطربِ حسنِ تو ساز کرد

طبلِ وجودِ عیشِ نظیری بہم نزد
کوتاہ دید مرحلۂ خوابِ دراز کرد

(۱) محبوب نے صلح کی اور (ساتھ ہی) جنگ کا دروازہ کھول دیا (جنگ شروع کر دی) خیال ہے اس نے صلح اس مصلحت سے کی تھی تاکہ جنگ کی مدت دراز ہو جائے۔

(۲) میری عمر اس خیال میں گذری کہ محبوب ناز حسن چھوڑ دے گا لیکن جوں جوں میرا رتبہ عشق میں بلند ہوتا گیا دوں دوں وہ (محبوب بھی زیادہ ناز کرتا چلا گیا۔

(۳) وہ شخص جو دوستوں سے بے اعتنائی برتتا ہے اور دشمنوں پر نوازش کرتا ہے وہ اپنی ہلاکت میں دشمن کی مدد کرتا ہے۔ کیونکہ مصیبت کے وقت دوست بھی بے اعتنا ہو جاتے ہیں۔)

(۴) ایک دن میں نے عقل کی مدد سے دوستوں کے آئینہ دل کو دانستگاف دیکھ لیا (یعنی ان کے دل کے رموز پڑھ لئے اسی

(۵) دن سے معلوم ہوا کہ ان کی دوستی دشمن کی دشمنی سے کم نہیں ہے، پس اب میں دونوں سے بے نیاز ہوں۔
طمع کی آنکھ کو بند کر کیونکہ جو شخص حرص کی نظر سے لوگوں کی قسمت روزی اور مرتبہ کو دیکھتا ہے اس کی حسرت بڑھ جاتی ہے اور حرص اس کو زیادہ تکلیف میں ڈالتی ہے۔

(۶) میں نے تیرے محبوب کے لب لعل کی کرامت سے سینکڑوں معجزے دیکھے ہیں۔ اگر تمہارے لب لعل دلنوازی میں کمی کریں، تو میں تمہاری محبت ترک نہیں کر سکتا۔

(۷) کعبہ میں ہر طرف سے نماز پڑھی جا سکتی ہے میں بھی تجھے ہر طرح سے پرستش کے لائق دیکھتا ہوں (پس کیوں ہر طرح سے تیری پوجا نہ ہو)

(۸) تیرے حسن کا مطرب جب اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اس کی خوش الحانی بید (ستارہ زہرہ) کی نغمہ سرائی سے بھی سبقت لے جاتی ہے۔

(۹) طبل وجود کی آواز نے نظیری کی خواب عدم کو برہم نہ کیا یعنی عدم سے وجود میں آیا تو بیخودی کی کیفیت سا تھ لے کر آیا۔ اور زندگی کی دلچسپیوں میں کھویا نہ گیا۔ اس کو یوں بیان کیا ہے کہ عدم میں نظیری جس نیند میں محو تھا۔ زندگی بھی اسی محویت کی شیرینی میں گذاری گویا عدم سے وجود میں آکر سویا ہی رہا کہ موت آگئی۔

غزل نمبر ۴۱

بحر ہزج مثمن سالم

تقطیع
یکے فلسم ہوس ہر روز درسیما بم اندازد
مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن
خرد فرسا یدم زنگش ز آب و تا بم اندازد
خرد فرسا یدم زنگش ز آب و تا بم اندازد
مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۱ یکے فلسم ہوس ہر روز درسیما بم اندازد
خرد فرسا یدم زنگش ز آب و تا بم اندازد

۲ زبر صافی بدم از ریو ورنگ طبع بیگانہ
چہ دانستم کہ دوراں در کف قلا بم اندازد

۳ زسلطانی بکنج گلخنے افگندہ تقدیرم
کہ خاکستر بجائے بستر سنجا بم اندازد

۴ ندارم مستیٔ طاؤس اگر ہم رنگ طاؤسم
فریب طبع رو بہ در شراب نا بم اندازد

۵ بخوں سر گشتہ تر دارم دلے از چرخ دولابی
نیفتم در خیال خود کہ در گردا بم اندازد

۶ حیات و مرگ خود چوں حاصل افسانہ می بینم
شبم بیدار دار در روزہا در خوا بم اندازد

۷ چو مرغان سحر خوانست از بس ذوق فریادم
بنور صبح رشک پر تو مہتا بم اندازد

۸ ادا ناکردہ فرض صبحدم تا چند مخموری
بنزد صالحاں در گوشۂ محرا بم اندازد

۹ بعیش و ناز نتواں تکیہ بر احسان گردوں کرد
شبانم پرورد تا در کف قصا بم اندازد

۱۰ عزیزاں از تعلق سخت در رفتن گرانبارم
کسے خواہم دریں طوفاں نخست اسبا بم اندازد

ندارم شورش و ذوقے نظیری اشک و آہے کو
کہ چوں شکر در آتش چوں نمک در آبم اندازد

(۱) میری ہوس ایک فلس یعنی پارۂ زر پارہ میرا تپا کر کیمیا بنانا چاہتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ (ہوس) میری عقل کو فرسودہ کرتی ہے اور اس (ہوس) کا زنگ میری آب و تاب کو زائل کر دیتا ہے۔

(۲) میں خالص سونا تھا۔ اور طبیعت کی صنع سازی سے بالکل ناآشنا (لیکن مجھے یہ خبر نہ تھی کہ قضا و قدر) فریب کار (کھوٹ ملانے والے) زمانہ کے ہاتھ دیدیئے گئے مفہوم یہ ہے کہ میری جنس سخن کی پاکیزگی اس نمائشی مرصع کاری کی قدردانی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

(۳) مجھے تقدیر نے تخت سلطنت سے اتار کر بھٹی کے ایک گوشہ میں ڈال دیا اور میرے سنجاب کے بستر کی جگہ راکھ کا بستر بچھا دیا۔ (اس شعر میں زوال آدم کی داستان پوشیدہ ہے۔)

(۴) میں ہمرنگ طاؤس ہی سہی لیکن طاؤس کی بانکپن اور اس کی مستی رقص نہیں رکھتا۔ اس لئے طبیعت کی حیلہ کاری نے یہ رغبت دلائی کہ شراب ناب پی کر ایک کیفیت مستی اپنے اوپر طاری کرلوں جس سے کم از کم مستی طاؤس کا ایک عکس تو پیدا ہو جائے)

(۵) میرا دل سرگشتی میں (رہٹ کی طرح) چند لگانے والے آسمان سے بھی بڑھ کر ہے۔ فرق یہ ہے۔ کہ اس کوزۂ (دل) میں بجائے پانی کے خون ہے۔ اس کے باوجود میں اپنی مصیبت کے خیالات میں بہت محو نہیں ہوتا۔ کیونکہ ڈرتا ہوں کہ آسمان نہیں میرے دل کو گرداب بلا میں نہ پھینک دے۔

(۶) میں زندگی اور موت کو حاصل افسانہ سمجھتا ہوں یعنی یوں کہ رات کو بیدار یہ زندگی ہوئی اور دن کو محو خواب یہ موت ہوئی۔

(۷) صبح کے نغمہ سنج پرندوں کی طرح فریاد کرنے کی خواہش مجھ میں اس حد تک بڑھی ہے کہ چاند کی روشنی میری فریاد پر رشک کرتی ہے (اور چاہتی ہے کہ میں اپنی فریاد چاندنی میں جاری رکھوں۔ اس لئے اس تیزی اور خوبصورتی سے چمکتی ہے کہ میں چاندنی ہی کو صبح کا نور تصور کر لیتا ہوں اور گانا شروع کر دیتا ہوں)

(۸) کب تک ایسا ہوتا رہے گا کہ میں شراب کے نشہ میں مدہوش ہو کر گوشۂ خراب میں نمازیوں کے پاس سربسجود رہوں یعنی صالحین تو اور لئے نماز کی خاطر آتے ہیں اور میں میکدے شبانہ کے نشہ میں سرشار گوشۂ خراب میں ہی پڑا رہتا ہوں۔ یہی نماز ہو جاتی ہے۔

(۹) ہم عیش اور ناز کے سبب (آسمان) کے احسان پر بھروسہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ (آسمان) ایک گڈریا ہے۔ جو بکری کو پالتا ہے اور قصاب کے ہاتھ میں بیچ ڈالتا ہے (یعنی آسمان ایک قصاب ہے جو ہماری پرورش محض اس لئے کرتا ہے کہ موت کے حوالہ کر دے)

(۱۰) اے عزیز و رفیق (دنیا) سے روانگی کے وقت میں (گناہ) کے بوجھ کے نیچے سخت دبا ہوا ہوں میں ایک ایسے شخص کی مدد چاہتا ہوں جو اس طوفان حیات میں مجھے میرے اس اسباب گناہ سے ہلکا کر دے۔

(۱۱) نظیری ہمارا ذوق جنوں اور جوش سودا کم ہو گیا ہے کاش آنکھوں میں اشک محبت ہوتے اور سینے میں آہیں۔ پھر تو یہ معلوم ہوتا کہ گویا کسی نے آگ میں نمک ڈال دی۔ اور پانی میں نمک ڈال دیا یعنی ذوق جنوں اور بڑھ جاتا ہے

نوا را تلخ ترمے زن چو ذوق نغمہ کم یابی — حدی را تیز ترمے خوان چو محمل را گراں بینی

غزل نمبر ۴

بحر مشاکل مسدس مقبوض اخرم محذوف

تقطیع { در کشد بحر / فاعلاتن / ہائے غم / مفاعلن / عاشق / فعلن
رشحے از / قلم بروں / نہ دہد }

۱ دلِ باہوش دم بروں ندہد — چشمِ با دوست نم بروں ندہد

۲ در کشد بحرہائے غم عاشق — رشحۂ از قلم بروں ندہد

۳ دلِ اسرار بیں حدیثِ قدیم — جز بحکمِ قدم بروں ندہد

۴ چیپ نوشتند نامہ حاضر باش — نشوِ کاغذ رقم بروں ندہد

۵ منکرِ آن نگاہِ وحشی را — راہ از دیدۂ رم بروں ندہد

نگہ از چشمش اربروں آید ۶ زلفش از پیچ و خم بروں ندہد
ایں خم از مرگ و سورِ جہاں ، غیرِ نیل و لقم بروں ندہد
بدہ آبِ خضر کہ در دردشت ۸ خاک جز جامِ جم بروں ندہد
مرد باید کہ فکرِ یار از دل ۹ تا زید نیمدم بروں ندہد
بکفم جامِ شادماں گوید ۱۰ تا رُخم رنگِ غم بروں ندہد
نتواں کم ز پیر ترسا بود ۱۱ میرد از کف صنم بروں ندہد

گر نگوید قلم نظیری را
۱۲
ابر سیراب نم بروں ندہد

(۱) عقلمند دل (یعنی عقلمند کا دل) دم نہیں مارتا (یعنی خاموش رہتا ہے تاکہ راز فاش نہ ہو جائے) اور وہ آنکھ جو محبوب کو دیکھتی ہے آنسو نہیں نکالتی تاکہ محبوب پر راز فاش نہ ہو جائے)
(۲) عاشق غموں کے دریا کے دریا پی جاتا ہے۔ (اور اس آسانی سے ہضم کر جاتا ہے) کہ ایک قطرہ بھی قلم سے نہیں گرتا (عاشق اپنی طبیعت پر پورا قبضہ رکھتا ہے)
(۳) سراول جس پر تمام اسرار الوہیت فاش ہیں (بغیر قدم کے (یعنی بغیر امر الٰہی کے) اس مضمون لطیف کا بیان نہیں کرتا۔
(۴) تیرا نامۂ اعمال الٹے حرفوں میں لکھا گیا ہے، اس لئے احتیاط کر کہ کہیں کاغذ کی دوسری طرف سے کوئی ٹھیک ٹھیک نہ پڑھ لے)
(۵) اس (محبوب) کی وحشی آنکھ کی طرف نہ دیکھ۔ کہ اپنی خوئے رم کی وجہ سے اس کی نگاہ آنکھوں میں سے ہی نہیں نکلتی (یعنی محبوب وہ غزال وحشی ہے کہ اپنی خوئے رم یا حیا کی وجہ سے آنکھیں چار ہی نہیں کرتا۔
(۶) اگر (محبوب) کی آنکھ سے نگاہ باہر نکل آتی ہے۔ تو اس (محبوب) کی زلف اپنے پھندے میں پھنسا لیتی ہے۔
(۷) خم مثال آسمان دنیا کو مبتلائے انتظراب رکھنے کے لئے سوائے نیل کے اور مجیٹھ کی سرخی کے اور کچھ پیدا ہی نہیں کرتا۔ (نیل استعارہ داغ رسوائی کیلئے ہے اور لقم خون تمنا کیلئے ہے۔)
(۸) آبِ حیات کی تلاش ترک کر دے۔ خود اس دنیا میں ذرہ ذرہ یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ جام جم بن جائے اور ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں جام جم تو میسر ہے (یعنی عیش و عشرت) اگر مجھے آبِ حیات عشق چاہیئے اس لئے اے ساقی مجھے تو ہی آبِ حیات دے جس کے مقابلہ میں شرابِ جمشید کی بھی وقعت نہیں۔
(۹) مرد عاشق وہ ہے جو مرتے دم تک محبوب کے فکر (عشق) کو آدھے منٹ کیلئے بھی دل سے نہ نکالے (یعنی عاشق تمام عمر عشق سے غافل نہیں ہوتا۔)
(۱۰) (اے ساقی) مجھے جام شراب دے جس سے غوطی پکتی ہو تاکہ میرے بغیرہ سے (محبوب) کے غم کا رنگ ظاہر نہ ہو۔
(۱۱) عاشق کو کم از کم پیر ترسا (صاحب دیر) کی طرح راہ محبت میں مستقیم ہونا چاہیئے کہ مرتا مر جائے لیکن اپنے صنم سے کبھی کا رشتہ نہ توڑنے پائے۔
(۱۲) اگر نظیری کا قلم ماتم عشق میں مبتلا ہو کر درد و گداز کی باتیں نہ لکھے تو یقین جانئے بادل کبھی مینہ نہ برسے (یعنی بادلوں سے پانی برسنے کی شاعرانہ وجہ یہ ہے کہ نظیری اندوہ عشق کا بیان کر رہا ہے۔ اور بادل اشک فشانی میں شریک ہیں۔)

غزل نمبر ۴۳

بحر مضارع مثمن مقبوض محبون اخری رکن محبون محذوف

تقطیع { جہاجوا / مفاعلن / بہار پا } { شد عقیدے / فعلاتن / ء جہادر } { بہارے / مفاعلن / نگارے } { بندو / فعلن / بندو }

۱ جہاں جواں شدہ عقدِ بہارے بندد — بہار پائے جہاں در نگارے بندد

۲ زصنعِ نشو و نما آب و خاک الواں شد — جمادِ نامیہ خود را بکارے بندد

۳ نگارِ باغ و بہار است دایۂ بستاں — میانِ نرگس و دستارِ خارے بندد

۴ چمن زصوت بلندِ ہزار پندارد — کہ رنگِ لالہ و گل برقرارے بندد

۵ ازیں حدیقہ چو گل زود باید رفتن — کسیکہ دل بنوائے ہزارے بندد

۶ مسافرانِ چمن نارسیدہ در کوچند — تگو فہ میرود و شاخ بارے بندد

۷ زبے ثباتیٔ گل بر درخت پنداری — کہ غنچہ بر سرِ آتش شرارے بندد

۸ گہے کہ دامنِ صحرا ز لالہ رنگین ست — بداں کہ خونِ دلش در کنارے بندد

۹ چہ عیش دسور میسر شود زدورانے — کہ عقدِ نشأمے با خمارے بندد

۱۰ وصالِ شمع چہ مہلت دہد بہ پروانہ — کہ موم گردن آتش بتارے بندد

ت بع ۱۱ زدورِ چرخِ چو ما ہیلست ناں بگردابم — کہ طعمہ بر رسن تا بدارے بندد

متاعِ بخت نظیری نیافت در غربت
امید باز بعزمِ دیارے بندد

(۱) دنیا نے پھر جوان ہو کر عروس بہار سے نکاح پڑھا لیا۔ اور بہار نے پائے جہاں میں مہندی لگا دی۔ مطلب یہ ہے کہ بہار آنے سے چپہ چپہ گلزار ہو گیا ہے۔

(۲) اس وقت صنعت کاری کی نشو و نما کے باعث پانی اور مٹی رنگین ہو گئے ہیں کہ دنیا کی ان جماد سکون میں بہار کی ہنگامہ آرائیوں سے پھر حرکت ہو گئی ہے۔

(۳) دایۂ بستان نے (باد صبا یا قدرت) نرگس کی کمر کو کانٹے کی پگڑی سے باندھ دیا یعنی دونوں کو دامن بنا دیا۔ مطلب یہ ہے جس طرف دیکھتے ہیں گل و نرگس کا ہجوم ہے۔

(۴) بلبل کے نغمۂ بلند کو سن کر باغ کو یہ خیال ہوتا ہے کہ لالہ اور گل کی رنگینی شاید اسی طرح برقرار رہے گی۔

(۵) جس شخص نے بلبل کی آواز پر دل لگایا (فریفتہ ہوا) اس کو اس حدیقہ (باغ مراد و دنیا) سے جلدی چلا جانا ہوگا۔

(۶) اس شعر میں صنعت ایہام اور صنعت ایہام تناسب کی وجہ سے معانی میں ایک عجیب پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔ مسافران چمن

سے باغ کے پھل پھول اور پتے مراد ہیں۔ اور مسافر کے دوسرے معنے معروف ہیں۔ نارسیدہ کچے پھل کو بھی کہتے ہیں اور پختہ خراب کو بھی دوسرے معنے معروف ہیں۔ بگو و نمیرود میں مسافرت کی رعایت سے جانے کا بھی اشارہ ہے۔ اور شاخ بار سے بندوبست مراد ہے۔ شاخ پر گل پھل جو آ گئے تو گویا اس نے اسباب سفر باندھ دیا۔ بار بستن۔ پھل آنا اور اسباب سفر باندھ کر تیار ہونا۔ ترجمہ چمن کے مسافر (پھل پھول اور پتے) اپنی منزل باغ میں پہنچے بھی نہ تھے کہ کوچ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ بگو و نمیرود یا روانہ ہو (بور رنگا پھل آ گئے) اور شاخ میں پھل کیا آئے گویا اس نے اسباب سفر باندھ لیا۔

(۷) پھول کی بے ثباتی کی کیفیت یہ سمجھو گویا غنچہ نے آگ پر شرارہ کی طرح ظہور کیا جس چیز کا ظہور نمیر آتش ہو گا اس کی بے ثباتی کی کیا حد ہے)

(۸) جب کبھی صحرا کا دامن (گل لالہ سے رنگین ہو تو سمجھو کہ اس (صحرا) کے دل کا خون پہلو میں جم گیا ہے اور گل لالہ کی شکل میں نمودار ہوا ہے)

(۹) اس زمانہ میں عیش و خوشی کیسے میسر ہو۔ استفہام انکاری یعنی نہیں ہو سکتی) کیونکہ وہ نشۂ شراب) کا عقد و نکاح بخمار بدمزگی جو نشہ کے اتر نے کے بعد ہوتی ہے، باندھتا ہے (دنیا میں غم اور خوشی توام ہے)

(۱۰) دوسرا مصرعہ یوں پڑھو موم برگردن آتش بتا کہ بندہ پروانے کو وصال شمع کی کیا مہلت ہے کہ شمع کی موم نے تو اپنی تاگ (رشتہ شمع کو) گردن آتش سے باندھ رکھا ہے یعنی شمع تو خود بخود دلم بلم جل رہی ہے۔ پروانہ اگر پہنچ بھی گیا تو بہت کم عرصہ شاد کام ہو گا

(۱۱) جس طرح مچھلی کو پکڑنے کیلئے شست میں کوئی کیڑا لگا کر ڈالتے ہیں اسی طرح ہمارا رزق بھی گرداب بلا میں ہے۔ نہ کھائیں تو بھوکے مریں۔ اور کھانے کی کوشش کریں تو مچھلی کی طرح گرفتار مصیبت ہوں

(۱۲) نظیری کو پردیس میں بخت کی متاع حاصل نہ ہوئی۔ اس لئے وہ پھر وطن کے ارادے پر امید لگائے بیٹھا ہے (واپس وطن کو لوٹتا ہے)

غزل نمبر ۴

بحر رمل مثمن محذوف

تقطیع: بازِ نرگس / فاعلاتن / را گلستاں / فاعلاتن / صاحبے اف / فاعلاتن / سر کند / فاعلن
شاخِ گل من / فاعلاتن / بر نہد بل / فاعلاتن / بل حکایت / سر کند

۱ بازِ نرگس را گلستاں صاحبے افسر کند — شاخِ گل من بر نہد بلبل حکایت سر کند

۲ غنچہ گردد سبز مغز سبزہ زنگاری قبا — روزِ عرض آید کہ ہر کس بر خود و در بر کند

۳ از گلِ مستاں بروید تاکِ می شوریدہ وار — لالہ خونیں ز خاکِ کشتگاں سر بر کند

۴ حسنِ گل بر قے بستاں افگند کز تاب آں — بلبلِ شوریدہ را ہمرنگِ خاکستر کند

۵ شاخِ گل شد پنجۂ آذر کہ بر رغمِ خلیل — بادِ آزاری بہر سو لعبتِ آذر کند

۶ جلوہ شورانگیز باشد ہر کہ آید در سماع — بادہ عطر آمیز گردد ہر کہ در ساغر کند

۷ ترسم از مخموریِ ساقی کہ ہنگامِ صبوح — صبح را کم از فروغ لالۂ احمر کند

۸ بر تنِ رنجورِ سودائے وزد بادِ بہار — مشکِ خاں را مومیائی مغز را عنبر کند

۹ صبحدم دامن کشاید حلۂ عطر آگیں شود — از گلِ اخگر بر فروزد غنچہ را مجمر کند

سنبلِ اسرار میروید کہ از رازِ سپہر ۔ ہر چہ گوید ابر در گوشِ زمیں باور کند
در روانی گویا طبعِ نظیری شد چناں
" کانچہ آید در ضمیرش ثبت در دفتر کند

(۱) (موسم بہار نے) باغ میں نرگس کو پھول از سر نو تہ دار بنا دیا ہے۔ پھول کی شاخ اس کا منبر اور بلبل داستان خواں ہے (موسم بہار میں نرگس نگین کی شکل پر پھولی ہے اور بلبل چہچہا رہی ہے جمعہ میں ہی پڑھا جاتا ہے خطبہ کی سنت کا خطیب جب یہاں پہنچتا ہے تو شاخ گل سنبر پر پھول کا دن آ گیا کہ ہر شخص اپنے آپ کو بہترین چادر میں ملبوس کرے۔ چنانچہ گنبد (گلکی) اپنے سر پہ سبز خود رکھ لی ہے اور سبزہ نے اپنی زرنگاری (سبز رنگ) کی قبا پہن لی ہے۔

(۲) (موسم بہار میں) مستوں کی خاک سے بے اختیار انگور کی بیل پھوٹتی ہے کہ مرنے کے بعد بھی ان کا قالب خاکی نشو نما شراب کے کام آ رہا ہے اور عاشقوں کی خاک سے لالہ کے پھول پیدا ہوتے ہیں۔ جو گویا خون شہیدوں کا نشان ہے۔

(۳) حسن گل نے باغ میں وہ برق (بجلی) گرا دی ہے جس (برق) کے شعلہ نے شوریدہ سر (عاشق) بلبل کو (ہلاکر) راکھ کر دیا ہے۔

(۴) شاخ گل آذر (حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام جو بت بنایا کرتا تھا۔ مراد بادِ بہاری) کا پنجہ بن گئی ہے۔ اور خلیل (حضرت ابراہیمؑ) کے مقابلہ میں باد بہاری نے چاروں طرف بتان آذری کو کھڑا کر دیا (شاخ گل کو مشہور صناع آذر کے دست صنعت گر سے تشبیہ دی ہے اور ہوا کے چلنے سے جو پھول کھلے ہیں ان کو بتان آذری کہا ہے)

(۵) (باد بہاری کے فیض سے) نظارہ ایسا جنون انگیز ہے کہ جو شخص (دیکھتا ہے) وجد میں آ جاتا ہے۔ اور ہوا اتنی معطر ہے کہ جو شخص شراب کو پیالہ میں ڈالتا ہے تو وہ (شراب) معطر ہو جاتی ہے۔

(۶) میں ساقی کے چہرہ سے ڈرتا ہوں کہ نشہ میں اس پر جو سرخیاں اور رنگینیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کے مقابلہ میں صبح کا نور زائل ہو جائے (لالہ احمر استعارہ ہے ساقی کے چہرہ کا جو اثر شراب سے سرخ ہو رہا ہے)

(۷) باد بہار کے چلنے میں وہ اثر ہے کہ سوداوی مریض اچھا ہو جائے۔ اس کی ہڈیوں میں رومیائی کی تاثیر اور اس کے مغز میں عنبر کی خوشبو پیدا ہو جائے۔

(۸) صبح جب اپنا دامن پھیلاتی ہے (صبح ہوتی ہے) تو اس کا لباس (فضا) معطر ہو جاتا ہے پھول اس کا انگوٹھا اور غنچہ اس کی انگشتی بنتی ہے (پھول کو دھلتے ہوئے کو تلوے اور غنچوں کو انگشتی سے تشبیہ دی ہے جس میں خوشبودار مصالح جل رہے ہیں)

(۹) (سنبل اسرار کا مطلب مشکوک ہے۔ نولکشوری نسخہ میں حاشیہ نویس نے سنبل کو سنبل رازحق کہہ کر پیچھا چھوڑا لیا ہے۔ اسرار کو سنبل سے استعارہ کرنا شاید اس وجہ سے ہو کہ سنبل کی پیچیدگی سے اسرار کی پیچیدگی کچھ مشابہت رکھتی ہو) مطلب بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے۔ کہ فیض الٰہی سے جو کچھ پیدا ہو رہا ہے۔ وہ گویا نمونہ اسرار فطرت ہے۔ کہ خاک پر مینہ برستا ہے تو بغیر ہماری کاوش اور بغیر ہمارے اختیار کے بوقلموں رعنائیاں پیدا ہوتی ہیں قرآن مجید میں کئی جگہ بارش اور اس کے انوار اور آثار قدرت الٰہی کی تمثیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وانزلنا من السماء ماء فاخرجنا بہ من الثمرات رزقا

(۱۰) روانی کے سبب سے نظیری کی طبیعت ایسی چست ہو گئی ہے۔ کہ جو (خیال) اس کے دل میں آتا ہے فوراً دفتر (بیاض) میں لکھ دیتا ہے۔

غزل نمبر ۴۵

بحر مضارع مثمن مقبوض مخبون آخری رکن مشعب مقصور

تقطیع	دریغ نق	ش الٰہا	براب جو	بستند
	مفاعلن	فعولاتن	مفاعلن	فعلان
	بجسن لا	لہ و گل رن	گ آرزو	بستند

دریغ نقشِ الٰہا بر آبِ جو بستند ۔ بجسنِ لالہ و گل رنگِ آرزو بستند

چو موجِ روئے ہوا در سراب میرانند ۲ کساں کہ دل بتماشائے رنگ و بو بستند

مپرس حال کہ ایں مطربانِ چابکدست ۳ دل از نوائے حزینم بتارِ مو بستند

بخست جاں زدمِ ایں مغنیاں گوئی ۴ خراشِ سینہ ترا شیدہ بر گلو بستند

نہ عاقلست کہ تن در دہد بخلعتِ خاک ۵ ہزار رخنہ دریں کہنہ از رفو بستند

بکشت و زرعِ ہرا حساں رسید آسیبے ۶ کہ مفلساں ہمہ بر خشتِ آبرو بستند

مجو ز ناموراں غیر نام کیں خاناں ۷ صلا زدند بیغما و در فرو بستند

بغم بساز کہ از بے نشاطیٔ ایام ۸ مغاں بدیر دہاں خم و سبو بستند

دریں جزیرۂ جہاں مے سرائیم شعر ۹ چو زندِ مست کہ بر گردنش گدو بستند

ازیں جہاں دلم آمادۂ گریختن ست ۱۰ چو کودکاں کہ میاں چست در گلو بستند

ہزار نقش دریں کارخانہ در کار ست
کہ ہیچ خوردہ نظیری ہمہ نکو بستند ۱۱

(۱) افسوس (قضا و قدر نے) امیدوں کی تصویر بنتے ہوئے پانی پر بنائی (جسے قیام نہیں اس لئے امیدوں کا پورا ہونا امر محال ہے) اور خوش آئند آرزؤں کو لالہ و گل جن اور رنگ و یاد جو کھلتے ہیں اور مرجھا جاتے ہیں۔ اس لئے اگر آرزو پوری بھی ہو جائے تو خوشی کو دوام نہیں ہے)

(۲) جو لوگ دنیا میں رنگ و بو کے دلدادہ ہیں (اپنی زندگی بسر کرتے ہیں گویا ان کی زندگی ایسی ہوا کا ایک جھونکا ہے جو صحرا میں سراب پر چلتی ہے (اور سوائے ریت کے ذرات کے اس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ یہی حالت دنیا دار کی ہے جو دنیا کے تماشے میں پڑ کر اصل مقصد زندگی کھو بیٹھتا ہے)

(۳) میرا حال کیا پوچھتے ہو کہ ان فن کار مغنیوں نے اپنی نوائے حزیں سے گویا میرے دل کو اپنے ساز کی تاروں سے باندھ رکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گویا مطربوں کی موسیقی اتنی دردناک اور لطیف ہے کہ میرا دل بے اختیار ان کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔

(۴) ان مطربوں کی تانوں اور گیتوں کو سن کر میں کیفیت نغمہ سے گویا بلاک ہوا جا رہا ہوں۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے گویا انہوں نے اپنے دل کے سوز و گداز کو اپنے دل کی آواز میں منتقل کر دیا ہے۔ وہ سرا مصرعہ تمام استعارہ کے رنگ میں ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ مطربوں کی لطافت طبع ان کی نغمہ کاری سے پیدا ہے۔

(۵) جو شخص خاک کی خلعت (قالب خاکی) لے کر خوش ہے وہ عقلمند نہیں۔ کیونکہ قضا و قدر نے اس کہنہ خلعت (قالب خاکی) کو رفو کرتے وقت اس میں ہزاروں رخنے رکھے ہیں۔

(۶) معلوم ہوتا ہے کہ احسان کی ہری بھری کھیتیاں آسیب آسمانی سے خشک ہو رہی ہیں۔ گویا مفلس اب توقع کرم جو رکھتے ہیں تو بیکار ہے۔ ابر و برخشک بستن۔ کار ناحق و بیفائدہ کرنا۔

(۷) یہ ناموز صرف شہرت کے طالب ہیں۔ ان سے کسی نفع کی امید نہ رکھ۔ کیونکہ جب میخانہ دعوت عام دیتے ہیں (تو غیر ملوث) پہلے اپنا دروازہ بند کر دیتے ہیں۔

(۸) زمانہ میں خوشی باقی نہیں رہی۔ میفروشوں نے میکدہ میں خم و سبو کا منہ بند کر دیا ہے۔ اس لئے غم پر ہی قناعت کر۔

(۹) جس طرح رندمست کی گردن پر کدو مے باندھے پھرتے ہیں کہ شراب پینے کے سوا اس کا گذارہ نہیں اسی طرح میں بھی اس جزیرہ میں جہاں جاہل رکھن سے ناشنا، لوگ بستے ہیں اپنے شعر کہے جاتا ہوں (اگرچہ میرے شعر سمجھنے والے موجود نہیں لیکن میں شعر کہے چلا جاتا ہوں)

(۱۰) جس طرح بچے لوگوں کے ہجوم میں کنکر پھینک اور ہاتھ بلند کر کے بھاگتے ہیں اسی طرح میرا دل بھی اس دنیا سے بھاگنے پر آمادہ ہے

(۱۱) اسے نظیری، اس دنیا میں ہزاروں نقش موجود ہیں۔ تو عیب جوئی نہ کر کیونکہ جو کچھ پیدا کیا گیا ہے اچھا ہے۔

غزل نمبر ۴۶

بحر ہزج ثمن اخرب مکفوف اخری رکن محذوف مسبغ

تقطیع { افسانۂ / شیریں / مرا گوش / نکردند
مفعول / مفاعیل / مفاعیل / فعولن
صد تلخ / چشیدم / شکرے / نوش / نکردند

افسانۂ شیریں مرا گوش نکردند ۱ صد تلخ چشیدم شکرے نوش نکردند
یک خردہ گرفتند پس از نکتہ بسیار ۲ گشتیم فراموش و فراموش نکردند
ما روزہ ازیں مائدہ بر چنگ کشادیم ۳ در کاسۂ ما جرعۂ سرجوش نکردند
معلوم شد از مستیٔ ما حوصلۂ ما ۴ دادند بحکمت مے و بیہوش نکردند
باید بعصا رفت چو موسیٰؑ کہ دریں راہ ۵ یک چاہ نکندند کہ خس پوش نکردند
در حلقہ شدم زاں خطِ رخسار قرینم ۶ تا کوکبِ آں صبح بنا گوش نکردند
اشجارِ چمن دست بہم دادہ و یاران ۷ سیرے بمنِ غمزدہ ہمدوش نکردند
جانم برہِ پردگیانِ سحری سوخت ۸ سویم نگہے از تہِ شب پوش نکردند
خوں نابہ بو آمدہ بر جیب و کنارم ۹ زاں سنبل خوش بوم در آغوش نکردند
امروز نہ رحمست کہ لب تشنہ گذارند ۱۰ آں را کہ لبے تر زمۓ دوش نکردند

فریاد ازیں شوق کہ در جانِ نظیری
تا مُردنش از زمزمہ خاموش نکردند

(۱) لوگوں نے میرا فسانۂ شیریں کبھی نہیں سنا (میرے شعر کی قدر نہ کی) میں نے تو لوگوں کی تلخ کلامیاں بھی سنیں لیکن میرے میٹھے اشعار کا بھی کوئی قدردان پیدا نہ ہوا۔

(۲) نقادوں نے بحث کے بعد ہمارے کلام میں ایک عیب نکالا اب یہ حالت ہے دنیا ہمیں بھول گئی۔ لیکن ہمارا عیب ہر ایک کو یاد رہا۔

(۳) ہم نے اپنا روزہ خشک چیزوں ہی سے کھول لیا۔ خوان دنیا میں ہمارا حصہ یہی تھا۔ ہمارے پیالہ میں شراب خوشگوار

نہیں ڈالی گئی۔

(۴) جب ساقی کو معلوم ہو گیا کہ ہم مستی میں رازِ عشق کو، پوشیدہ نہیں رکھ سکتے تو اس نے ہمیں اتنی شراب پلائی جس سے ہم بیہوش نہ ہوئے۔

(۵) اس دنیا میں حضرت موسیٰؑ کی طرح ہاتھ میں عصا لے کر چلنا چاہیئے (احتیاط سے زندگی بسر کرنی چاہیئے) کیونکہ (قضا و قدر نے) اس دنیا میں کوئی بھی ایسا کوآں نہیں کھودا جس کو گھاس سے نہیں ڈھانپ دیا۔

(۶) میں محبوب کی زلفوں میں پھنس کر اس کے رخسارہ کے قریب جا ہی پہنچا پھر بھی محبوب نے مجھے اپنی بناگوش کا ستارہ نہ بنایا۔

(۷) باغ میں درخت گویا ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑے ہیں لیکن افسوس کہ دوستوں نے مجھ غمزدہ کے دوش بدوش کبھی سیر کرنے کا خیال نہ کیا۔

(۸) پروگیان سحری محبت میں ہلاک ہو گیا لیکن کسی محبوب نے چادر میں سے میری طرف ایک نظر نہ ڈالی (پروگیان سحری سے پردہ نشین محبوب مراد ہے۔ جو صبح کے وقت جلوہ فروز ہیں۔ شب پوش، مراد چادر جو رات کو پہنتے ہیں)۔

(۹) محبوب کے ہجر میں اتنا خون کے آنسو رویا کہ میری جیب اور پہلو (خون سے تر ہو گئے اور ان سے) خون نابہ کی بو آنے لگی۔ یہی وجہ ہے محبوب کے سنبل کی خوشبو میرے آغوش میں نہ دی گئی۔

(۱۰) جن کو کل رات شراب نہیں دی گئی تھی اگر آج بھی ان کو نہ پلائی گئی تو بڑا ظلم ہوگا۔

(۱۱) اے نظیری! شعر گوئی میری زندگی کا ایک ایسا جزو ہو چکا ہے کہ مرتے دم تک شعر گوئی نہ چھوٹے گی۔

غزل نمبر ۴

بحر مضارع مثمن مقبوض مخبون آخری رکن مخبون محذوف

تقطیع	ہوس چ دے	رکشد شع	ل در نہا	دُفتد
	مفاعلن	فعلاتن	مفاعلن	فعلن
	بحدِ عش	ق کشدے	ل چو نیا	دُفتد

۱ ہوس چو دیر کشد شعلہ در نہا دافتد — بحدِ عشق رسد میل چون زیاد افتد

۲ نشاطِ صحبتِ فرہاد رشکِ خسرو داشت — خوشست عشق اگر کار بر مراد افتد

۳ بشہر و بادیہ فرسودم و کسے نخرید — بلاست جنسِ گرانمایہ در کساد افتد

۴ چو قیمتے نہدم روزگار بفروشید — نہ یوسفم کہ خریدار بر مراد افتد

۵ مرا بدست تہی گوشۂ نقاب سپرد — کم ست آدمِ مفلس باعتماد افتد

۶ خدنگِ غمزہ گرہ بر کمانِ ابرو چند — کشادہ کہ ہمہ کارہا کشاد افتد

۷ عنانِ دل ز ملالت بتاب و دستم گیر — کہ ہر کرا تو بگوئی، ز پا فتاد افتد

۸ ضمیرِ روشنِ تو لوحِ محو و اثبات است — کہ تا زیاد برآید کہ تا بیاد افتد؟

۹ چو ذرہ خلقِ جہاں در ہوات میگردند — بشہر ندیدہ کسے کافتابے اد افتد

۱۰ تنم ز بیدلی بندِ زمانہ کاستہ شد — چو طفلِ شوخ کہ در قیدِ اوستاد افتد

حذر ز آہِ نظیری کہ خانماں سوز است
مبادایں خسِ سوزاں بدستِ باد افتد

(۱) جب دل میں (عشق کی) ہوس زیادہ دیر تک قایم رہتی ہے تو ایک شعلہ محبت پیدا کرتی ہے۔ جب انس زیادہ ہو جائے تو عشق تک پہنچ جاتا ہے۔

(۲) اگر عشق میں کامیابی ہو تو کیا اچھا ہوتا ہے مذہب عشق میں کامیاب تھا اور اسے وصال شیریں کی خوشی حاصل تھی۔ اس لئے خسرو اس (فرہاد) کی کامیابی کو دیکھ کر رشک کرتا تھا۔

(۳) کساد بازاری میں گراں مایہ جنس بھی ایک مصیبت ہے (جس کا کوئی خریدار نہیں بنتا) میں بھی اپنی گرانمایہ جنس (عشق) کو شہروں اور بنوں میں لئے پھرا لیکن کوئی خریدار پیدا نہ ہوا

(۴) زمانہ جو بھی میری قیمت ڈالے مجھے اسی قیمت پر بیچ دو۔ (میں عاشق ہوں اس لئے میرا کوئی خریدار نہیں یوسف (معشوق) نہیں ہوں کہ ہر طرف سے میرے خریدار پیدا ہوں۔

(۵) مفلس آدمی کا کبھی کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ میں بڑا خوش قسمت ہوں۔ کہ محبوب نے جب مجھے خالی ہاتھ دیکھا۔ تو اپنا نقاب میرے سپرد کر دیا۔

(۶) اے محبوب! کب تک تو تیرِ غمزہ کا چلہ ابرو کی کمان پر چڑھائے رکھے گا (یعنی چین بجبیں رہے گا) اس گرہ کو کھول دے تاکہ ہمارے تمام مشکلات بھی حل ہو جائیں۔

(۷) جسے تو ذلیل ہونے کا حکم دیتا ہے وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ میں عاجز ہوں میری مدد کر اور اپنے دل سے ملال کو نکال دے۔

(۸) تیری روشن ضمیر ایک لوح محفوظ ہے جس پر ایک وقت اگر کچھ لکھتے ہیں تو دوسری دفعہ مٹا دیتے ہیں۔ اب دیکھیں ہمارا کون سی بات فراموش ہو جاتی ہے۔ اور کون سی ثبت رہتی ہے۔

(۹) شاید محبوب آفتاب زادہ ہے کہ تمام مخلوق خاک کے ذرّوں کی طرح اس کے اردگرد گھومتی پھرتی ہے لیکن ہم نے تو کبھی کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو آفتاب زادہ ہو۔

(۱۰) جس طرح شوخ بچے استاد کی قید میں مضطرب و پریشان رہتے ہیں اسی طرح میرا بدن بھی زمانہ کی مصیبتوں کے طمانچے کھا کر گھل گیا ہے۔

(۱۱) اے نظیری! (عاشق کی) خانماں سوز آہ سے ڈر ایسا نہ ہو کہ اس جلتے ہوئے تنکے کو ہوا اڑا کر لے جائے اور کسی کے خرمن میں ڈال دے۔

غزل نمبر ۴۸

بحر مضارع مثمن مقبوض مخبون اخرب مکفوف محذوف مقصور

تقطیع: ہنوز را / مفاعلن / بر تو ترے — ہ نگاہیم / فعلاتن / کہ نیامو — بہ بال و پر / مفاعلن / فتند سر — نہ دہند / فعلان / خدہند

۱ ہنوز زراہ نگاہیم بہ بال و پر ندہند — کبوترے کہ نیامو فتند سر نہ دہند
۲ خرابِ نرگسِ سنگیں دلانِ سرمستم — کہ بر طریقِ نظر مہر را گذر ندہند
۳ زغم بگونہ زریں شدم چہ چارہ کنم — قبولِ صحبتِ صاحب دلاں بزر ندہند
۴ ازیں کشادہ جبیناں ثباتِ عیش مجو — کہ گل دہند بخروار و باک بر ندہند
۵ بزہرِ یاس بسازِ و مجو حلاوتِ کام — دوا چو دارو ئے تلخت گند شکر ندہند

زخواں بہ نعمتِ دوراں رضا بقسمت دہ ۔ کہ طعمۂ زغمت خوشگوار تر نہ دہند
بدرد سوز کہ بر بستر آبِ عنابت ۔ بغیرِ تپ زدگی وتفِ جگر مدہند
چہ یادِ جورِ رفیقاں کنم نصیبم بود ۔ کہ تشنہ بر لبِ جو میرم و خبر مدہند
مثالِ مالبِ دریا دحالِ مستقی ست ۔ دہند شوق و لے رخصتِ نظر مدہند
سزد کہ مقنعہ بر سر کنند آں رواں ۔ کہ تاجِ عشق بجو ایہند و ترکِ سر مدہند

ظفر تراست نظیری کہ محوِ ذوق شدی
بہر کہ غوطہ بدریا نزد گہر مدہند

(۱) میری نگاہ کے نا آموز کبوتر کو اڑنے نہیں دیتے کیونکہ جب تک کبوتر کو گرنا نہیں سیکھتے نہیں کھولتے۔
(۲) میں ان سنگدل (محبوبوں) کی آنکھوں کا دارفتہ ہوں جو آنکھوں میں محبت کا رنگ پیدا ہی نہیں ہونے دیتے۔
(۳) صاحب دلوں کی محبت سونے کے عوض کبھی حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر میں غم میں زرد رنگ گرزرد مثال ہو گیا تو کیا۔
(۴) ان بے حس کھوٹے دنیا داروں سے آرام و آسایش کی توقع نہ رکھ کیونکہ یہ پھول تو بہت دیتے ہیں (جو نا پائدار ہیں) پھل نہیں دیتے۔
(۵) حلق کی حلاوت کا خیال کئے بغیر یاس (ناامیدی) کی زہر خوشی سے پی جا۔ جہاں تلخ دوا مریض کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے طبیب شکر نہیں دیا کرتے۔
(۶) زمانہ کے خوان نعمت سے جو کچھ تیری قسمت میں آیا ہے اس پر راضی رہ کیونکہ اس دور زمانہ کے خوان نعمت) پر غم سے بڑھ کر کوئی خوشگوار لقمہ نہیں
(۷) بخار اور گرمی جگر کے مریضوں کو عناب کا پانی دیا کرتے ہیں۔ تو بھی بے تکلیف سے جل تاکہ آب عناب (راحت) تجھے نصیب ہو۔
(۸) ندی کے کنارے سے پر تشنہ لب مرنا ہی میری قسمت میں لکھا تھا یہ دوستوں کا قصور نہ تھا کہ انہوں نے مجھے نہ بتایا (کہ ندی بہہ رہی ہے پانی پی لو)
(۹) مرض استسقا کے مریض کو دریا کے کنارے بٹھا دیتے ہیں۔ لیکن پانی پینے نہیں دیتے۔ میری بھی یہی حالت ہے کہ میرے دل میں شوق دیدار کا جذبہ تو پیدا کر دیا ہے لیکن دیدار نصیب نہیں ہوتا۔
(۱۰) جو لوگ عشق کا تاج تو پہننا چاہتے ہیں مگر راہ عشق میں سر نہیں کٹوانے ان کو کہہ دو کہ دونوں کا بھلا نہیں (اور چاردیواری میں بیٹھ جائیں)
(۱۱) اے نظیری! تو ذوقِ عشق میں محو ہے اس لئے تو کامیاب رہیگا۔ کیونکہ جو شخص سمندر میں غوطہ نہیں لگاتا وہ موتی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟۔

غزل نمبر ۴۹

تقطیع { وقت شد / سبزہ فر / ش در پیچد
ابر خر / فاعلن / ملاتن
گہ بیک / گر پیچد

وقت شد سبزہ فرش در پیچد ۔ ابر خر گہ بیک دگر پیچد

آفتاب از کمیں برآرد سر ۲ پنجۂ ابر باد بر پیچد
مسندِ سبزہ نخل بگذارو ۳ زافسرِ غنچہ شاخ سر پیچد
ہمہ ذرّاتِ خاک بت گر را ۴ تارِ زنار بر کمر پیچد
حسنِ رنگے جہاں نمودہ بہ وہم ۵ سیمیا را بساط در پیچد
زاغ گر نہ تجدّد کند پرواز ۶ بہمش چرخ بال و پر پیچد
اصل بہتر کہ ترکِ فرع کند ۷ پائے در دامنِ اثر پیچد
دیدہ سیلِ بہار شد کہ جہاں ۸ بہم اوراقِ خشک و تر پیچد
تر و خشکی کہ کوہ و صحرا است ۹ خوردۂ لالہ در شرر پیچد
زحمتِ خار و رنجِ خارا را ۱۰ لالہ در پارۂ جگر پیچد
ارغواں را کہ خوں کند سیلاں ۱۱ ساعد از نوکِ نیشتر پیچد

بس فریبِ چمن نظیری دید
از بہشتش عناں نظر پیچد ۱۲

(۱) (خزاں کا) وقت آگیا۔ سبزہ (باغ سے اپنا) فرش لپیٹ رہا ہے۔ بادلوں کو چاہیئے کہ تو بر تو چھا جائیں۔
(۲) (وہ وقت آگیا ہے) کہ آفتاب گھات سے سر نکالے تو ہوا پنجۂ ابر کو مروڑ کر اس طرح کرے کہ بادل آفتاب پر محیط ہو جائیں
(۳) (وقت آگیا ہے) کہ درخت (باغ میں) سبزہ کی مسند چھوڑ دے اور شاخ (گلبن) غنچہ کا تاج سر سے اتار دے۔
(۴) (وقت آگیا ہے) کہ صورت گر خاک کے تمام ذرات کی کمر کے گرد تار زنار لپیٹ دی جائے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ذرات خاک نشو و نما سے عاری ہو جائیں۔
(۵) دنیا میں نمود رنگ و حسن ایک نمود و وہم تھی۔ اب اس طلسم کی بساط کے الٹنے کا وقت آگیا ہے۔
(۶) (وقت آگیا ہے) کہ جو کوا اپنی طاقت سے بڑھ کر پرواز کرتا ہے۔ آسمان اس کے بال و پر کو آپس میں الجھا کر رکھ دے۔
(۷) اس وقت بہتر ہے کہ اصل (درخت، اپنی فرع (پھل پھول پتے) کو خیرباد کہے اور اب جو کچھ باقی رہ گیا ہے۔ اس پر قانع ہو۔
(۸) شاید میری آنکھیں کثرت گریہ سے سیلاب کی طرح ہیں۔ کہ دنیا نے اوراق خشک و تر کو گویا لپیٹ کر میرے راستہ سے ہٹا دیا۔
(۹) جنگل اور پہاڑ پر جو خشک و تر ہے، خوردۂ لالہ اس میں بھی آگ لگا دے گا۔
(۱۰) لالہ میں جو ایک داغ سیاہ ہے وہ گویا زحمتِ خار اور رنگِ خارا کی یادگار ہے مطلب یہ ہے کہ گویا دو پتھروں کے باہمی شگاف سے جو لالہ کا پھول اکثر پھوٹتا ہے یہ داغ جگر اس مصیبت کی یادگار ہے۔
(۱۱) گل ارغواں کا خون فاسد ہو گیا (اب وقت آگیا ہے) کہ نوک نشتر سے اس کی کلائی میں چرکا دیا جائے۔
(۱۲) نظیری نے اس چمن (دنیا) میں بہت فریب دیکھے ہیں۔ اس لئے اس نے بہشت سے بھی امید اٹھا لی ہے (کہ کہیں اس میں بھی ایسی فریب کاری کا نہ ہو)

غزل نمبر ۵۰

بحر ہزج مثمن اضرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

عشق ست طلسمے کہ در و بام ندارد — آں کس کہ ازو یافت نشاں نام ندارد
بس حلۂ الواں بقدِ عشق بریدند — یک جامہ براندازۂ اندام ندارد
بادیکہ وزد وجد کند مستِ محبت — عاشق سرِ سودائے مے و جام ندارد
بس زاویۂ حالِ مرا روز لطیف ست — تابِ نفسِ صبح و دمِ شام ندارد
آغازِ جنونم شدہ پایانِ محبت — کارے نیست بانجام کہ انجام ندارد
از خویش تسلی نشوم تا رمقے ہست — پروانہ بجاں باختن آرام ندارد
کوتہ نظراں در طلبِ توشۂ راہند — عرضِ دو جہاں وسعتِ یک گام ندارد
زاں دانۂ مشکین و خطِ سبز ندیدیم — مرغے کہ دلے در گرو دام ندارد
جاں زیرِ لب از پا و سرش بوسہ بچیند — کاں نخلِ بہشتی ثمرِ خام ندارد
سرخوش زلبش بیش شدم کز لبِ ساغر — مے چاشنیٔ تلخیٔ دشنام ندارد
عریانیٔ ما را شرفِ کعبہ بپوشد — درویشِ حرم جامۂ احرام ندارد

جز طبعِ نظیری کہ حقِ عشق ادا کرد
کس نیست کہ در گردن ازو وام ندارد

(۱) عشق ایک ایسا طلسم ہے جس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ اگر کسی کو اس کا نشان مل جاتا ہے تو خود اس کا اپنا نشان مٹ جاتا ہے (یعنی فنا فی العشق ہو جاتا ہے)۔
(۲) تو عشق کے لئے طرح طرح کے لباس سئے گئے لیکن پورا ایک نہ اترا (یعنی عشق کی تعریفیں بہت ہوئی ہیں لیکن صحیح تعریف نہیں ہو سکی)۔
(۳) عاشق مئے عشق سے سرشار ہوتا ہے (اس لئے) اس کو جام اور مے کی پرواہ نہیں ہوتی۔ جو مستی عشق سے اس کو وجد میں لے آتی ہے
(۴) میری حالت کا زاویہ اتنا کثیف واقع ہوا ہے کہ اس میں کسی بیشی نہیں ہو سکتی۔ نہ صبح ہوتی ہے نہ شام (ہم اس عالم میں ہیں۔ جہاں بیخودی ہی بیخودی ہے)
(۵) جب محبت انتہا کو پہنچتی ہے تو جنونِ عشق کا آغاز ہوتا ہے یعنی عشق ایک ایسا سلسلہ ہے جس کا ہر انجام اس کا آغاز ہے
(۶) میں راہ عشق میں پروانہ ہوں جب تک مجھ میں ذرا سی بھی جان باقی ہے مجھے قرار نہیں۔ کیونکہ جب تک پروانہ شمع پر مر نہیں مٹتا اس کو آرام نہیں آتا۔

(۷) کوتاہ نظراں (دنیا داراں) ایک قدم کی مسافت (عدم) کے لئے زادِ راہ کی تلاش میں ہیں۔ لیکن (عاشق صادق کے لئے دونوں جہاں کی مسافت ایک قدم کے برابر ہے (اس لئے وہ زادِ راہ کی پرواہ نہیں کرتا)

(۸) میں نے کوئی ایسا مرغ (دل) نہیں دیکھا جو زلفِ مشکیں اور خطہ سبزہ کا اسیر نہ ہو۔

(۹) محبوب بہشت کا ایک درخت ہے جس پر کوئی کچا پھل نہیں۔ میری جان (میری روح عشق) زیرِ لب (بغیر اظہار کے) اس کے پکے ہوئے کا لوسہ لیتی ہے۔

(۱۰) مجھے جو مزا محبوب کے لبوں سے حاصل ہے وہ جام سے نہیں۔ کیونکہ مے کی شیرینی میں وہ لذت نہیں جو یار کی تلخی دشنام میں ہے

(۱۱) کعبے کا شرف ہماری عریانی کو ذھانپ لیتا ہے۔ ہم تو حرم (عشق) کے درویش ہیں اس لئے ہمیں احرام باندھنے کی ضرورت نہیں

(۱۲) نظیری کی طبع کے سوائے کون ہے جس نے عشق کا حق ادا کیا ہو۔ کوئی گردن بھی ایسی نہیں جس پر اس کا بار احسان نہیں۔

غزل نمبر ۵

۱ نہ دل آزادہ پائے بست شود ۔ بپر داز دل زدست شود

۲ ہمتے کاں باعتدال افتد ۔ کے بعلت بلند پست شود

۳ عشق را پایہ معین نیست ۔ مومن از عشق بت پرست شود

۴ بہوائے کہ در دماغ افتد ۔ ناقہ در زیرِ بار مست شود

۵ کار از انکسار بکشاید ۔ عشق را فتح از شکست شود

۶ شرم از چشمِ پارسا بسر ۔ خط کہ بر روئے خوش نشست شود

۷ ہر کہ بیند طلوعِ حسنِ ترا ۔ سر خوش از نشاءِ الست شود

۸ چوں نقاب از جمال بر داری ۔ ہر چہ نادیدنی ست شود

۹ بحر در آستیں نظیری راست
کے کرم پیشہ تنگ دست شود

(۱) دل آزاد یعنی صاحب نظر کبھی مقید نہیں ہوتا۔ دل کی مدد سے اڑتا ہے۔ اور ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔

(۲) وہ ہمت جو اعتدال پر مبنی ہو پیروی افراط سے کب بلند دست ہو سکتی ہے

(۳) عشق اختیار کرنے کے واسطے کسی خاص مرتبہ (مذہب و ملت) کی ضرورت نہیں دیسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مومن عشق میں پڑ کر بت پرست ہو جاتا ہے۔ اور بت پرست مومن)

(۴) ناقہ (ساندنی) حدی خوان کی نغمہ سرائی سے متاثر ہو کر بوجھ کے نیچے ہی مست ہو جاتی ہے) میں بھی تو ناقہ عشق ہوں اگر عشق کے بوجھ کے نیچے مست ہو گیا۔ تو تعجب کی کونسی بات ہے)

(۵) عجز اختیار کرنے سے کام (مشکلات) آسان ہو جاتے ہیں عشق میں بھی فتح عجز ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

(۶) محبوب کی رخسار پر سبزۂ خط کیسا موزوں آیا ہے کہ اس سبزۂ خطہ نے زاہدوں کی آنکھ سے شرم وحیا دور کردی ہے (یعنی زہد تقویٰ کو چھوڑ سبزۂ خط کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور لوگوں کی لعن طعن کی پرواہ نہیں کرتے)

(۷) تیرے چمن میں روز ازل سے ہی وہ شراب الست کی مستی رکھ دی گئی ہے کہ جو بھی اس کو دیکھتا ہے نشۂ الست میں غرق ہو جاتا ہے

(۸) جب تو (محبوب) اپنے جمال سے پردہ اٹھا لیتا ہے تو اس کی روشنی کو دیکھ کر مردہ دل بھی زندہ دل ہو جاتے ہیں۔

(۹) اے نظیری (آہ و زاری) موتیوں کا سمندر تیری آستین (تصرف) میں ہے (تیرا پیشہ سخاوت ہے) بھلائی بھی کبھی تہی دست ہو سکتا ہے۔

غزل نمبر ۵۲

بحرِ رمل مثمن مقصور — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

۱ آنکہ دل نامند چوں حرزم جمال کردہ اند — بیکلے از اضطراب چشم بسمل کردہ اند

۲ از کدامیں دود مال بالیں دلیل افروختند — چرخ را پروانۂ فانوسِ محفل کردہ اند

۳ ایں گل از ہر شاخِ خود روئی نمے آید بباد — تخم یک جا کشتہ صد جا آب و گل کردہ اند

۴ در خیالِ قیدِ زلف و خال ہر کس ماند ماند — فکرِ دیگر کن کہ حلِ عقدہ مشکل کردہ اند

۵ از قدم تا فرق ناز و نوش بر ابرو گرہ — خوانِ دعوت چیدہ اند و منعِ سائل کردہ اند

۶ از پئے دنیا مشو پویاں دریں موجِ سراب — ہر نفس نقشے پدید آوردہ باطل کردہ اند

۷ خلق را در ہر نفس موتے حیاتے مضمر ست — در زلالِ زندگی زہرِ ہلاہل کردہ اند

۸ روئے از میدانِ سربازاں بگردان کاہل فوق — پائے کوباں سر نثار راہِ قاتل کردہ اند

۹ ما بچین زلف کشتی بر کنار آوردہ ایم — عشق دریائیست کش دیدار ساحل کردہ اند

۱۰ گردِ خود گردم چو بینم در ہوائے کیستم — ذرہ ام اما بخورشیدم مقابل کردہ اند

عشق را ہنگامہ امروز از نظیری روشنست
ہر طرف از گفتگویش گرم محفل کردہ اند

(۱) جس کو لوگ دل کہتے ہیں، اور جسے تعویذ بنا کر میرے گلے میں ڈال رکھا ہے۔ وہ سنبل کی آنکھ کی بیقراری کا بیکل (جسم) ہے (جو میرے پہلو میں رکھ دیا ہے پس میرے اضطراب قلب کا کیا ٹھکانا)

(۲) یہ فانوس کس خانہ ان سے تعلق رکھتا ہے جس کو یہ دلیل (نشان) دیکر روشن کیا ہے۔ کہ جس محفل میں روشن کیا جائے۔ آسمان پروانے کی طرح اس پر قربان ہو۔

(۳) یہ (عشق کا) پھول خود رو ہے۔ پر نہیں اگاتا۔ کیونکہ اس کا بیج تو صرف ایک جگہ کاشت کیا گیا ہے۔ اور اس کی نشوونما کے لئے سینکڑوں جگہ

جگہ پانی دیا گیا ہے۔

(۴) زلف اور خال کے خیال میں پھنس کر رہ گیا وہ گیا اب کوئی اور فکر کر گتھی تجھ سے نہیں سلجھے گی۔

(۵) (اے محبوب) تو ہر سے لے کر پاؤں تک ناز و نوش ہے۔ گویا قضا و قدر نے (خوان نعمت چن رکھا ہے اور تیری آبرو پر گرہ (چیں) لگا دی ہے تاکہ کوئی سائل (دعاشق) اس کے نزدیک نہ آنے پائے۔

(۶) اس دنیا کے پیچھے نہ دوڑ کیونکہ یہ ایک دھوکے کی موج ہے۔ جس میں ایک لمحہ میں نقش پیدا کر کے مٹا دیتے ہیں۔

(۷) خلقت کی موت و حیات ایک سانس کے ساتھ وابستہ ہے (گویا قضا و قدر نے) زندگی کے میٹھے پانی میں زہر ہلاہل (موت ملا رکھی ہے)

(۸) سر بازوں کے میدان سے نہ پھر کر نہ چلے جاؤ۔ کیونکہ اہل ذوق تو ناچتے کودتے قاتل (محبوب) کی راہ میں جان قربان کر دیتے ہیں۔

(۹) عشق ایک ایسا سمندر ہے جس کا ساحل (محبوب کا) دیدار ہے پس ہم بھی چین زلف کے ساتھ اپنی کشتی باندھ کر عشق کے کنارے پر لے آئے ہیں۔

(۱۰) جب میں دیکھتا ہوں کہ میں کس محبوب کے عشق میں سرشار ہوں تو میں اپنے آپ کو تعجب سے دیکھتا ہوں۔ کہ میں تو ایک ناچیز ذرہ ہوں جسے عشق نے آفتاب کے سامنے لا کر کھڑا کیا۔

(۱۱) آج عشق کا ہنگامہ نظیری ہی کے وجود سے قائم ہے کہ جہاں کہیں بھی محفل ہو اس کی گفتگو (اشعار) سے محفل کو رونق دی جاتی ہے۔

غزل نمبر ۵۳

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور — ارکان:۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

بغمزہ روزِ الستم ہمیں معاملہ بود ۔ ابد رسید و نیا سودم اینچہ مشغلہ بود؟

نصیبِ من ز ازل دردِ بے دوا گردید ۔ کہ بر دبارئ ہر کس بقدرِ حوصلہ بود

تصورِ طرہ نگارم تمام حسن شکست ۔ کہ از میانہ ہمیں با منش مجادلہ بود

ن طرہ نگارم

ببوئے من سببِ اجتماعِ دلہا گشت ۔ جنوں کہ باعثِ آشفتگیٔ سلسلہ بود

بصفحہ نقشِ خط و خالِ خویشتن نقاش ۔ نکو کشیدہ کہ آئینہ در مقابلہ بود

دلم ز مہرِ دہانش بقیل و قال افتاد ۔ لطیفہ زلبش صد ہزار مسئلہ بود

لبش بدادنِ کامم نمود جمد آما ۔ بغمزہ کرد حوالت کہ بد معاملہ بود

ن جمد

فریبِ قولِ بداندیش گرگِ فاسد گشت ۔ ربود یوسفے از ما کہ چشمِ قافلہ بود

بہ نکتہ گفت مجمل میکنم نظیری را
ز قولِ خویش فراموش کرد ایں صلہ بود

(۱) ازل کے دن ہی سے میرا غمزہ کے ساتھ کاروبار چلا آیا ہے (جب محبوب حقیقی نے الست بربکم کہا تو میں نے فوراً بلے کہہ دیا، یہ ایک

عجیب شغل ہے کہ میری عمر ختم ہو گئی اور ایک بھی لمحہ مجھے اس شغل سے فراغت نہ ملی۔

(۲) ازل کے دن ورد بے وداع عشق میرے حصہ میں آیا اور کچھ نہ جب دیکھا کہ میرے سے اس کا کوئی متحمل نہیں ہو سکتا۔ تو قضا و قدر نے اس کو میرے حوالہ کر دیا کیونکہ ہر شخص کی برداری اس کے حوصلہ کے مطابق ہوا کرتی ہے۔

(۳) حقیقت تو یہ ہے کہ دونوں مصرعوں میں ربط سمجھ میں نہیں آتا ممکن ہے کاتب نے دو شعروں کے دو مصرعے لکھ دیئے ہوں چونکہ صحت کا کوئی وسیلہ میرے پاس نہیں لہٰذا انہیں دونوں مصرعوں بزور ربط پیدا کر کے ٹھیک بنانے کی کوشش کی جاتی ہے تو ترجمہ میرے معشوق کی طرز سلوک کی کمی نے تمام غریبوں پر پانی پھیر دیا کیونکہ میرے

(۴) جنون عشق عشاق، کے سلسلہ میں پریشانی کا موجب بنا ہوا تھا۔ مگر میری بوپا کر کہ میں بھی عشاق کے زمرہ میں داخل ہوں، ان (عشاق) کے دلوں کے اجتماع کا باعث بن گیا۔

(۵) نقاش (مجبوب)، کے سامنے خیشہ موجود تھا اس لئے اس نے اپنے تمام خط و خال کی تصویر عنفوان (مستی) پر بہت اچھی کھینچی۔

(۶) میرا دل محبوب کے لطیفہ دہن کے معاملہ میں شک و بحث میں مبتلا ہو گیا اسی ایک نفیس و نازک بات میں ہزاروں مسئلے کی سی پیچیدگی تھی۔

(۷) اس (محبوب)، کی لبوں نے میری آرزو پوری کرنے میں کوشش کی اور اس غرض سے مجھے غمزہ کے حوالہ کر دیا لیکن وہ (غمزہ) (بعد معاملہ بہمانہ نکلا) اس لئے میری آرزو پوری نہ ہوئی)۔

(۸) دشمن کی فریب کارانہ گفتگو نے میرے لئے، ایک فاسد بھیڑیا تھی (جو باتوں ہی باتوں میں)، اس یوسف (محبوب)، کو اڑا لے گیا۔ جس پر تمام قافلے کی نظر لگی ہوئی تھی۔

(۹) اس نے کہا کہ میں نظیری کو اپنی شیریں کلامی سے ایک نکتہ میں مجبل کر سکتا ہوں۔ پھر اس نے یہ بات بھلا دی تھی۔ یہی ہمارا انعام تھا۔

غزل نمبر ۵۴

بحر محبت ثمن مخبون محذوف — ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

۱ کسے بملکِ حدوث از قدم نمے افتد — کہ بر گزرگہِ شادی و غم نمے افتد

۲ بروشنائی دل رو کہ رفتگاں رفتند — گذارِ زندہ دلاں بر عدم نمے افتد

۳ من ایں مرقعِ الواں بگیتم روزے — کہ طرحِ رندی و تقوی بہم نمے افتد

۴ زبانِ دعوت و تسخیر بہ کہ بر بندم — کہ در چراغِ کسِ آتش بدم نمے افتد

۵ مسافرے کہ بنا بود بودِ خود بیند — بفکرِ منفعتِ بیش و کم نمے افتد

۶ دلیلِ عشق نزیبد کسے کہ در ہر گام — سرش چو شمع بہ پیشِ قدم نمے افتد

۷ چناں ز شوقِ تو گردیدہ اند سرگرداں — کہ راہِ کعبہ رواں بر حرم نمے افتد

۸ چناں پرستشِ روئے تو جذبِ دلہا کرد — کہ عشق بر ہمناں بر صنم نمے افتد

۹ بذکرِ من خطِ نسیاں کشیدۂ آتا — بفکرِ غیر ز دستت قلم نمے افتد

۱۰ ز سہوِ خاطرِ یاراں چناں سقیم شدم — کہ سایۂ قلمم بر رقم نمے افتد

نویسی ار بنظیری دعا و گر دشنام
ز شوقِ نامہ بفکرِ رقم نمے افتد

(۱) بلکہ قدم (دعا عالم بقا سے کوئی شخص بھی ملکِ حادث (دنیا) میں نہیں آتا جو کہ شادی اور غم کی منزل سے نہ گزرے مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر شخص کو غم برداشت کرنا پڑتا ہے۔)

(۲) دل کو رہبر بنا کر منزلِ حیات طے کر۔ اگرچہ مرنے والے مر گئے لیکن زندہ دلانِ عشق ابھی تک حی و قیوم ہیں۔

(۳) میں کبھی رند بنتا ہوں کبھی متقی و پرہیزگار میں ایک دن یہ رنگین گودڑی جس میں رندی اور تقویٰ کے پیوند لگے ہوئے ہیں پھینک دوں گا۔ کیونکہ رند کا اور تقویٰ کی نہاد ایک جگہ نہیں رکھی جا سکتی۔

(۴) جب دعا اور عملِ تسخیر میں کوئی اثر باقی نہیں رہا تو دعا عملِ تسخیر کا ورد ختم کر دینا ہی اچھا ہے۔

(۵) وہ مسافر جو اپنی ہستی اور نیستی کا راز سمجھتا ہے وہ یہ خیال نہیں کیا کرتا کہ نفع کم ہوا ہے یا زیادہ۔

(۶) عشق کے راستے میں وہی شخص دلیل (رہبر) ہو سکتا ہے جو ہر قدم پر اپنا سر شمع کی طرح آگے رکھے اور ہر قسم کے مصائب و آلام برداشت کرنے کے لئے تیار ہو۔ عقل کے لئے تو ریگستان کہ دلیلِ عشق بن کر چلے۔

(۷) تیرے (دیدار) کے شوق میں حاجی اس قدر سرگرداں ہو گئے ہیں (کہ اس وارفتگی کے عالم میں وہ (حاجی) حرم کے راستے پر نہیں جاتے۔

(۸) (اے محبوب) تیرے چہرہ (جو قابلِ پرستش ہے) نے عشاق کے دلوں کو اس طرح اپنی طرف کھینچ رکھا ہے۔ کہ برہمن (جو بت پرستی کا دلدادہ ہے) بت پرستی کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ تیرے چہرہ کی پرستش کرتا ہے)

(۹) محبوب نے میرے نام پر خط نہیں بھیجا۔ (تاکہ محفل میں مزاحم نہ آئے۔ لیکن رقیب کا اتنا خیال ہے کہ ہاتھ سے قلم ہی نہیں چھوٹتا۔

(۱۰) دوستوں نے مجھے اس طرح بھلا دیا ہے میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ دوستوں کے قلم کا سایہ بھی میرے نام پر نہیں پڑتا۔ تو خط لکھنا معلوم

(۱۱) (اے محبوب) خواہ تو نظیری کو خط میں دعا لکھتا ہے یا گالی وہ تو خط کے شوق میں اتنا محو و مستغرق ہو جاتا ہے کہ نفسِ مضمون کی طرف خیال ہی نہیں کرتا۔

غزل نمبر ۵۵

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان: مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۱ نہ ہر مغزے کہ روید نکہت از مصر و یمن گیرد — مشامِ تیز باید تا نصیب از پیرہن گیرد

۲ شمیمے گر نہ تردارد دماغِ پیر کنعاں را — پسر گم کردہ چوں انس با بیت الحزن گیرد

۳ ورق از کس چہ میخواہی سبق از کس چہ میگیری — ز دل جو ہر چہ میجوئی کہ فیض از خویشتن گیرد

۴ دبیرِ نقاش از نیرنگی صورت نیا ساید — فریبِ نقشِ شیریں دل ز دستِ کوہکن گیرد

۵ نفس تلخست تا طعمِ حقیقت نیست با مغزش — سخن شیریں بود وقتیکہ او رنگِ سخن گیرد

۶ ز خود گر بگذری شاہی کنی در ملکِ بیخویشی — عزیزِ خلق گردد ہر کہ در غربت وطن گیرد

۷ دریں دیر کہن چون امن گردد خاطرِ انساں را — کہ اول اہرمن بگرفت و آخر اہرمن گیرد

۸ ز عریانی ازیں شادم کہ از تشویش آزادم — گریبانے ندارم تا کسے از دستِ من گیرد

چہ راحت از وطن آنرا کہ یارش در سفر باشد ۹ کجا بے روئے گل آرام بلبل در چمن گیرد
بعہدِ زندگانی چاک زد ہر کس گریبانے ۱۰ بوقتِ مرگ نتواند قرار اندر کفن گیرد
زبس بوئے کمال شرک مے آید ز توحیدم ۱۱ در ارشادِ مغاں تکبیر از من برہمن گیرد

سخن ہر روز عالمگیر تر گردد نظیری را
۱۲ کہ مردم بیش ہا در سایۂ نخلِ کہن گیرد

(۱) ہر ایک شخص کا دماغ ایسا نہیں جو حضرت یعقوبؑ کی طرح مصر سے حضرت یوسفؑ کی اور حضرت اویس قرنیؓ کی طرح یمن سے (حضرت محمدؐ کی خوشبو سونگھ سکے۔ کیونکہ پیراہن کی خوشبو سونگھنے کے واسطے بڑا تیز دماغ (مجتہد) میں از خود رفتگی ہونا چاہیئے۔
(۲) اگر حضرت یوسفؑ کے پیراہن کی خوشبو پیر کنعان (حضرت یعقوبؑ) کے دماغ کو تر و تازہ نہ رکھتی تو کس طرح وہ پسر گم کردہ (حضرت یعقوبؑ) بیت الاحزان کے ساتھ مانوس ہو سکتے۔
(۳) محبوب دل میں ہے مگر کتاب اور پڑھنے سے نہیں ملتا۔ پس تو کیوں کسی سے کتاب مانگتا ہے اور کسی سے درس لیتا ہے۔ جس محبوب کی تلاش میں تو ہے (اس (محبوب) کی جستجو دل میں کر کیونکہ جس کسی کو فیض حاصل ہوا ہے۔ اپنے نفس کی (شناخت) سے ہوا ہے (من عرف نفسہ فقد عرف ربہ)
(۴) نقاش کسی وقت بھی صورت کی نیرنگیوں سے مخلصی نہیں پاتا وہ ہر وقت تصویر کی ظاہری دلکشی اور جاذبیت کے خیال اور تصور میں لگا رہتا ہے۔ دیکھو لوشیریں کے نقش کے فریب نے کوہکن (فرہاد) کا دل اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔
(۵) وہ کلام جس کے مغز میں حقیقت کا مزا نہیں تلخ ہے۔ کلام وہی میٹھا ہوتا ہے جو شعر کا رنگ اختیار کرے۔
(۶) اگر تو خودی کو ترک کر دے تو بیخودی کے ملک میں بادشاہت کرنے لگے۔ کیونکہ جو شخص غربت (مسافرت) میں وطن اختیار کرتا ہے۔ وہ خلقت میں عزیز ہو جاتا ہے۔
(۷) اس دیر کہن (دنیا) میں انسان کو کیسے اطمینان قلب نصیب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آغاز میں دام پر شیطان کا قبضہ تھا۔ اور آخر میں بھی اس پر شیطان (دجال) کا ہوگا۔ حدیث کی رو سے ہر مولود کو شیطان مس کرتا ہے اور نیز عالم نزع میں بھی پھر اس کے پاس آکر اسے آمادہ شرک کرنا چاہتا ہے۔
(۸) میں اپنی عریانی پر اس وجہ سے خوش ہوں کیونکہ میں اس پریشانی سے بیفکر ہوں۔ کیونکہ میرا گریبان ہی نہیں جسے کوئی میرے ہاتھ سے پکڑ لے۔
(۹) وطن میں اس شخص کو کیسے آرام میسر آسکتا ہے جس کا دوست سفر میں ہو۔ بلبل چمن میں پھول دیکھے بغیر کیسے آرام لے سکتی ہے۔
(۱۰) جس شخص نے (اپنی) زندگی میں ہی اپنا گریبان پھاڑ دیا اور عشق اختیار کر لیا ہے) وہ (مرگ اموات) کے بعد کفن میں آرام نہیں کر سکتا۔ وہ کفن کو بھی پھاڑ کر نکل جائیگا)
(۱۱) میرے (اقرار) توحید سے شرک کی کمال بو آتی ہے۔ (میری توحید میں شرک ملا ہوا ہے) اس لئے برہمن پیر مغاں کی تلقین کے لئے مجھ سے تکبیر کہتا ہے
(۱۲) نظیری جو ایک کہنہ مشق شاعر ہے، کی شاعری کی شہرت دن بدن زیادہ عالمگیر ہوتی جاتی ہے کیونکہ پرانے درخت کے سائے میں زیادہ سے زیادہ لوگ آرام کر سکتے ہیں۔

غزل نمبر ۵۶

بحر محتث مثمن مخبون محذوف — ارکان: مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

دریں و یار عجب مہربان یک رنگ اند — کہ دل بر ند بصد راہ و بر یک آہنگ اند
ز حسن سینہ کشایند چشمہ چشمہ نور — بزخمہ صیقلِ آئینہائے پُر زنگ اند

کلیدِ شادی و شمشیرِ غم بکف دارند ۔ بہ بسط بر سرِ صلح و بقبض در جنگ اند
بدل ز نغمۂ شیریں حرارت انگیزند ۔ بصوت چوں شکر و شیر آہن و سنگ اند
چو حدِ زیر و بم نغمہ را نگہدارند ۔ بہر مقام خفیف و ثقیل ہم سنگ اند
سبکدلاں چو بفتراکِ شاں درآویزند ۔ بہ طے نیم قدم در ہزار فرسنگ اند
بفتحِ یک خلش ایں زاہداں چو نغمہ چنگ ۔ بروں روند کہ بر سینہ و بغل تنگ اند
ز سرِ عالمِ لاہوت میدہند نشاں ۔ ز پردہ دگرند ایں گروہ نیرنگ اند
ہزار رنگ برآرند ایں فسوں سازاں ۔ کہ آفریدۂ صنعِ ہزار نیرنگ اند
سوادِ صومعہ را نسخۂ فسوں سازند ۔ بہ طبعِ کارگہِ نقشہائے ارژنگ اند
بگوشِ کر شدہ تحریر آں زند آتش ۔ کہ بر فروختہ جرعہائے گلرنگ اند
مُشاطۂ رخِ مستند بامے و قدح اند ۔ مقالۂ غمِ عشق اند و بادف و چنگ اند
اگرچہ قاطعِ زُہد اند مایۂ ہوشند ۔ وگرچہ رافعِ شرع اند جانِ فرہنگ اند
دلیلِ اہلِ فنایند در عروج و نزول ۔ باوج در طیراں در حضیضِ رہ لنگ اند

نظیری از پئے ایں جادواں مدد بسیار
کہ در ربودنِ ادراک چابک و تنگ اند

(۱) اس ولایت میں (اس کے سب مطرب عجب رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ کہ باوجود ایک ہی نغمے کے سینکڑوں طریقوں سے دل چھین لے جاتے ہیں۔

(۲) رشحہ کشاون نہر جاری کرنا رزخمہ مضراب صیقل جلا آئینہ مراد دل رپُرزنگ مراد غمگین یہ غزل مطربان حسین کی تعریف میں ہے)
ترجمہ۔ یہ مطربان حسین میدان سینہ ہائے سامعین (ریا عشاق) سے بکشرت جتھے نذر کے بہا دیتے ہیں یعنی اپنے نغمہ ہائے وحدت سے دریا سے غم

(۳) (ان مطربوں کے ہاتھ میں خوشی کی چابی (سرور و بہجت افزا) اور غم کی تلوار (رمز اور غم غم افزا) موجود ہے۔ فراغی کے زمانہ میں جب برسرِ صلح ہوتے ہیں تو (نغمہ بہجت افزا
گاتے ہیں) اور لڑائی کے زمانہ میں قبض (غم کی تلوار رکھتے ہیں مذہبی جنگ کے موقع پر ایسے گیت گاتے ہیں جو غم افزا ہوں)

(۴) یہ مطرب اپنے شیریں نغموں سے دل میں حرارت (گرمی) پیدا کرتے ہیں نغمہ سرائی میں شیریں خوش الحان ہیں لیکن جب ان کی آواز دل پر جا لگتی ہے۔ تو آتش عشق پیدا کرتی ہے۔ گویا پتھر اور لوہا آپس میں ٹکراتے ہیں۔

(۵) چونکہ وہ (مطرب) نغمہ سرائی کے وقت راگ کے پردۂ زیر و بم کا خیال رکھتے ہیں۔ اس لئے خفیف اور ثقیل راگنی کو اپنے سر میں الاپتے ہیں۔

(۶) (اور جب) سبکدل (عاشق) ان مطربوں کی فتراک کے ساتھ لٹک جاتے ہیں۔ تو وہ نیم قدم اٹھاتے ہیں۔ ایک ہزار فرسنگ کی مسافت طے کر جاتے ہیں۔

(۷) جب ان شاہدوں (مطربوں) کی ایک خلش کھل جاتی ہے تو وہ اس خوشی میں اس طرح آپے سے باہر ہو جاتے ہیں جس طرح نغمہ رباب میں کر پھولے نہیں سماتے کیونکہ ان کے جوڑ ایسے ہیں

(۸) (عالم لاہوت عالم ذات الٰہی پردہ ایک جملہ بالا نغمہ ستار کی مضرابی نیرنگ طلسمات) ترجمہ یہ مطرب اپنے نغمہ ہائے وحدت سے اسرار عالم لاہوت کی خبر دیتے ہیں۔ یہ گروہ مطربان طلسمات و عجائبات میں سے ہیں اور یہ ایک نئے قسم کا پردہ ہیں۔ کہ جس نغمہ سے عرفان و ایقان حاصل ہوتا ہے

(۹) (زہر عرفت معنوں ہوا دیتے ہیں اور آئینہ دل جن سے زنگ ہائے غفلت کا کر دیتے ہیں۔

(۹) یہ مطرب ایسے فسوں ساز ہیں کہ ایک نغمہ سے ہزاروں رنگ پیدا کرتے ہیں کیونکہ انہیں اس خالق نے پیدا کیا ہے جس نے ہزار قسم کی صنعت پیدا کر رکھی ہے۔

(۱۰) یہ مطرب خرقہ پوش اور صاحب حال عابدوں کی جھونپڑی کے لئے بھی نسخہ افسوں اپنے پاس رکھتے ہیں کیونکہ یہ اپنی طبیعت میں گویا مانی کے نقشہائے ارژنگ کے مشابہ ہیں

(۱۱) ان کا نغمہ بہرے کانوں میں بھی آگ لگا دیتا ہے کیونکہ وہ گلرنگ شراب سے مست ہو کر جھوم رہے ہیں۔

(۱۲) جب دور پیالہ و شراب سے کنارہ کشی ہیں۔ تو گویا بتوں کے چہروں کو سنوارنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اور جب دہ چنگ و دف پر گانا شروع کرتے ہیں تو اس وقت غم عشق کا درد گویا مجسم ایک مضمون بن جاتے ہیں۔

(۱۳) یہ مطرب اگرچہ زہد تقویٰ کے لئے رہبر ہیں لیکن عقل و ہوش کا سرمایہ ہیں۔ اگرچہ تارک شرع ہیں لیکن عقل کی جان ہیں۔

(۱۴) یہ مطرب روح و زوال (بسط و قبض) کی ہر حالت میں اہل فنا در عارفان جو فنا فی اللہ کے مقام پر پہنچ چکے ہوں، کی رہنمائی کرتے ہیں۔ بلندی کی طرف اڑتے ہیں اور پستی کی طرف قدم نہیں اٹھاتے۔

۱۵ اے نظیری ان جادوگروں محبوبوں کے پیچھے نہ دوڑ کیونکہ وہ عقل اور ہوش کے لبھانے میں بڑے چالاک اور ہوشیار واقع ہوئے ہیں۔

غزل نمبر ۵

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور — ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

۱ بقصد ہر کہ سوئے کعبہ ناقہ راہی کرد — نشانِ پاش بہر گام قبلہ گاہی کرد

۲ کبود روے ازاں شد بنفشہ در گلشن — کہ با کلالۂ جعدِ تو کج کلاہی کرد

۳ زچینِ زلف نسیمے وزد بموجِ عذار — سیفنہ مردمِ چشمم مراتباہی کرد

۴ زروئے و زلفِ تو ام سایہ در ضمیر انداخت — فلک مسخرم از ماہ تا بماہی کرد

۵ نشانِ کوکبم اختر شناس بدمے یافت — مشاطہ خالِ ترا کند و پُر سیاہی کرد

۶ کسے چو خال زحسنِ تو کامیاب نشد — مقیمِ کنجِ لبت گشت و بادشاہی کرد

۷ دلم ملاطفۂ از لبِ تو داشت امید — ہزار قاصدِ موزوں بنکتہ راہی کرد

۸ من از ملامتِ مردم بعشق آزادم — زسوئے من رخِ خوبِ تو عذرخواہی کرد

۹ بحل بپاکیٔ حسنِ تو صبحِ صادق داد — کہ آفتاب دمش تہت بر گواہی کرد

۱۰ دل از تو آب خورد کاروانِ مصری را — کہ عارض و ذقنت یوسفی و چاہی کرد

۱۱ تبارک اللہ از آئینہ شمائلِ تو — کہ دل مطالعہ صورتِ الٰہی کرد

عبادتِ سحری را مکن نظیری کم
۱۲ کہ ہر چہ کرد دعاہائے صبح گاہی کرد

(۱) جس شخص نے سچے دل سے کعبہ کی طرف ناقہ رسانڈنی، کو روانہ کیا (جو شخص سچے دل سے کعبہ کو روانہ ہوا) اس کے ہر ایک قدم کا نشان میرے لئے قبلہ گاہ بن گیا (کہ صدق اور خلوص ہی معرفت و تصوف کا مغز ہے جس شخص کی عبادت و ریاضت میں خلوص موجود ہو۔ اس کے قدموں کے نشان قبلہ گاہ و مسجد بن جاتے ہیں)

(۲) باغ میں بنفشہ اس لئے (کبودی رنگ (شرمندہ) ہے۔ کہ اسی (بنفشہ نے) تیری پیچدار زلفوں کے مقابلہ میں کج کلاہی (بادشاہی) کا دعویٰ کیا (تیری زلیف بنفشہ سے زیادہ پیچدار اور خوبصورت ہیں۔ زلف کو بنفشہ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں شاعر نے بنفشہ کی کبودی رنگت کو حسن تعلیل کے طور پر محبوب کی زلف سے دعویٰ کا نتیجہ قرار دیا ہے۔)

(۳) نسیم نے (محبوب کے رخسار پر جو حسن کا سمندر ہے (محبوب کی) پیچیدہ زلف سے کوئی ایسی لہر پیدا نہیں کی جس (لہر نے) میری آنکھ کی تیلی کی کشتی کو تباہ نہیں کر دیا۔

(۴) آسمان نے جب (تیری (محبوب حقیقی کی) زلف اور چہرہ کا پرتو میرے دل میں ڈالا تو ماہ سے لیکر ماہی تک دو کل کائنات (دنیا) میرے مطیع و فرمانبردار کر دی (جس خوش قسمت کے دل میں اس معشوق حقیقی کے زلف کی ایک جھلک پڑ جائے پھر تمام کائنات اس کی مطیع و منقاد ہو جاتی ہے۔

کہ ع ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

(۵) ستارہ شناس کہتا ہے میرا ستارہ بد (سیاہ بخت) ہے (لیکن وہ نہیں جانتا) کہ جب مشاطہ تیرے (محبوب کے رخسار پر) خال کا بناؤ سنگار کرے گی تو وہ یہی (میری بدبختی) کی سیاہی اس خال میں صرف کرے گی (گویا میری سیاہ بختی محبوب کے رخسار کا خال بن کر میری خوش قسمتی میں تبدیل ہو جاوے گی)

(۶) تیرے حسن (کا جلوہ حاصل کرنے میں) کوئی شخص (تیرے) خال (اور رخسار) کی طرح کامیاب نہیں ہوا۔ وہ (خال) تیری لب کے گوشہ میں مقیم ہو گیا اور (حسن کی ولایت پر) حکومت کرنے لگا۔

(۷) میرے دل کے ہزاروں (مضمون قاصد (شعر) کہہ کر) تیرے (محبوب کے) پاس اس خیال سے بھیجے (کہ مجھ پر مہربانی کرے گا (کیونکہ (اس دل) کو تیرے لبوں سے مہربانی سے جواب کی امید تھی (لیکن ولے نصیب کہ جواب نہ ملا)

(۸) میں عشق میں لوگوں کی ملامت سے آزاد ہو گیا ہوں (اور میری اس رہائی کی) تیرے خوبصورت چہرہ نے میری طرف سے عذر خواہی کر دی (جو لوگ مجھے تیرے عشق کی وجہ سے ملامت کرنے لگتے ہیں جب وہ تیرا خوبصورت چہرہ دیکھ پاتے ہیں۔ تو خود بھی مبتلائے عشق ہو کر میری مجبوری پر مہر توثیق ثبت کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ زلیخا کی ہمجولیاں حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھی تھیں ما ھذا بشرًا ان ھذا الا ملک کما یلیق۔ یہ بشر نہیں فرشتہ ہے)

(۹) صبح صادق نے (جو خود پاک ہے) تیرے حسن کی پاکیزگی کا قبالہ لکھ دیا ہے (اور سورج اور چاند نے (بطور گواہان حاشیہ اس قبالہ پر دستخط کر دیئے ہیں (تو صبح سے زیادہ پاک صاف اور سورج اور چاند سے زیادہ خوبصورت ہے کہ یہ سب حسن کے شاہد ہیں۔ کہ یہ اس قدر حسین ہیں۔ تو ان کا پیدا کرنے والا کیسا کچھ حسین نہ ہوگا)

(۱۰) مصر کو جانے والا قافلے کا دل (تجھے دیکھ کر) مسرور ہے کیونکہ حضرت یوسفؑ (کے رخسارہ) کی طرح تیرا رخسار خوبصورت ہے اور تیرا ذقن (ٹھوڑی) چاہ (کنعان ہے) آب خوردن۔ دل مسرور ہونا (اضافت کے لئے یعنی دل کا رروان مصری)

(۱۱) سبحان اللہ تیرے خصائل اور تیری حسین صورت کے آئینہ سے میرے دل نے وجہ اللہ کا مطالعہ کیا۔

(۱۲) اے نظیری (صبح کے وقت عبادت میں کوتاہی نہ کر۔ کیونکہ جو کچھ تجھے ملا ہے وہ صبح کے وقت کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

غزل نمبر ۵۸

بحر رمل مثمن مخبون آخری۔ کن مخبون محذوف ارکان:۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

گردشِ چشمِ بتاں مستیِ من حالی کرد ۔ دورِ واژوں نتواند قدحم خالی کرد

قبضِ درکار ندیدم چو شدم مستِ مدام ۔ حلِ ہر عقدہ کہ میسر کد بخوشحالی کرد

پائے جبریلؑ بکرسیِ خیالم نرسد ۔ عشق بس پایۂ معراجِ مرا عالی کرد

شورِ ایں بادیہ از بادیہ گردیست مدام ۴ رخت مجنوں بعدم بُردو مرا والی کرد
ہر کہ بر خوانِ طمع دست نیاز یدرسید ۵ نگس آلودہ شد از شہد و گراں بالی کرد
عجز در مجلسِ اصحاب بکار است کہ جنگ ۶ جائے از خستہ دروں وحزیں نالی کرد
دلم از خندۂ نوشینِ حریفاں بگرفت ۷ گوشۂ کو کہ دل از گریہ تواں خالی کرد
قصۂ سرِ عشق بوصفِ تو طویلست طویل ۸ ورکِ تفصیلِ جمالت خرد اجمالی کرد
یوسفؑ از خواریِ اخواں بکسادی افتاد ۹ کہ فروشندہ بہ پیش آمد و دلالی کرد
بود نزدیک کہ کام از لبِ شیریں گیرم ۱۰ دست مے یافت ظفر بخت کم اقبالی کرد

کرد بازیچۂ معشوق نظیری خود را
آنچہ خوباں نکنند او بکہن سالی کرد

(۱) اے محبوب کی مست آنکھوں کی گردش نے مجھے وہ آگہی بخش دی ہے اس آسمان کی الٹی گردش میرے (شراب کے) پیالہ کو کبھی خالی نہیں کر سکتی۔
(۲) جب میں گردش چشم بتاں سے ہمیشہ کے لئے مست (عاشق) ہو گیا تو میرے کسی کام میں لنگی نہ رہی جو عقدہ (مشکل) پیش آیا، اس (گردش چشم بتاں) نے آسانی سے حل کر دیا۔
(۳) عشق نے میری تمنا کا پایہ اس قدر بلند کر دیا ہے کہ جبرائیلؑ (جو ساتویں آسمان تک پہنچ سکتا ہے) کا پاؤں میرے خیال کی گرد تک نہیں پہنچ سکتا۔
(۴) اس بادیہ عشق میں ہمیشہ کسی نہ کسی بادیہ گرد کی وجہ سے شورش (عشق) قایم رہتی ہے۔ (کیا ہوا اگر مجنوں اپنا اسباب تک عدم کو لے گیا اور مجھے اپنا والی مقرر کر گیا (عشق میں مجنوں سے کسی طرح کم نہیں)
(۵) جس شخص نے طمع کے دسترخوان پر ہاتھ نہیں بڑھایا (یعنی لالچ نہیں کیا)، وہ منزل مقصود کو پہنچ گیا۔ کیونکہ جب مکھی (شہد کے لالچ سے شہد میں لتھڑ جاتی ہے تو اس کے پر بھاری ہو جاتے ہیں) اور وہ وہیں پھنس کر رہ جاتی ہے (طمع را سہ حرف است و ہر سہ تہی)
(۶) احباب کی مجلس میں عجز چاہیئے کیونکہ رباب کو اپنی خستہ دروں اور نالۂ زار کے سبب سے مجلس احباب میں جگہ ملی ہے۔
(۷) میرا دل حریفوں کے خندۂ شیریں سے آزردہ ہو گیا۔ کوئی ایسا گوشہ کہاں ہے جہاں میں رو کر دل کو ملال سے خالی کر لوں۔
(۸) عشق کے قصہ کا نقش جہاں تک تیری (محبوب کی) ذات سے ہے بہت ہی طویل ہے۔ عقل تیرے جمال کی تفصیل کو مجمل طور پر ہی سمجھ سکتی ہے (عقل تیرے حسن کی تفصیلات کے ادراک سے قاصر ہے۔ کہ تو عقل سے وراء الوراء واقع ہوا ہے۔)
(۹) اپنے بھائیوں کی بے اعتنائی کے باعث حضرت یوسفؑ کم قیمت پر فروخت ہوئے کیونکہ (بھائی جو خود بائع تھا۔ دلال بن کر آیا اور کم قیمت پر بیچ دیا۔
(۱۰) قریب تھا کہ محبوب کے شیریں لب سے میرا مقصد پورا ہو جائے۔ فتح حاصل ہو رہی تھی۔ مگر بخت نے یاوری نہ کی اور میں اپنے مقصد میں ناکام رہا۔
(۱۱) نظیری نے اپنے آپ کو عشق کا کھلونا بنا رکھا ہے۔ جو کام بچے بھی نہیں کرتے وہ (نظیری) بڑھاپے میں کرنے لگا۔

غزل نمبر ۵۹

بحر ہزج مثمن ارکان سالم — ارکان: مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۱ خوشا کز بس ہجوم گریہ ام در دامن آویزد — سرِ دستِ نگارینم نگار از گردن آویزد

۲ چناں در دوست آویزم بدل گرمی دمسازی — کہ در ہنگامِ جانبازی بدشمن دشمن آویزد

۳ نسازد بوئے یوسفؑ دیدۂ یعقوبؑ ارزشن — اگر عشقِ زلیخا پیش نہ در پیراہن آویزد

بفضلہٖ ۴ مقیمِ کوئے تو بیروئے تو با بلبلے ماند — کہ صیادش بگاہِ قفس در گلشن آویزد

۵ گرفتم در پرِ پروانہ سوزم در نمے گیرد — حذر کن ز انکہ ناگہ آتشم در روغن آویزد

۶ دلے دارم بدستِ طعنِ ناصح چوں کہن لقمے — کہ در ہر بخیہ لختے خرقۂ از سوزن آویزد

۷ چراغِ ما چہ زیبد فرد ہد محفل سرائے را — کہ قندیلِ مہ و مہرش فلک در روزن آویزد

۸ بہ بینی گر جلائے از مہ و پروین مشو ایمن — بشکلِ خوشہ گہ صیاد دام از خرمن آویزد

۹ پئے دردِ نظیری ایں ہمہ گفت و شنود ارم
گلے مے چینم از گلشن کہ خارے در من آویزد

(۱) یہ کیا خوش قسمتی ہوگی کہ محبوب اگر یہ کے بھر میں ڈوبا ہوا پا کر میرے دامن سے لپٹ جائے۔ اور اپنے رنگین ہاتھ میری گردن میں ڈال دے۔ (اس طرح مجھے وصالِ یار میسر ہو۔)

(۲) (جب اس طرح محبوب کا ہاتھ میری گردن میں ہو، تو میں بھی دوست (محبوب) سے دلی جوش اور محبت کے ساتھ اس طرح لپٹ جاؤں جس طرح لڑائی کے وقت پر دشمن دشمن سے گتھ جاتا ہے۔

(۳) اگر زلیخا کا عشق یوسفؑ کے پیراہن میں موجود نہ ہوتا تو اس (پیراہن) یوسفؑ کی بو سے کبھی یعقوبؑ کی آنکھیں روشن نہ ہوتیں۔

(۴) میں تیرے کوچہ میں مقیم ہوں لیکن تیرا دیدار میسر نہیں اس لئے میری حالت اس بلبل کی سی ہے۔ جو صیاد کے پنجرے میں مقید ہو۔ اور وہ (صیاد) اس (بلبل) کو موسمِ خزاں میں باغ میں لٹکا دے۔

(۵) میں نے فرض کر لیا کہ میرا سوزِ (عشق) پروانے کے پر نہیں جلاتا۔ لیکن (میرے سوزِ عشق) سے ڈر کہ کہیں میری آتش (عشق) روغن میں پڑ جائے (اور ایک جہان کو جلا کر راکھ کر دے)

(۶) ناصح کے طعن کے ہاتھوں میرا دل ایک پرانی گدڑی کی مانند ہو رہا ہے کہ ہر ٹانکے میں اس گدڑی کا تھوڑا حصہ سوئی کیساتھ چمٹ جاتا ہے۔ پرانی گدڑی کو ٹانکے لگانے سے سوئی کیساتھ ریشے اور تار نکلا کرتے ہیں۔ ناصح کے طعن سے عاشق کا دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔

(۷) ہمارا چراغ اس محفل کو کیا رونق اور روشنی بخش سکتا ہے جس کے روزن میں آسمان نے چاند اور سورج کی قندیلیں لٹکا رکھی ہیں۔

(۸) اگر تو چاند اور پروین کے ستاروں کی چمک دیکھے تو بیفکر مت ہو جا کیونکہ کبھی کبھی شکاری خوشے کی شکل کا جال خرمن سے لٹکا دیا کرتے ہیں۔
(ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہو سکتا کبھی کبھی چیز جو تمہیں بظاہر خوبصورت معلوم ہوتی ہے تمہارے لئے موجبِ آزار ثابت ہو)

(۹) میری یہ تمام گفت و شنید نظیری کے درد و عشق کی وجہ سے ہے گویا میں باغ سے ایسے پھول چن رہا ہوں جن کے کانٹے مجھے چبھ جاتے ہیں۔ درد و عشق میں لذت بھی ہے آزار بھی ہے۔

غزل نمبر ۶۰

بحر ہزج مسدس محذوف الآخر — ارکان :- مفاعیلن مفاعیلن فعولن

نگاہت چشمِ جادو برنتابد ۱ — فریبت خالِ ہندو برنتابد
چو گل از تابشے بر میفروزی ۲ — مزاجت گر مئے خود برنتابد
تعالی اللہ ازاں لطفِ بناگوش ۳ — کہ بر تابیدنِ رو برنتابد
چنان در دوستی توسن عنانی ۴ — کہ رخشِ طاقتت ہُو برنتابد
صبا ترساں وزد سویت کہ ترسد ۵ — دماغت عطرِ گیسو برنتابد
مزاجِ وحشئ داری کہ از دُور ۶ — نگاہِ چشمِ آہُو برنتابد
زبس وحشی غزالانت رمانند ۷ — دلِ شوریدہ اَم ہو برنتابد
کلاہِ ناز نیک از سر نہادی ۸ — جبینت چینِ ابرو برنتابد
خدنگِ چشم زود از زہ فگندی ۹ — کمانت زورِ بازو برنتابد
چو عزمِ بد عنانے خویت نماید ۱۰ — عناں ز آنسو بایں سو برنتابد
بقہر و ناز تو گردن نہادیم ۱۱ — کہ سر از صولجاں، گو برنتابد

۱۲ چو آید در بیاں کلکِ نظیری
آلی تا رصد تو برنتابد

(۱) جادو بھری یا جادو کی آنکھ تیری نگاہ کی تاب نہیں لاسکتی (تیری نگاہ جادو سے بڑھ کر اثر رکھتی ہے) اور تیرا خال سیاہ بھی تیرے فریب کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔
(خال کو ہندو کہہ کر نظیری نے اس فریب کاری رہزنی اور سیاہ کاری کی طرف اشارہ کیا ہے جو ادبیات فارسی میں ہندو کے تصور کے ساتھ مخصوص ہے۔)
(۲) تو پھول کی طرح ذرا سی گرمی سے بھڑک اٹھتا ہے۔ تیرا مزاج (اس قدر گرم ہے کہ وہ) اپنی گرمی کی خود بھی تاب نہیں لاسکتا۔
(۳) اس کی بناگوش (کنپٹی) کی لطافت کیا کہنے کہ منہ پھیر لینے کی تاب بھی نہیں لاتی (نزاکت بناگوش کا یہ عالم ہے کہ منہ پھیرنے سے سرخ ہو جاتا ہے۔)
(۴) تو دوستی میں اس قدر سرکش ہے۔ کہ تیری طاقت کا گھوڑا ہُو کی بھی تاب نہیں لاسکتا (یعنی تو اس قدر نازک طبع ہے۔ کہ ذرا سی بات بھی جو تیرے مزاج کے موافق نہ ہو۔ برداشت نہیں کرسکتا۔)

(۵) صبا بھی تیری طرف ڈرتے ڈرتے آتی ہے۔ کیونکہ وہ خوف کھاتی ہے۔ کہ تیرا دماغ تو زلفوں کی خوشبو کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر وہ صبا کی تاب کیسے لا سکے گا۔ نازک دماغی معشوق کی انتہا نہیں)

(۶) تیرے مزاج میں اس قدر وحشت ہے۔ کہ وہ دور سے چشم آہو کی نگاہ کی تاب بھی نہیں لا سکتا (آہو وحشی مشہور ہے۔ مزاج معشوق میں اس سے بھی بڑھ کر وحشت ہے۔ کہ وہ اس کو دور سے بھی دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا۔ حالانکہ ع
کند ہم جنس با ہم جنس پرواز)

(۷) از بسکہ تیری وحشی آنکھیں رم کرنے والی (آدمی) کو دیکھ کر وحشت سے بھاگ جانے والی ہیں اس لئے میرا شوریدہ دل ہو کو بھی برداشت نہیں کر سکتا (کہ ہو کرنے سے وحشی جانور ڈر کر بھاگ جایا کرتے ہیں۔ اور معشوق کی آنکھوں کو غزال قرار دیا ہے۔ ذرا بھی کسی کو معلوم ہو گیا کہ وہ میری طرف دیکھ رہا ہے تو وہ جھٹ میری طرف سے آنکھوں کو پھیر لے گا)

(۸) تو نے جو ناز کی ٹوپی کو سر سے اتار دیا۔ تو خوب کیا۔ (تو اس کلاہ ناز کو کیسے اٹھا سکتا، تیری پیشانی تو ابرو کے بل کی بھی نہیں برداشت کر سکتی۔

(۹) تو نے جلدی ہی نظر کے تیر کو چلہ پر سے پھینک دیا۔ تیری کمان زور بازو کو سہہ ہی نہیں سکتی (معشوق کی نظر کو تیر قرار دیا ہے کمان پر تیر جوڑ کر زور سے کھینچتے ہیں۔ تو پھر تیر چھوٹتا اور نشانے پر لگتا ہے۔ مگر نظر کا تیر چھوڑنے کے لئے زور بازو کی ضرورت نہیں)

(۱۰) جب تیری خصلت کسی بدعت دنی بات یہاں مراد نئے سے نئے ظلم، کا ارادہ کر لیتی ہے تو پھر وہ اپنی باگ کو اس طرف سے کسی وہ میری طرف نہیں پھیرتی۔ (جب تک تو نئے سے نئے طرز ستم آزما نہیں لیتا۔ تجھے چین نہیں آتا)

(۱۱) ہم نے تیرے قہر و ناز کے سامنے سر جھکا دیا ہے۔ کیونکہ گیند چوگان سے کبھی سرتابی نہیں کرتی (ہم تیری ستم رانیوں کو بہ صد شوق برداشت کرتے ہیں اور کبھی سرتابی نہیں کر سکتے۔ گیند کا کام ہی چوگان سے پٹنا ہے)

(۱۲) جب نظیری کا قلم بیان دیکھنے پر آتا ہے۔ تو پھر موتی (جو اس کے قلم سے ٹپکتے ہیں، سینکڑوں لڑیوں میں بھی نہیں پرو جا سکتے (تو مراد دو تا جیسے دو تو: دو تا دو برا)

غزل نمبر ۶۱

بحر رمل مسدس مقصور:۔ ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

۱ رشحۂ از حسن جاناں ریختند — بر جہاں از عشق طوفاں ریختند

۲ زاں ہمہ طوفاں کہ بر انگیخت عشق — جرعۂ در جام انساں ریختند

۳ از قضا آں جرعہ چوں آمد بجوش — ہر طرف در قالب جاں ریختند

۴ رشحۂ نورے شد و پیدا بر گیاہ — پرتوے بر شرط پیماں ریختند

۵ از خمار و مستی آں نور پاک — دُرد کفر و صاف ایماں ریختند

۶ ہر طرف رنگے بگل بسرشتہ شد — قالب گبر و مسلماں ریختند

۷ شہوتے انگیختند از مغز نے — پیکرے از آب حیواں ریختند

۸ وانگہ از الماس بہر جان ما — تیغ ابرو رمح مژگاں ریختند

تیز کردند و ازاں آلودہ زہر ۹ سوئے شے بر زخمِ پنہاں ریختند
آب کردند از دلِ ما پارۂ ۱۰ دانۂ یاقوتِ رمّاں ریختند
لالۂ حمرا و لعلِ آب دار ۱۱ کوہ را در جیبِ دامناں ریختند
عکس از داغِ دروں برداشتند ۱۲ بر چمن گلہائے الواں ریختند
ایں ہمہ گلہائے سبز و زرد و سرخ ۱۳ از دمِ ما بر گلستاں ریختند
جوہرے از قولِ شور انگیزِ ما ۱۴ عندلیباں را بالحاں ریختند
غنچہ را دل زاں نوائے جانگزاش ۱۵ پارہ پارہ در گریباں ریختند
رنگِ ہر نقشے کزاں انگیخت طبع ۱۶ چینیاں بر قصر و ایواں ریختند
داغِ ہر سودا کزاں اندوختِ عشق ۱۷ مصریاں بر بیتِ احزاں ریختند
نکہتے بر خاست زیں سودا بمصر ۱۸ بر قمیصِ ماہِ کنعاں ریختند
اصلِ ایں فرع از زمیں شد عطر بیز ۱۹ بر نبی از فیضِ رحماں ریختند

مایۂ مے ماند باقی زیں عبیر
۲۰ بر نظیری در خراساں ریختند

یہ تمام غزل مسلسل ہے:-

(۱) معشوق کے حسن کا ایک قطرہ دنیا میں ٹپکایا گیا اور دنیا میں عشق کا طوفان برپا ہو گیا (یہ حسنِ جہاں حسنِ ازل کے ایک قطرہ کے برابر ہے۔ اور اخر یہ ہے کہ دنیا جہان عشق میں مبتلا ہے۔ گویا ایک طوفان عشق کا آیا ہوا ہے)

(۲) اور وہ تمام طوفان جو عشق نے برپا کیا۔ اس کا صرف ایک گھونٹ انسان کے (دل کے) پیالہ میں ڈال دیا گیا۔ (طوفان عشق میں سے صرف ایک گھونٹ انسان کے (دل کے) پیالہ ڈال دیا گیا۔ طوفان عشق میں سے صرف ایک گھونٹ انسان کے حصہ میں آیا ہے۔ اور اس ایک گھونٹ کا اثر یہ ہے جو دیکھ رہے ہیں)

(۳) تقدیر سے جب وہ جرعہ جوش میں آیا تو ہر طرف وجود میں جان ڈال دی گئی (عشق ہی تخلیق کائنات کا ذریعہ بنی کہ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ یعنی میں نے خواہش کی کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا)

(۴) (تب، ہر طرف نور کی بارش ہونے لگی اور (ہر شخص) کو پیمانے (اُس کے ظرف) کے مطابق پر تو نور بخش دیا گیا (جو شخص جس قابل تھا اس کے مطابق اسے نور معرفت دے دیا گیا۔ اور شرط پیمان کے معنی عہد الست کے بھی لئے جا سکتے ہیں)۔

(۵) (پھر اس نور پاک کی مستی اور خمار سے ایمان کی شراب ناب اور کفر کی تلچھٹ بنا دی گئی (کہتے ہیں جب ارواح نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا نغمہ سرمدی سنا تو وہ قبل اس کے کہ ایک عرصہ تک مستی و خود فراموشی کی حالت میں رہیں۔ صوفیا کا عقیدہ ہے کہ کفر

دایمان ایک ہی حقیقت کے دو مختلف پہلو ہیں۔ گویا ایمان اس نورِ پاک کی مستی اور کفر اس کے خمار کا نام ہے)۔

(۶) ہر طرف مٹی میں ایک نیا رنگ ملا دیا گیا۔ اور اس سے گبر و مسلمان کا وجود بنا دیا گیا (گبری و مسلمانی ایک ہی اصل میں مختلف رنگ بھر دیئے گئے ہیں)

(۷) یہ شعر بہت سے معانی کا متحمل ہے جس میں سے ایک معنی قابلِ اظہار بھی نہیں۔ ایک معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ مغز نے سے درد جدائی کے اظہار کے نغمے نکلتے ہیں (بشنو از نے چو حکایت مے کند و ز جدائی شکایت می کند) اور باوجود یکہ انسانی پیکر فانی تھا۔ لیکن جس طرح بانسری کے نغمے باوجود بانسری کے فانی ہونے کے دل پر ایک غیر فانی اثر چھوڑتے ہیں۔ اس طرح انسان کا قالب خاکی بھی نغمہ گری محبت کی بنا پر ایسا غیر فانی ہو گیا ہے گویا آبِ حیواں سے گوندھ کر بنایا گیا ہے۔

(۸) تہ بہادی جان کے لئے الماس کی قسم سے ابرو کی تلوار اور مژگاں کا نیزہ ڈھال دیا۔ (راز الماس ہیں زنبق کے معنوں میں۔ الماس کاٹ میں ضرب المثل ہے۔ ابرو کو تلوار اور مژگاں کو نیزے سے استعارہ کیا ہے)۔

(۹) اس تیغ ابرو اور رُخِ مژگاں کو تیز کیا اور اس آلودۂ زہر بُرادے کو ہمارے پنہاں دل کے زخموں پر ڈال دیا۔

(۱۰) ہمارے دل کے ایک ٹکڑے کو پانی بنا دیا۔ اور اس سے انار جیسے سرخ یاقوت بنا ڈالے۔

(۱۱) (اور ہمارے اسی دل کے ٹکڑے سے) سرخ لالہ اور چمکتے ہوئے لعل پہاڑ کے جیب و دامن میں ڈال دیئے (لالہ جو دامن کوہ میں اور لعل جو جیب کوہ میں ہوتے ہیں۔ ان کی سرخی اور صفائی اور آبداری ہمارے دل سے مستعار لی گئی ہے)

(۱۲) (ہمارے سینہ کے داغوں کا عکس لے کر باغ میں طرح طرح کے پھول کھلا دیئے (یہ باغ میں جو پھول ہیں یہ ہمارے داغہائے سینہ کا نقشہ ہیں۔ غالب نے اس مضمون کو زیادہ صاف کیا ہے ؎

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل — خون کیا ہوا دیکھا۔ گم کیا ہوا پایا

(۱۳) یہ تمام سہرہ۔ زرد اور سرخ پھول ہمارے ہی دم سے باغ میں بنا دیئے گئے ہیں۔

(۱۴) ہماری جنون انگیز باتوں کا جوہر نکال کر بلبلوں کی آواز میں ڈال دیا (بلبل کی خوش آوازی نتیجہ ہے اس کی عشقبازی اور وہ اس نے ہم سے سیکھا ہے)۔

(۱۵) اور (بلبل کی) اس جاں خراش آواز سے غنچہ کے دل کو پارہ پارہ کر کے اس کے گریبان میں ڈال دیا (گل کی پتیوں کو غنچہ کے پارہ ہائے دل قرار دیا ہے اور اس کا سبب بلبل کی جاں خراش آواز کو ٹھہرایا ہے)۔

(۱۶) ہر ایک نقش کا رنگ جو طبیعت نے اس (دل) سے پیدا کیا چینیوں نے اپنے قصر و محل میں ڈال لیا (چینیوں کی نقاشی اور مصوری مشہور ہے وہ انہوں نے ہمارے دل کی نقاشی سے لی ہے)۔

(۱۷) سودا کا ہر ایک داغ جو عشق نے اس (دل) سے حاصل کیا۔ اسے مصریوں نے (یعقوبؑ کے) غمکدے پر لگا دیا (یعقوبؑ کا غم ہمارے غمِ عشق ہی کی ایک شاخ اور حصہ تھا۔ بیت احزان کا لفظ چینیوں کی قصر و ایوان کے مناسبت سے ان عظیم الشان مقابر کی یاد بھی دلاتا ہے۔ جو اہل مصر اپنے فراعنہ کے لئے تعمیر کیا کرتے تھے)۔

(۱۸) اس سودائے (عشق) سے مصر میں ایک خوشبو اٹھی اور اسے کنعان کے چاند (حضرت یوسفؑ) کی قمیص پر لگا دیا (مصر میں پیراہن یوسفؑ سے یعقوبؑ کو کنعان میں خوشبو پہنچ گئی۔ کہتا ہے یہ خوشبو کا پہنچنا بھی عشق کا کارنامہ ہے)۔

(۱۹) اسی شاخ کی ایک جڑ یمن میں عطر بیز ہوئی جسے اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت نبی کریمؐ تک پہنچا دیا۔

(۲۰) اس خوش بو کا کچھ سرمایہ باقی تھا۔ وہ خراسان میں نظیری کو دے دیا گیا۔ (عشق دشنا عزمی)

غزل نمبر ۶۲

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلان

تابانیہ

پیراں کہ دمِ نفعِ فیضِ تابانیہ بردہ اند ۱ آبِ رُخِ جواں بدمِ پیر بردہ اند

چوں من ہزار آنکساں کہ نفس کردہ اند سرد ۲ نورِ سحر بنالۂ شبگیر بردہ اند

سرگشتہ اند اگرچہ بتحصیلِ تجربہ ۳ پائے تا فرازِ طارمِ تدبیر بردہ اند

از سالخوردگاں بنوخوش فضول ازانکہ ۴ صحبت لطیف خانۂ تقدیر بردہ اند
پیراں ز روزِ تیرہ سیہ کار میشوند ۵ با آنکہ مُوسفید تر از شیر بُردہ اند
بیباکی و غرورِ جوانی نماند حیف ۶ پیراں ہمہ خجالتِ تقصیر بُردہ اند
شادی بشیب کرزمے وافیون بود چہ خط ۷ این قوم رہ بعیش بہ تزویر بُردہ اند
گرنج شود بمادلِ نازک براں سزد ۸ بارِ گراں بقامتِ چوں تیر بُردہ اند
باموئے ہمچو سُبحہ کافور نگروند ۹ آناں کہ پَے بزلفِ چوزنجیر بُردہ اند
یوسفؑ فریب گرگِ ممثل کجا خورد ۱۰ رو بہ بصید کردنِ نخچیر بُردہ اند

وحشی چو توشکارِ منظوری کجا شود
" شہباز را بدامِ مگس گیر بردہ اند؟

(۱) وہ بوڑھے جنہوں نے صبح کے انوار و تجلیات کے فیض سے استفادہ کیا ہے۔ (شب بیداری اور سحر خیزی کے عادی ہیں۔ وہ بڑھاپے کے باوجود جوانوں کے چہرے کی سی رونق حاصل کر چکے ہیں (ان کے چہرے پر جوانوں کی طرح رونق اور سرخی پائی جاتی ہے۔ پہلا مصرعہ دو طرح ہے۔ ایک "پیراں کہ نفع فیض تباشیر بردہ اند" اوپر کا ترجمہ اسی کے مطابق ہے۔ تباشیر کو سفیدی کے باعث صبح کے لئے استعارہ کیا کرتے ہیں۔ دوسرے "پیراں کہ نفع ریا و رقع (فیض تباشیر بُردہ اند" "وہ بوڑھے جو (اپنی) تاثیر کے سبب سے فیض رسانی خلق کی وقعت حاصل کر چکے ہیں" الخ)

(۲) جو لوگ میری طرح سرد آہیں کھینچتے رہے ہیں۔ وہ اپنے تیگیر نالوں کی بدولت نورِ سحر (کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ گرفتارانِ عشق اپنی سرد آہوں اور شبگیر نالوں کے سبب فیوضِ سحر حاصل کر لیتے ہیں ؎

وقت نیاید عجز جہانگیر بادشاہ — امید آنکہ شعلہ اثر رسد

(۳) یہ مدعیانِ عقل و خرد، اگرچہ تجربہ حاصل کرتے کرتے تدبیروں کی چوٹی تک پہنچ چکے ہیں (مگر پھر بھی) سرگردان اور پریشان ہیں کہ کسی بات کا پتہ چلا ہی نہیں۔ بلکہ ع

"جانا تو یہ جانا کہ نہ جانا کچھ بھی"

(پے بُردن:۔ سراغ نکال لے جانا۔ راہ پانا۔ طارم:۔ چوٹی۔ بلندی۔ فراز۔ اونچائی)

(۴) عمر رسیدہ آدمیوں کو چھچھوری باتیں زیب نہیں دیتیں کیونکہ وہ تقدیر کا تماشا اچھی طرح دیکھ چکے ہیں۔

(۵) جب بدبختی آتی ہے تو بوڑھے بھی باوجود یکہ ان کے بال دودھ سے بھی زیادہ سفید ہو چکے ہوتے ہیں۔ سیہ کار گناہوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں (ز روزِ تیرہ:۔ تیرگی روز کے باعث۔ بارِ گراں کے استعارہ کو صاف کرنا خلاف تہذیب ہوگا۔ لیکن جو لوگ فارسی کے انداز تغزل کی رسمیات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں اس کے کیا معنی ہیں)

(۶) افسوس کہ بڑھاپے میں جوانی کی بیباکی اور غرور باقی نہ رہے اور (بیچارے) بوڑھے ہمہ تن شرمندگی گناہ لے کر ہی رہ گئے (جوانی کے زمانہ کا غرور اور بیباکی نہ رہی البتہ جو گناہ کئے تھے ان کی شرمندگی باقی رہ گئی)

(۷) بڑھاپے کی مسرت و شادمانی جو شراب اور افیون (کے استعمال) سے حاصل کی جاتی ہے اس کا کیا لطف؟ یہ لوگ بوڑھے چرسے و افیون سے نشاط حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ (مکر و فریب کے ذریعہ عیش و عشرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ (تزویر:۔ مکر و فریب۔ جو مسرت حقیقی جوشِ جوانی و صحت میں ہے وہ نشہ کے و افیون سے کہاں حاصل ہو سکتی ہے۔ جوانی جوانی ہے اور بڑھاپا بڑھاپا۔ صائب کہتا ہے ؎

خضاب پرورۂ پیری نے شود صائب ۔ بکر دہید خزاں را بہار نتواں کرد،

(۸) اگر ان نازک انداموں کا دل ہماری طرف سے پھر جائے تو بالکل مناسب و موزوں ہے کیونکہ وہ اپنے تیر جیسے سیدھے قامت پر بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں (شعر کی بنیاد کج اور چوں تیر نازک اور بارگراں کی صنعت تضاد پر ہے۔ متاع معشوق کی نزاکت اور موزوں قامتی کا ذکر کرتا ہے جو شخص بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے ہو اس کے قامت میں قدرتی طور پر خمیدگی پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ محبوب کے دل کا ہماری طرف سے کج ہو جانا گویا اسی قسم کی خمیدگی ہے)،

(۹) دوسرا مصرعہ پہلے (جو لوگ زنجیر جیسی زلف کا راہ پا چکے ہیں۔ (ا بسیر ہو چکے ہیں)، وہ کافور کی تسبیح جیسے بالوں کی طرف مائل نہیں ہو سکتے (نا ہنجار سفید ریش کی پروا نہیں کرتے۔ دوسرا مطلب شعر کا یہ ہو سکتا ہے کہ خود معشوق جو زنجیر جیسی زلف رکھتے ہیں بوڑھے لوگوں کی طرف مائل نہیں ہو سکتے)۔

(۱۰) یوسف مصنوعی بھیڑیئے کے فریب میں نہیں آسکتا (جو لوگ اسے گرگ مثل کے فریب میں لانا چاہتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ گویا وہ (شکار کو قابو میں لانے کے لئے لومڑی سے کام لینا چاہتے ہیں (حالانکہ لومڑی شکاری جانور نہیں)،

(۱۱) تجھ ایسا وحشی (مانوس نہ ہونے والا) نظیری کا شکار کہاں ہو سکتا ہے (تو نظیری کے ہاتھ نہیں آسکتا (کیا کبھی کسی نے شہباز کو مکڑی کے جال سے پکڑا ہے؟ (مکڑی کا جال باز پکڑنے کے کام نہیں آسکتا۔ نظیری بھی تجھے اپنے قبضہ میں نہیں لا سکتا)

غزل نمبر ۶۳

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ ارکان مفعول فاعِ لات مفاعیل فاع لان

چہ خوست کیں دلِ کافر نہاد من دارد ۱ نہ مذہبِ من و نہ اعتقادِ من دارد
بآب و آتشم از سرکشی نمے سازد ۲ ہزار عربدہ با خاک و بادِ من دارد
ز تیرِ نالہ فلک را بکیں بر انگیزد ۳ کمانِ فتنہ بزہ از عنادِ من دارد
ندیمِ غصہ کہ روئے زمن بگرداند ۴ عدوئے رحم کہ راہے بدادِ من دارد
بچشمِ دل زسویدا سے دل ضعیف ترم ۵ اگرچہ قوتِ دید از سوادِ من دارد
مبارزے کہ ہدف سدِ آہنیں سازد ۶ کجا ہدف زکمین و کشادِ من دارد
چہ اعتماد کنم بر دو روئی غماز ۷ کہ حادثاتِ جہاں را بیادِ من دارد
بصد علاقۂ دل بایدم مقید بود ۸ بایں گماں کہ سرِ انقیادِ من دارد
من آں عزیزِ زمانم کہ بخت ہر ساعت ۹ متاعِ مصر دگر در مرادِ من دارد
رسا ست دستِ تجرد کہ نزلِ من گیرد ۱۰ قویست پشتِ توکل کہ زادِ من دارد
بمصرعے کہ ندیماں زنظمِ من خوانند ۱۱ ہزار فخر بمن اوستادِ من دارد

زمکرِ چرخ نظیری عجب ہراسانم
کہ کارہائے مرا بر مرادِ من دارد ۱۲

(۱) یہ میرا کافر سرشت دل بھی کس خوئے خصلت کا مالک ہے۔ کہ نہ میرا سا مذہب اور نہ میرا سا اعتقادی رکھتا ہے (عشق میں نہ مذہب و اعتقاد باقی نہیں رہتا بلکہ معشوق کی رضا ہی عاشق کا مذہب ہو جاتا ہے۔ انسان کے نفس میں شعوری اور غیر شعوری کیفیات میں کشمکش جاری رہتی ہے جس کے کیف و کم کے اعتبار سے کئی ذہنی اور نفسی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ موجودہ نفسیات کے اکثر معرکۃ الآرا مسئلوں کی بنا اسی بنا پر ہے! اس غزل کے پہلے شعر سب اسی ذہنی کشمکش کی طرف اشارہ کرتے ہیں ؎

کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار ۔۔۔ جب تک ترا سے ضرب کلیمی سے نہ چیرے)

(۲) وہ (یعنی میرا دل) سرکشی کی وجہ سے میری آب و آتش سے موافقت نہیں کرتا۔ بلکہ میری باوہ خاک کے ساتھ وہ ہزار ہا جھگڑے بپا رکھتا ہے (آب و آتش۔ خاک و باد۔ عناصر اربعہ مراد وجود و جسم)

(۳) میں اس کے جور و ستم سے تنگ آکر نالہ کرتا ہوں تو گویا وہ (نالہ کے تیروں کے سبب) آسمان کو میری دشمنی پر اُبھارتا ہے۔ اور میرے ساتھ عناد و رکھنے کی وجہ سے ہمیشہ، فتنہ کی کمان کو چلہ چڑھائے رہتا ہے۔

(۴) وہ (میرا دل) رنج و غضب کا رفیق ہے کیونکہ وہ میری طرف سے منہ پھیرے رہتا ہے۔ اور وہ اس رحم کا دشمن ہے جو میری فریاد کو پہنچ سکتا ہے۔

(۵) میں دل کی نظر میں داغ سیاہ دل سے بھی کمزور تر ہوں۔ اگرچہ میری ہی سیاہی چشم کی بدولت اُسے قوت دید حاصل ہے۔ (سواد دل۔ دل میں ایک داغ سیاہ۔ دوسرے مصرعہ میں سواد سے مراد سواد چشم۔ آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ تو دل متاثر ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت سب کچھ دل ہی ہے۔ اور باقی تمام وجود اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے)

(۶) وہ جگر خستہ جو آہنی دیوار کو نشانہ بناتا ہے۔ وہ مجھ سی گھات اور تیر اندازی کا سا نشانہ نہیں رکھتا (جگر زیادہ سے زیادہ سد آہنی کو نشانہ بنا کر اسے توڑ دے گا۔ مگر میں اپنے تیر ہائے آہ سے بڑے بڑے سنگ دل کو نشانہ بناتا ہوں۔ کہ وہ بھی نرم ہو جاتا ہے (کمیں:۔ گھات لگا کر بیٹھنا۔ کشاد:۔ تیر چلانا۔ جس طرح سے گھات میں بیٹھتا اور تیر چلاتا ہوں۔ وہ اس جنگ جو کو حاصل نہیں)

(۷) میں اس چغلخور کی منافقت پر کیا اعتماد کروں کیونکہ وہ مجھے زمانے کے حوادث یاد دلاتا رہتا ہے۔

(۸) (دوسرا مصرعہ مقدم) اس امید پر کہ اسے میری فرماں برداری کا خیال ہے میں صد علاقۂ دل کے ساتھ اس کی قید میں رہ سکتا ہوں (میں اپنے دل کو اس کے ساتھ بیشمار تعلقات قایم کر کے مقید رکھ سکتا ہوں۔ مگر اس قدر صدمہ ضرور چاہتا ہوں کہ اسے بھی معلوم ہو جائے کہ یہ میرا مطیع و فرمانبردار ہے)۔

(۹) میں اپنے زمانے کا وہ عزیز (شاہان مصر کا لقب) ہوں کہ میری قسمت ہر آن نئے سے نئے مصر کے سامان کو میری مراد کے موافق کام میں لاتی رہتی ہے۔

(۱۰) دست تجرد اس لئے رسا ہے کہ وہ میرے دستر خوان سے طعام لیتا ہے (اور توکل اس وجہ سے قوی پشت ہے کہ اس کے پاس میرے جیسا راہ موجود ہے (تجرد۔ علایق دنیا سے الگ ہونا۔ یعنی توکل اور تجرد میں ایسا منفرد ہوں کہ خود توکل اور تجرد مجھ سے اکتساب قوت کرتے ہیں)

(۱۱) اس ایک مصرعہ کی وجہ سے جو ہمنشیں میری نظم میں سے پڑھتے ہیں میرا استاد مجھ پر ہزار فخر کرتا ہے (کہ میرا شاگرد کیسا قابل ہے)

(۱۲) نظیری! میں آسمان کے مکر سے عجب ہراساں ہوں۔ کیونکہ وہ آج کل میرے کاموں کو میرے حسب مراد انجام دے رہا ہے چونکہ وہ مکار ہے۔ اس لئے خطرہ ہے کہ جلد ہی کسی نئی ناکامی و نامرادی سے دوچار نہ ہونا پڑے!

غزل نمبر ۶۴

بحر محبتث مثمن مخبون مقصور ۔۔۔ ارکان۔ مفاعلن فلاتن مفاعلن فعلن

۱ دریں سپید رقم قسمت و حوالہ نماند ۔۔۔ اثر ز مہر و خط این کہن قبالہ نماند

۲ ہزار قرن بریں قصر مردمان بگذشت ۔۔۔ مسائل و حکم و دفتر و رسالہ نماند

۱ زباب رحم و مروت نشاں چہ میخواہی ۲ ازیں مقولہ حکایت دریں مقالہ نماند
۳ زبس مرورِ زماں منفعت ز اشیا رفت ۴ خواصِ مہر گیائے ہزار سالہ نماند
۵ ہر آنچہ صافِ قدح بود محرماں خوردند ۶ بغیر دُردیٔ مے در تہِ پیالہ نماند
۷ مجوے رحم ازیں گرگِ ماہ کنعاں در ۸ کہ شستری کلہ و مشتری کلالہ نماند
۹ شکوہِ حشمتِ پرویز و حسنِ شیریں رفت ۱۰ مہِ تمامِ فلک شد نزار و ہالہ نماند
۱۱ ز جنسِ خویش ہمہ صید میکند ایام ۱۲ ز سبزہ زارِ فلک غیر یک غزالہ نماند
۱۳ زمیں گداختۂ آتشینِ عذارانست ۱۴ کجاست خاک کہ داغے بروئے لالہ نماند

نوالہ حصۂ تن پروراں نظیری شد
۱۵ بیا کہ قسمتِ ما و تو غیر نالہ نماند

(۱) اس پیدِ تحریر والے آسمان یا دُنیا میں قسمت اور سپہر دگی باقی نہیں (کسی کی قسمت میں کچھ نہیں ہے) اور اس پرانے قباله کی تحریر اور مہر کا کوئی نشان نہیں رہا (سپید رقم یہ خالی کاغذ جس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہو۔ یعنی آسمان نے کسی کی قسمت میں کچھ نہیں کیا گویا ایک کاغذ پر قسمت لکھ دی گئی تھی وہ ایسا فرسودہ ہو چکا ہے کہ اس کی تحریر پڑھی ہی نہیں جاتی)

(۲) انسانوں کے اس محل پر ہزاروں زمانے گزر چکے (دنیا کو وجود میں آئے قرنہا قرن گزر چکے) اس لئے مسائل اور حکمتیں اور دفتر اور رسالے نہیں رہے (یعنی دفاترِ حکمت اور تمام کاوش فلسفا متداول وقت کے ساتھ خود بخود باطل ہوتے جاتے ہیں)

(۳) تو رحم اور مروت کے باب کا نشان کیا ڈھونڈتا پھرتا ہے کہ اس مضمون میں اس مقولہ (رحم و مروت) کے متعلق کوئی حکایت باقی نہیں رہی (باب، مقولہ، حکایت اور مقالہ لفظی مناسبات ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں رحم و مروت کا نام تک نہیں رہا)

(۴) مرورِ زمانہ کے باعث اشیا میں سے ان کی منفعت جاتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ ہزار سالہ مہر گیا (ایک قسم کی گھاس جس کے متعلق لوگوں کا گمان ہے کہ جس کے پاس ہو اس سے دوسروں کو خواہ مخواہ محبت ہو جاتی ہے۔) کی خاصیتیں بھی زایل ہو گئی ہیں

(۵) پیالے میں جس قدر شراب صاف تھی۔ وہ تو محرمان راز پی گئے۔ اب پیالے کی تہ میں خراب کی تہ نشین میل کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ (اس دنیا میں لطف اور دلچسپی فقط اہل معرفت کو عرفان میں حاصل ہے باقی رہے دنیوی عیش و آرام تو وہ لچھے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے) (شعر اس مفہوم کا حال بھی ہو سکتا ہے کہ مضامین عالی تو متقدمین تار خیل میں پڑ چکے اب متاخرین کے پاس سوائے مبتذل

(۶) اس کنعان کے چاند (حضرت یوسفؑ) کو بھیڑیئے سے رحم کی امید کم رکھ کہ اس کی بدولت نہ مشتری کلاہ والا باقی رہا اور نہ مشتری کی سی زلفوں والا آسمان نہایت بے رحم اور سفاک ہے کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ شستر: شہر نیز علاقے کا نام۔ مشتری ایک ستارہ کا نام۔ شستری کلاہ۔ بانکا۔ عاشق مشتری کلالہ معشوق)

(۷) پرویز کے لاؤ لشکر کا دبدبہ اور شیریں کا حسن جا چکے۔ آسمان پر کا ماہ کامل پھر لاغر ہو گیا (ملکوں کے گرد ہالہ باقی نہ رہا (دنیا کی شان و شوکت۔ جن و خوبی سب زوال پذیر ہیں۔)

(۸) زمانہ اپنی جنس کی تمام چیزوں کو شکار کئے چلا جاتا ہے۔ اب سبزہ زارِ فلک پر ایک غزالہ (آفتاب) کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

(۹) تمام زمین آتشیں رخساروں و معشوقان مہ جمال کی پگھلائی ہوئی ہے۔ آتشیں رخسار معشوقوں کے عشق کا اثر کائنات کے ذرے ذرے میں سرایت کر چکا ہے۔ ایسی سرزمین کونسی ہے جہاں لالہ کے چہرے پر کوئی نہ کوئی داغ موجود نہ ہو (گل لالہ کی سیاہی گویا داغ عشق ہے)

موجودات کے اندر کچھ نہیں ہے اور جو کچھ ہے وہ فنا ہونے والا ہے

(۱۰) اے نظیری کھانا پینا تو تن پرور لوگوں کا حصہ ہو چکا ہے ہم تن پرور نہیں ہیں اس لئے آجا کہ میری اور تیری قسمت میں نالہ کے سوا کچھ نہیں ہے (ہماری قسمت میں نالہ و فریاد کرنا ہی لکھا ہے کہ ہم عاشق ہیں۔ اور دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا صرف دنیادار اور تن پرور لوگوں کا حصہ ہے۔)

غزل نمبر ۶۵

بحر خفیف مسدس مخبون محذوف مسکن — ارکان:- فاعلاتن فعلاتن فعلن

عالم از عشق در وجود آمد — عشق معمار ہست و بود آمد
در بشر کبریائے عشق نمود — ملک از عجز در سجود آمد
رد شد از صدر بارگاہ شہود — آنکہ بر کار ما حسود آمد
عشق بر تخت از زبرنگریست — عقل و لوح و قلم فرود آمد
ہر چہ اہلیت نمودن داشت — ہمہ از عشق در نمود آمد
نیست جز عشق و عاشق و معشوق — ہر چہ در معرض شہود آمد
عقل بر کار عشق سوخت سپند — شکل ایں گنبد کبود آمد
عشق صنعت نمود بے آلت — بود ہر چیز از نبود آمد
جامہ مجنوں درد کہ خلعت عشق — عاری از جنس تار و پود آمد
عشق را عشق دی و فردا نیست — دیر ہم زود تر ز زود آمد
شد جوانی و عشق و حرص و ہوا — شعلہ بنشست و خس بدود آمد

زد سخن بر لب نظیری جوش
عشق در گفت و در شنود آمد

تمام غزل عشق حقیقی کے متعلق اور مسلسل ہے۔

(۱) یہ دنیا تمام عشق ہی کی بدولت وجود میں آئی ہے۔ گویا عشق ہی ہست و بود کا معمار ہے۔
(۲) عشق ہی نے انسان میں عظمت اور بزرگی پیدا کر دی اور اسی سبب سے فرشتہ عجز سے سجدے میں گر پڑا۔
(۳) دوسرا مصرعہ پہلے، وہ جس نے ہماری ترقی کے کام پر حسد کیا۔ وہ بارگاہ ایزدی کے مقام بلند سے نکال دیا گیا (حسود سے مراد شیطان ہے)۔
(۴) عشق تخت پر بیٹھا اوپر سے دیکھ رہا تھا۔ اور عقل لوح اور قلم نیچے تھے (عشق ان سب سے اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔)
(۵) ہر وہ چیز جس میں ظہور کی اہلیت موجود تھی۔ وہ تمام عشق کی بدولت عدم سے وجود میں آگئیں۔

(۶) دوسرا مصرعہ پہلے، جو کچھ بھی معرض وجود میں آچکا ہے۔ وہ عشق۔ عاشق معشوق کے سوا کچھ نہیں ہے (ہمہ اوست کے عقیدے کا اظہار کیا ہے۔ کہ ؎

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ　　خود بر سر بازار خریدار برآمد

(۷) عقل نے عشق کے کاروبار پر ہر دل جلا یا (نظر بد سے بچانے کے لئے سپند جلایا کرتے ہیں، (اور اس سے، اور اس نیلگوں آسمان کی شکل بن گئی۔ (آسمان بھی عشق ہی کی بدولت وجود میں آیا ہے)

(۸) عشق نے بغیر ہتھیار کے صنعت گری کی اور ہر چیز عدم سے وجود میں آگئی۔

(۹) مجنوں اپنے کپڑوں کو اس لئے پھاڑ ڈالتا ہے کہ عشق کا لباس تار و پود کی جنس سے عار محسوس کرتا ہے (یا تار و پود کی جنس سے خالی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق کا لباس بُنے ہوئے کپڑوں سے نہیں۔ بلکہ غریانی سے تیار ہوتا ہے)

(۱۰) عشق کو ماضی و مستقبل کی محبت نہیں ہوتی (عشق پابند کی و فردا نہیں، یہاں دیر بھی جلد سے جلد تر آجاتی ہے (عشق حال کا پابند ہے۔ اور سب زمانے اس کے لئے حال کا حکم رکھتے ہیں،

(۱۱) جوانی اور عشق جا چکے (باقی رہے) حرص و ہوا (تو اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے شعلہ بجھ گیا اور تنکے دھواں دینے لگیں۔ (عشق کو شعلہ اور حرص و ہوا کو خس بدود قرار دیا ہے)

(۱۲) شعر نظیری کے لبوں پر جوش مارنے لگے اور عشق گفت و شنید میں آگیا (اشعار نظیری کے سبب عشق کا چرچا ہو گیا) دیکھئے "پیام مشرق" میں اقبال کی نظم "تخلیق آدم" خاصکر یہ مصرعہ ؎

حذر اے پروگیاں بر وہ در سے پیدا شد

اور ؎　　زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر　　تا دریں گنبد دیرینہ در سے پیدا شد

غزل نمبر ۶۶

بحر رمل مثمن مخبون محذوف مسکن　　ارکان: فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

۱ اشک در دیدہ نیارم کہ حجابم نبرد　　حائل گریہ کنم شرم کہ آبم نبرد

۲ تپش و تابش من گرم سوانش سازد　　صد اداہست کہ کس پے بجوابم نبرد

۳ گشتہ ام پے سپر حادثہ چوں گنج یتیم　　جز خضر راہ بدیوار خرابم نبرد

۴ خوار از عجز و تنزل شدہ ام میخواہم　　کہ بصلحش نبرد م تا بعتابم نبرد

۵ بسکہ عطر گل و مل راہ مشامش بگرفت　　بوئے از سوختگیہائے کبابم نبرد

۶ سرخوش از گردش چشم و لب میگوں کندم　　زود مستم بسوئے بزم شرابم نبرد

۷ قطعہ سبز خطش دیدہ ام از چشمہ نوش　　ہوس از راہ بہ سر تقش سرابم نبرد

۸ نکنم یاد لب بادہ فروشش بنماز　　کہ ز مسجد بخرابات خرابم نبرد

۹ نپرد مرغ کہ والہ نکند امیدم　　نوزد باد کہ از پائے شتابم نبرد

۱۰ ہر شب از نرگس فتاں بکمین نظرم　　صد فسونساز نشاندست کہ خوابم نبرد

نیست از بادہ بجز بادِ نظیری بدست
"نگذرد آبِ رز از کام کہ آبم نبرد"

(۱) میں آنکھوں میں اس لئے آنسو نہیں لاتا کہ وہ میری شرم دور نہ کر دیں۔ اور میں شرم کو گریہ کے لئے روک بناتا ہوں۔ کہ کہیں میری آبرو نہ جاتی رہے (جب تک عشق کو انسان چھپاتا ہے اس کا شرم و حیا قائم رہتا ہے۔ جونہی راز افشا ہو جاتا ہے عشق بیباک اور بے حجاب ہو جاتا ہے ؎

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے　　دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے۔

(۲) میری تڑپ اور بیقراری اسے سرگرم سوال بنائے رکھتی ہے لیکن میرے جواب دینے کا طریقہ سو قسم کی ادائیں اور لطافتیں اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے کہ کسی کی سمجھ میں اصل بات نہیں آتی۔ اور افشائے راز کا خدشہ مٹ جاتا ہے۔

(۳) میں اس قدر پامال حوادث ہو چکا ہوں کہ یتیم کے خزانے کی طرح خضر کے سوا کوئی شخص میری ویران دیوار کا راستہ نہیں پا سکتا (گنج یتیم میں تلمیح ہے حضرت خضر کے قصہ کی طرف کہ ایک قصبہ میں انہوں نے ایک گرتی ہوئی دیوار کو تعمیر کر دیا۔ حالانکہ اہل قصبہ نے آپ کو کھانا تک دینے سے انکار کر دیا تھا۔ موسیٰ کے استفسار پر آپ نے بتایا کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیموں کا خزانہ ہے اور ان کا باپ ایک صالح شخص تھا۔ دیوار اس لئے بنائی ہے کہ بچے جوان ہو کر نکال لیں شعر سے مراد یہ ہے کہ میری پامالی و ویرانی کا ہر شخص کو علم نہیں ہو سکتا۔ کوئی صاحب باطن ہی اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔)

(۴) میں اپنے عجز اور پستی ہی کی بدولت ذلیل ہو چکا ہوں۔ اس لئے اب چاہتا ہوں کہ اس کے پاس اس وقت تک صلح کے لئے نہ جاؤں جب تک وہ عتاب کے ساتھ نہ لے جائے (ہر وقت عاجزی اور خوشامد کی وجہ سے ذلیل ہو رہا ہوں۔ آئندہ جب تک وہ خود مجبور کر کے نہ لے جائے اس کے ہاں نہیں جاؤں گا۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ بھی پستی ہمت اور عجز طبع کی دلیل ہے)

(۵) چونکہ پھولوں کے عطر اور شراب نے اس کے دماغ کی راہ بند کر رکھی ہے اور اس لئے اسے میرے کباب دل، کے جلنے کی بو نہیں آتی (وہ محو عیش و نشاط ہے۔ میرے حال زار سے ناآشنا ہے گویا خوشبو سے اس کا دماغ پر ہے۔ کباب دل کے جلنے کی بو اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتی) ؎

عرش سے واں فرش تک طوفاں تھا موج رنگ کا　　یاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا۔

(۶) وہ مجھے اپنی آنکھ کی گردش اور شراب کے سے (سرخ) لبوں ہی سے سرخوش کئے دیتا ہے۔ کیونکہ میں جلد مست ہو جانے والا ہوں۔ اس لئے وہ مجھے محفل شراب میں نہیں لے جاتا (اس کی گردش چشم اور لب مے گوں ہی سے جب مجھے سرور آ جاتا ہے تو پھر شراب کی کیا ضرورت ہے ؎

دیکھا کئے وہ مست نگاہوں سے بار بار　　جب تک شراب آئے کئی دور ہو گئے)

(۷) میں نے اس کے سبز خط کا قطعہ دیکھ لیا ہے۔ اس لئے اب ہوس اس کے چشمۂ شہد سے مجھے ہرگز خوش سراب کے لئے ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتی۔ (میں اس کا رخسار جو سبز خط کا قطعہ ہے اور لب جو چشمۂ شہد ہے۔ چھوڑ کر اور کسی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ان کے سوا آبِ حیات کا چشمہ بھی فریب نظر ہے۔ اور اس کی طرف توجہ دینا گویا ہوس رانی ہے۔

(۸) میں اس کے بادہ فروش لبوں کو تراز میں یاد نہیں کرتا تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے سجدہ سے مست کر کے شراب خانے میں لے جائیں (اس کے لبوں کے تصور ہی سے ایسی مستی چھا جاتی ہے کہ گویا میکدہ میں ساغر پہ ساغر چڑھا رکھے ہوں) ؎

(۹) کوئی پرندہ نہیں اڑتا جو میری امید کو فریفتہ نہ کر لیتا ہو۔ (جب کوئی پرندہ اڑتا ہے تو گمان کرتا ہوں کہ شاید محبوب کا نامہ بر ہو کہ مایوسی ہوتی ہے۔) کبھی ہوا نہیں چلتی جو میرے پاؤں سے شتاب روی کو دور نہ کر دیتی ہو (جب ہوا چلتی ہے تو فرط مسرت سے میرے قدم اس امید پر رفتار سے رہ جاتے ہیں کہ شاید وہ پار محبوب کی خوشبو اس میں ہو)

(۱۰) وہ (محبوب) ہر لمحات میری نظر کی گھات میں اپنی فتنہ انگیز آنکھوں کے سینکڑوں فسوں سازوں کو (اس غرض سے) مقرر کر دیتا ہے تاکہ وہ مجھے سونے نہ دیں (اس کی ذہین آنکھوں کے تصور نے میری نیند حرام کر رکھی ہے۔ ان کے عشق میں اختر شماری کرتا ہوں گویا دادگر میں جو میری نگہات میں بیٹھے ہیں)

(۱۱) اے نظیری! شراب سے تو بہت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں۔ یہ انگور کا پانی (شراب) جونہی میرے حلق سے گزرتا ہے مجھے بے آبرو کر دیتا ہے۔ (بادہ۔ فضول۔ ہیچ شراب سے بے آبروئی کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں)۔

(ہو نہ کہیں یہ ترک دعا کے گلہ سے کم　　مجھ کو ہے اس کی تیغ ادا سے گلہ بہت)

غزل نمبر ۶۷

بحر رمل مثمن مخبون محذوف — ارکان:- فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

۱ دیدہ ام نیم نگاہے کہ بدیدن نرسد — صفِ آہوش بدنبالہ کشیدن نرسد
۲ سوئے وحشت زدگاں بس بسیاست نگرد — کارِ سنبل زنگاہش بطپیدن نرسد
۳ ہیچگہ ذوقِ کلامش برگِ جاں نخلد — کہ زرگ تا برگم شہد چشیدن نرسد
۴ طرّہ برباد فشاں عشوہ بگلزار فروش — در چمن سرو چمانش بخمیدن نرسد
۵ رامِ خاطر شود اما باشارت برمد — دستِ صیّاد بصیدش برسیدن نرسد
۶ بارخِ ہوش شکارش چہ کمین وچہ کمند — فکرِ نخچیر زشوقش برمیدن نرسد
۷ ندہد جلوۂ عارض کہ تماشائی را — کار از حیرت با دست بریدن نرسد
۸ کرد لختِ جگرِ شور گزک مستاں را — کہ بسیبِ ذقن آسیبِ گزیدن نرسد
۹ خضرِ توفیق با و راہ نمائش شد ورنہ — کس بسر چشمۂ حیواں بدویدن نرسد
۱۰ جذبِ اقبالِ عروجم بمقامے انداخت — کہ ببال و پرِ جبریل پریدن نرسد
۱۱ اگر از چاہ بایں جاہ برآید یوسفؑ — مالک از گرمیِ سودا بخریدن نرسد

ہوش از گوش شود محو نظیری ترسم
کوش کیں لذتِ دیدن بشنیدن نرسد

(۱) میں نے اس نیم نگاہ معشوق کو جو چشم نیم باز و مخمور کو دیکھا ہے جسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ (اسے دیکھنے کی کوئی شخص تاب نہیں لا سکتا، اور بہ نظر کی صفوں کی صفیں اس کا تعاقب نہیں کر سکتیں (دنبالہ کشیدن میں ابہام ہے۔ نیم نگاہ اور دیدن کی مناسبت سے سرمہ کا دنبالہ مراد ہونی چاہیئے۔ مگر درحقیقت یہاں تعاقب کرنا مراد ہے۔ مطلب یہ کہ ہرن تو وحشت میں معروف ہے ہی۔ اس کی نگاہ نیم باز یا وہ محو وحشت میں ہرن سے کہیں بڑھ کر ہے ؎

بہت دن میں تغافل نے تیرے پیدا کی وہ اک نگاہ جو طائر نگاہ سے کم ہے

(۲) وہ وحشت زدہ (عشاق) کی طرف اس قہر کی نظر سے دیکھتا ہے (سیاست) سزا۔ تادیب، کہ اس کی (قہر کی) نگاہ کے سبب سنبل کو تڑپنے کی فرصت بھی نہیں آتی (اس کی نگاہ قہر سے عاشق نیم جاں تڑپے بغیر ہی جان دے دیتا ہے)

(۳) اس کے کلام کا مزہ کبھی میری جان کی رگوں میں (اسے طرح سے) خوش نہیں کرتا کہ میری ایک ایک رگ میں شہد گھلنے

کا مزہ نہ آجاتا ہو۔ (کلام محبوب میں وہ لطف ہے کہ میری رگ رگ اس سے حلاوت اندوز ہو جاتی ہے)

(۴) وہ محبوب ایک سرو نازہ ہے۔ کہ جب محو خرام ہو زلفیں ہوا میں لہرا رہی ہوں اور اداؤں کی کثرت سے چمن زار کا عالم نظر آتا ہو تو بھلا باغ میں ہوا میں لہراتے ہوئے سرو کو اس کی رفتار سے کیا نسبت ہو سکتی ہے (قیاس چاہتا ہے سرو جہاں سے سرو مراد ہو جو ہوا میں جھوم رہا ہو۔)

(۵) وہ دل کے سامنے رام ہو جاتا ہے۔ مگر ایک اشارے سے وحشت کے سبب بھاگ جاتا ہے۔ اس لئے شکاری کا ہاتھ اس کے شکار کے لئے کوشش کے باوجود اس تک نہیں پہنچ سکتا (بریدن نرسد پہنچا سے نہیں پہنچتا۔ وہ کسی طرح رام نہیں ہو سکتا)

(۶) اس کے ہوش شکار رخسار کے ہوتے ہوئے کمین اور کمند کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کی محبت و عشق کے سبب سے شکار کا خیال بھاگ جانے کی طرف جاتا ہی نہیں۔ (ہوش شکار رخسار، حسن و جمال کے سبب دیکھنے والوں کے ہوش اڑا دینے والا۔ چہ کمین و چہ کمند: کمین اور کمند برابر ہیں۔ دونوں بے ضرورت ہیں۔ کہ اس کا رخ ہی شکار کرنے کو کافی ہے۔ لوگ اس کے عشق میں خود گرفتار ہونے کو تیار ہیں۔ پھر گرفتاری کے سامانوں کی کیا ضرورت؟ ؎

شرع و آئین پر مدار سہی ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی)

(۷) وہ کبھی اپنے رخسار کا جلوہ نہیں دکھاتا۔ جب اس جلوہ کو، دیکھنے والوں کا کام حیرت کے سبب ہاتھ کاٹ لینے تک نہ پہنچتا ہو جونہی وہ جلوہ عارض دکھلاتا ہے تماشائی حیرت سے اپنے ہاتھ کاٹ لیتے ہیں۔ جیسے زنان مصر نے جلوہ یوسفؑ دیکھ کر کاٹ لئے)

(۸) اس نے مستوں کے نمکین جگر کے ٹکڑوں کو ان کے لئے، گزک بنا دیا ہے۔ تاکہ اس کے سیب ذقن کو کاٹنے کی تکلیف نہ پہنچے (مست عشق اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ہی بطور گزک کھاتے ہیں! اس کی ٹھوڑی کو چومنے سے جو سیب جیسی ہے محروم رہتے ہیں۔ گزک: شراب کے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے جو چیز استعمال کی جائے۔ عشاق کو باشراب عشق پی چکے ہیں۔ اب انہیں گزک کے طور پر لخت جگر کھانے کو ملتا ہے)

(۹) حضرت خضر (کا کیا پوچھنے ہو کہ) توفیق خداوندی ان کی رہنما بن گئی۔ ورنہ کوئی شخص اپنی کوشش سے (روئے زمین) آبحیات کے چشمے پر نہیں پہنچ سکتا (راہ معرفت میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کوئی شخص کامیاب نہیں ہو سکتا۔ خضر کو بغیر اضافت کے پڑھنا چاہیئے۔ پہلا مصرعہ ایک نسخہ کے مطابق یوں بھی ہے۔ خضر توفیق باوراہ برم شد ورنہ الخ اس صورت میں خضر توفیق میں اضافت ہے اور معنی یہ ہونگے کہ توفیق خداوندی نے خضر بن کر میری معشوق کی طرف رہبری کی۔ وہ آبحیات کا چشمہ ہے کہ ہر شخص نہیں پہنچ سکتا۔)

(۱۰) اقبال مندی عروج کی کشش نے مجھے ایسے مرتبہ پر پہنچا دیا ہے کہ جہاں جبریلؑ کے بازوؤں اور پروں سے اڑ کر بھی نہیں پہنچ سکتے

(۱۱) اگر حضرت یوسفؑ کنوئیں سے اس شان اور حسن کے ساتھ نکلیں تو پھر ان کا آقا (جس نے انہیں خریدا تھا) خریداروں کے ہجوم کی وجہ سے (اسے) خرید ہی نہ سکے (اگر یوسفؑ ایسے حسین ہوتے تو ہر شخص ان کا خریدار بن جاتا اور ایک سے ایک بڑھ کر قیمت لگاتا)

(۱۲) نظیری! مجھے ڈر ہے کہ کہیں کانوں کے ہوش بھی نہ جاتے رہیں۔ اس لئے کوشش کر کہ یہ لذت دیدار کانوں تک نہ پہنچے (آنکھوں نے اس کے حسن کو دیکھا ہے اور وہ مدہوش ہو کر رہ گئی ہیں۔ اگر یہی حسن "صوت" بن جائے تو کانوں کی قوت سماعت بھی اسی میں محو ہو کر رہ جائے۔ شنیدن۔ مصدر بمعنی آلہ سماعت یعنی کان)

غزل نمبر ۶۸

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

عنانِ دل ز خورائی بفریادم نگہ دارد ۔ بنالم کاندراں دل نالۂ مظلوم رہ دارد

دلِ دیوانہ ام را کنج ویرانہ فتادہ است ۔ گدائے عشقبازی با جمالِ بادشہ دارد

چو گوید کفر مجذوبے باستغفار حاجت نیست ۔ کسے کز عشق گمرہ شد چہ پروائے گنہ دارد

مرا گر ہست کبر سے در دماغ از کبریائے اوست ۴ حباب از جوشِ دریا بادِ نخوت در کلہ دارد
تجلّی جمالے ہست در ہر جا کہ ذوقے ہست ۵ بیاباں شور اگر مے آورد یوسفؑ بچہ دارد
فقیرے را کہ شہا تکیہ گاہ از خشت آں در شد ۶ چناں خوابد کہ گوئی تکیہ بر خورشید و مہ دارد
حکایتہائے عہدِ دوستی را کردہ ام از بر ۷ چو ہندوئے کہ بعد از سوختن ہیزم نگہ دارد
ہماں بہتر کہ نکشائی سرِ راز دلِ مارا ۸ کہ حرفِ ہجر خونیں نامہ ما تہ بستہ دارد
بخاکِ پائے گلبن مینویسد شکوہ از غربت ۹ اگر بر شاخِ طوبےٰ بلبلے آرام گہ دارد

شبیخونِ غم از جا در نمے آرد نظیری را
ز اشک و آہِ شب سلطانِ ما خیل و سپہ دارد

(۱) (دوسرا مصرعہ پہلے) میں تو اس لئے نالہ کرتا ہوں کہ اس کے دل میں (مجھ) مظلوم کا نالہ اثر کرے، مگر وہ (محبوب) از راہ خود رائی اپنے دل کی عنان کو میری فریاد (کے سننے یا فریاد رسی) سے روکے رکھتا ہے میری فریاد کو نہیں سنتا اور نہ اس سے اپنی طبیعت کو متاثر ہونے دیتا ہے)

(۲) میرے دیوانے دل کا خزانہ ویرانے میں پڑا ہے (میرا دل قلاش ہے اس کی دولت اس کے پاس موجود نہیں ہے) گویا ایک فقیر ایک بادشاہ کے ساتھ عشق رکھتا ہے (محبوب بادشاہ ہے اور میرا دل گدا)

(۳) جب کوئی مجذوب کلمہ کفر کہدے تو اسے توبہ و استغفار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (کیونکہ وہ حالت جذب کی وجہ سے معذور ہے) اسی طرح جو شخص عشق کے سبب گمراہ ہو جائے اسے گناہ کی کیا پرواہ ہے (کہ وہ بھی جذبِ عشق کی وجہ سے معذور ہے)

(۴) اگر میرے دماغ میں کسی قسم کا کبر و غرور ہے تو وہ اسی کی (دی ہوئی) عظمت و بزرگی کی وجہ سے ہے۔ (دوسرا مصرعہ مثال کے طور پر) حباب کے سر میں نخوت کی ہوا دریا ہی کے جوش کے باعث (پیدا) ہوتی ہے۔

(۵) جہاں کہیں ذوقِ عشق ہوتا ہے وہیں اس کی تجلی حسن موجود ہوتی ہے۔ اگر بیابان شور (سر) میں آتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ ایک کنوئیں میں حضرت یوسفؑ (مظہر حسن) قید ہو گئے ہیں۔

(۶) وہ گدا کہ کئی راتوں تک اس (معشوق) کے دروازے کی اینٹ اس کی تکیہ گاہ رہی ہے (ایسے مزے میں سوتا ہے کہ) گویا وہ چاند اور سورج پر تکیہ لگائے ہوئے ہے (اس کے در کا گدا فقیری کو شاہی سے بڑھ کر سمجھتا ہے) تکیہ بر چیزے یا کسے داشتن۔ اعتماد اور بھروسہ کرنا)

(۷) میں نے عاشقی کے زمانے کی داستانوں کو ازبر کر رکھا ہے (اور میرا ایسا کرنا) اس ہندو کی مانند ہے، جو جل جانے کے بعد ایندھن کی نگہداشت کرتا ہے۔

(۸) یہی بہتر ہے کہ تو ہمارے دل کے راز کو کھولنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ ہمارا نامہ دل (خونیں ہجر کی داستان کو تہ در تہ لپیٹے ہوئے ہے (قصۂ عشق و فراق سنا نہیں جا سکتا۔ خونیں نامہ کی صفت بھی ہو سکتی ہے اور ہجر کی بھی یعنی خونیں ہجر کی داستان یا ہمارا نامہ خونیں)

(۹) (دوسرا مصرعہ پہلے) اگر کسی بلبل کو شاخ طوبیٰ پر بھی قرار گاہ مل جائے تو وہ پھر بھی درخت گل کی خاک پا کی طرف اپنی سفارشی کا شکوہ لکھ بھیجتی رہے گی (عاشق کو معشوق کا دروازہ چھوڑ کر کتنا ہی مرتبہ بلند مل جائے وہ اس کو پسند نہیں کرتا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وطن کو چھوڑ کر خواہ کس قدر آرام نصیب ہو مگر وطن نہیں بھولتا)

(۱۰) غم کے جملے نظیری کو ڈگمگا نہیں سکتے (از جا در آوردن:۔ پھسلا دینا۔ قائم نہ رہنے دینا) کیونکہ ہمارا یہ سلطان (نظیری) رات کی آہوں اور آنسوؤں کا لشکر اور فوج رکھتا ہے (غم عشق کے مقابلہ کے لئے اس کا اشک و آہ موجود ہے (مطلب یہ کہ عشق میں آہیں کھینچتا اور آنسو بہاتا ہے)

غزل نمبر ۶۹

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ ناوکِ غم جاں شگافد سینہ گر جوشن شود ، عشق مقناطیس گردد دل اگر آہن شود
۲ سینۂ پُر حسرتے دارم کہ از اندوہِ او تا بنزدیکِ لب آرم خندہ را شیون شود
۳ پیش شد سرگشتگی چندانکہ پایم پیش شد سر بتاریکی نہادم تا رہے روشن شود
۴ یک توجہ از تو درکار ست و صد عالم مراد غم ندارم گر اجابت با دعا دشمن شود
۵ شب ترنم ہائے غم بیدار دارد خلق را ہر کرا سوز د چراغے نالہ ام روغن شود
۶ من ہم از فریادِ خود آزردہ میگردم ولیک گر بہ بندم لب ز افغاں سینہ ام روزن شود
۷ بسکہ بیتو جامۂ جاں بر برِ من تنگ شد ، گر گریباں را بدوزم چاک از دامن شود

وصل اگر خواہی نظیری شوق را سرمایہ ساز
نورِ عشق است ایں چراغِ وادیٔ ایمن شود

(۱) غمِ عشق کا تیر خواہ سینہ زرہ بھی بن جائے۔ جان کو چیر ڈالتا ہے۔ اور دل اگرچہ لوہا (سخت) ہو جائے مگر عشق مقناطیس بن جاتا ہے اور اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے ؎

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے — غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا

(۲) میں ایسا حسرت بھرا سینہ رکھتا ہوں کہ اس (معشوق) کے غم میں ہنسی کو بھی لبوں کے نزدیک لاتا ہوں تو وہ بھی فریاد ماتم بن جاتی ہے۔ (حسرتیں اتنی ہیں کہ خوشی کا کوئی موقع مل ہی نہیں سکتا۔)

(۳) جس قدر میرے قدم آگے بڑھتے گئے اسی قدر میری سرگشتگی بڑھتی گئی۔ میں نے "تاریکی کا رخ اس لئے کیا تا وہ راستہ روشن ہو جائے۔ (مگر) ہمن ہے تاریکی کی طرف جاؤں تو راہ روشن ہو جائے کیونکہ تقدیر الٹی ہے ؎ مومن

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی — آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ

(۴) تیری ایک توجہ کی ضرورت ہے۔ کہ میری مراد کے سینکڑوں جہاں برآئیں گے۔ (تو۔ لزوم کے لئے ہے) اگر قبولیت میری دعا کی دشمن بن جائے تو مجھے کوئی غم نہیں ہے کیونکہ تیری ادنیٰ توجہ میری کاربرآریوں کی کفیل و ضامن ہے۔

(۵) میرے غم کے لئے رات کو لوگوں کو سونے نہیں دیتے گویا جس شخص کے گھر میں بھی چراغ روشن ہوتا ہے میرے نالے اس کے لئے روزن بن جاتے ہیں (چراغ میں روغن ہو تو وہ بجھ نہیں سکتا۔ اہل درد رات کو میرے نالے سنتے ہیں تو وہ تاثر کی وجہ سے سو نہیں سکتے۔ گویا ان کا چراغ بھی جلتا رہتا ہے ؎

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ — بس آج کی شب بھی سو چکے ہم)

(۶) میں بھی اپنی فریاد سے تنگ آجاتا ہوں۔ لیکن (کیا کروں کہ) اگر لب کو فریاد سے روکتا ہوں تو میرے سینہ میں روزن ہو جاتا ہے (درد و عشق کا ضبط طاقت انساں سے باہر ہے ؎

مرا درد ایست اندر دل اگر گویم زباں سوزد — وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد)

(۷) تیرے فراق میں میرے جسم پر جامۂ جان ایسا تنگ ہو گیا ہے کہ اگر میں گریبان کو پھاڑنے لگتا ہوں تو دامن پھٹ جاتا ہے (جان کو ایسے کپڑے سے استعارہ کیا ہے جو تنگ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا کپڑا اگر ایک طرف سے سیا جائیگا تو دوسری طرف سے پھٹ جائے گا۔ عشق میں گریبان و دامن کا پھاڑنا معلوم ہی ہے۔ مطلب یہ کہ تیری جدائی میں میری جان کا جسم میں رہنا مشکل ہے)

(۸) اے نظیری! اگر تو وصل چاہتا ہے تو شوق و طلب کو سرمایہ بنا۔ یہ نورِ عشق ہے (اور یہی بڑھ کر) وادیٔ ایمن کا چراغ بن جائیگا (عشقِ مجازی عشقِ حقیقی پر منتہی ہوگا)

غزل نمبر ۷

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۱ دلم از نالہ خوش گردید امید اثر باشد — بسے آسود شستم ایں خدنگم کارگر باشد

۲ اگر دزدیدہ دیدنہا نباشد بہرِ پاسِ دل — محبت از تغافلہائے بیجا در خطر باشد

۳ زہجراں روزِ ما را در غبارِ عالمے دارد — نباشد در شبِ ما روشنی گر صد سحر باشد

۴ نگویم جرمِ او ارگشت شرمِ غمزہ را نازم — کہ صد رہ مُردہ ام دیدو زحالم بیخبر باشد

۵ مکن دورم کہ بس دشوار باشد بال افشاندن — اسیرے را کہ گردے زیں حرم بر بال و پر باشد

۶ دلم تا خو بآسایش نگیرد، روز خوبے سندی — بخاطر شیوۂ آید کہ آں جا نسوز تر باشد

نظیری شاد ہم باشی کہ خدمتگارِ دیرینی
کدامیں قدر و قیمت بیشِ او خاکت بسر باشد

(۱) (اب کے مرتبہ میرا دل نالے سے خوش ہوا ہے اس لئے اثر کی امید ہے۔ میری چٹکی کو بہت آرام محسوس ہوا ہے میرا یہ تیر ضرور کارگر ہوگا (نشانے بیٹھے گا۔ شکاریوں کا خیال ہے کہ نشانے پر لگنے والے تیر سے چٹکی کو آرام محسوس ہوا کرتا ہے۔ شاعر نے نالہ کو تیر سے استعارہ کیا ہے)

(۲) اگر معشوق کی دزدیدہ نگاہیں بھی دل (عشاق) کی پاسداری کے لئے نہ ہوں تو پھر محبت (محبوب کے) بیجا تغافل کی وجہ سے معرضِ خطر میں ہوگی (وہ جو کبھی کبھی عشاق کو دزدیدہ نگاہی سے دیکھ لیتا ہے ان کے دل کو ڈھارس رہتی ہے کہ ہماری طرف سے بالکل ہی بے خبر نہیں ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو عاشق مایوس ہو کر عشق ترک کر دیں ؎

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا — لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں)

(۳) وہ (اپنے ہجر کے سبب سے ہمارے دن کو ایک جہانِ تاریکی میں ڈالے ہوئے ہے (اس کے ہجر کے باعث ہمارا دن بھی شبِ سیاہ کی مانند تاریک ہو رہا ہے) اب اگر سو صبحیں بھی آجائیں تو ہماری یہ شبِ (ہجر) روشن نہ ہو سکے گی۔

(۴) اگر اس نے مجھے مار ڈالا ہے تو میں اسے اس کا جرم نہیں قرار دیتا۔ بلکہ میں اس کے غمزے کی (اس) شرم پر فخر کرتا ہوں کہ اس (غمزے) نے مجھے بیشمار دفعہ مردہ دیکھا اور پھر بھی میرے حال سے بے خبر ہی رہا (شرمِ غمزہ:- گویا غمزے نے مجھے مار ڈالا اور شرم کے مارے خجالت سے کام لیا۔ گویا اسے خبر ہی نہیں کہ کس نے مارا ہے)

(۵) مجھے اپنی قربت سے دور مت کر کیونکہ اس قیدی پرندے کے لئے جس کے بازوؤں اور پروں پر اس چار دیواری کی گرد

پڑ چکی ہو اڑنا بہت مشکل ہے (جو تیرے عشق میں پھنس چکا ہے اس کا تیرے در کو چھوڑ کر چلا جانا ممکن نہیں۔ گویا وہ ایک قیدی پرندہ ہے جو اڑنا بھول چکا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے بال و پر اس دروازے کی مٹی سے لتھڑے ہوئے ہیں)۔

(۶) (اس خیال سے کہ کہیں، ایسا نہ ہو کہ میرا دل آرام و آسایش کا خوگر ہو جائے مسرت و شادمانی کے دن بھی اس (معشوق) کی طبیعت میں ایسی ایسی ادائیں آتی ہیں جو پہلے سے کہیں زیادہ جانسوز ہوتی ہیں (غین مسرت وصل کی گھڑیوں میں بھی ہجر و فراق کی یاد سے تڑپا دیتا ہے)۔

(۷) نظیری (فرض کیا کہ تو اس بات پر خوش بھی ہو لے کہ تو اس کا، پرانا خدمتگار ہے مگر تیرے سر پر خاک! یہ تو بتلا کہ اس کے نزدیک تیری کیا قدر و قیمت ہے؟ (صرف دیرینہ خدمتگاری قابلِ فخر و مسرت نہیں۔ بلکہ محبوب کے نزدیک کچھ قدر و قیمت ہو تو پھر واقعی قابلِ فخر امر ہے)۔

غزل نمبر ۱

بحر مضارع مثمن، اضرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاعِ لات مفاعیل فاع لُن

ہرگز بسیرِ گل دلِ محزوں نمیرود — یار از خیالِ غمزدہ بیروں نمیرود

عشق از جہاں بُریدن و از خود گذشتن ست — کارِ وفا ز پیش بافسوں نمیرود

مرداں بجا بعزم و توکل رسیدہ اند — یک دل رسیدہ نیست کہ در خوں نمیرود

از زخمِ عشق در بُنِ ہر سنگ کشتہ ایست — از خونِ ما کجاست کہ جیحوں نمیرود

لذّت بخواب بُردہ و شادی بغافلی — در ہر دلے کہ او بشبیخوں نمیرود

در حرفِ تلخ نوش لباں صد دقیقہ ایست — کوتاہ بیں ز لفظ بمضموں نمیرود

مرغانِ دشت را ز غمِ دل جراحتے ست — شب نیست کیں خروش بہاموں نمیرود

از بسکہ رد شد از درِ مقصود حاجتم — آہم ز انفعال بگردوں نمیرود

آنرا کہ گوشِ دل شنود نالہ بس ست — عاشق بدرسِ پیشِ فلاطوں نمیرود

راہ وفا ز تفرقۂ عشق بستہ شد — دیریست ناقہ بر سرِ مجنوں نمیرود

" بوئے نسیمِ فقرِ نظیری شنیدہ است
از رہ بتاج و تختِ فریدوں نمیرود

(۱) غمزدہ شخص کا دل ہرگز سیر و گل کو نہیں چاہتا۔ (حزین عشق کے خیال سے یا کسی وقت نکلتا ہی نہیں (عاشق کو معشوق کے سوا کوئی چیز پسند نہیں آتی اس کے لئے محبوب کا رخسار ہی گلزار ہے

(۲) غمِ فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو — مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا

دنیا سے کٹ کر الگ ہو جانا اور نوعی سے گزر جانا عشق ہے وفا کا کام کسی جادہ اور منزل سے انجام نہیں پا سکتا (عشق و وفا کا تقاضا یہ ہے کہ

ن چشمہ

ہ دنیا کے تعلقات سے بالکل انقطاع کر دیا جائے اور بے خودی کو تیز کر دیا جائے)

(۳) (راہِ عشق و معرفت کے) بہادر اپنے پختہ ارادے اور خدا پر بھروسہ کے سبب کسی مرتبہ پر پہنچ چکے ہیں۔ کوئی بھی دل ریدہ (عاشق) ایسا نہیں ہوگا جو خون میں لت پت نہ ہو رہا ہو۔ عشاق اور عرفا اپنے عزم و توکل کے سبب عشق و معرفت کی منزلیں برداشت کر کے ہی مراتب بلند پر فائز ہوتے ہیں

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن — خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(۴) ہر پتھر کے نیچے عشق کے زخموں کے سبب کوئی نہ کوئی کشتہ پڑا ہے ایسی جگہ کونسی ہے جہاں ہمارے خون کا دریا نہ بہا ہو (عشاق نے ہر مقام پر اپنی جانیں پیش کیں اور اپنا خون بہایا ہے)۔

(۵) (دوسرا مصرعہ پہلے) ہر وہ دل جس پر نہ تو معشوق یا عشق، خنجر نہیں مارتا، وہ نیند میں مزے لیتا ہے اور غفلت میں خوشیاں مناتا ہے (خواب غفلت میں وہی مبتلا ہو سکتا ہے جس کے دل میں عشق کے جذبات پیدا نہیں ہوئے۔ ورنہ عاشق کو نیند اور غفلت کہاں)

(۶) غیر (لبوں (معشوقوں) کی کڑوی باتوں میں سینکڑوں نکتے (مضمر) ہیں۔ مگر کوتاہ بین شخص لفظ سے مضمون تک نہیں پہنچتا وہ الفاظ کو ظاہری معنوں پر محمول کر کے ان کی حقیقت کی طرف سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ اور اس لئے ان نکتوں سے جو ان میں موجود ہیں بے خبر رہتا ہے۔ مفہوم یہ ہے محبوب کے انکار میں جو اقرار کا پہلو اور اقرار میں جو انکار کا رنگ ہوتا ہے۔ اس کے ادا شناس بہت تھوڑے ہیں۔ یہ مضمون اگرچہ پرانا ہے لیکن نہایت لطیف ہے نظیری کا پیرایہ دلکش ہے اس کے مقابلے پر شعر دیکھئے ؎

میرے اصرار میں نہاں تھی میری مایوسی — ترے اقرار میں ہے تیرا انکار پیدا ہے

خود تیرے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسہ بے لو — اور معشوقوں کی ہوتی ہے اجازت کیسی

(۷) جنگل کے پرندوں کو بھی غم دل (عشق) کا زخم لگ چکا ہے۔ اسی لئے کوئی رات ایسی نہیں گزرتی کہ یہ خروش عشق جنگل میں نہ اٹھتا ہو۔ (مرغان دشت کے خروش کو غم عشق کا نتیجہ قرار دیا ہے)

(۸) چونکہ میری حاجت (مقصود) سے رد ہو چکی ہے بلا کے دروازہ سے میری حاجت روائی کے لئے (مقصود ہے میں ناکام لوٹ چکا ہوں) اس لئے اب شرمندگی کی وجہ سے میری آہ آسمان پر نہیں جاتی ؎

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب — لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے)

(۹) جس شخص کے دل کے کان سننے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ اس کے لئے ایک نالہ ہی کافی ہے بلکہ وہ اس ایک نالہ سے عشق کے اسرار و رموز کو معلوم کر سکتا ہے۔ عاشق سبق پڑھنے کے لئے افلاطون کے پاس نہیں جایا کرتا (عاشق کا علم غم عشق ہے۔ جو دل سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ فلسفہ و حکمت کی مسایل) عشق اور عقل (شعری) دنیا میں ہمیشہ اسی کشمکش میں مبتلا رہے ہیں۔ عقل و خرد کی پاسبانیاں ایک طرف اور عشق غیور اور بیباک کی جانبازیاں دوسری طرف یہ کشمکش ازلی اور ابدی ہے اور اس کشمکش کا بہترین مفسر آج کل اقبال ہے ؎

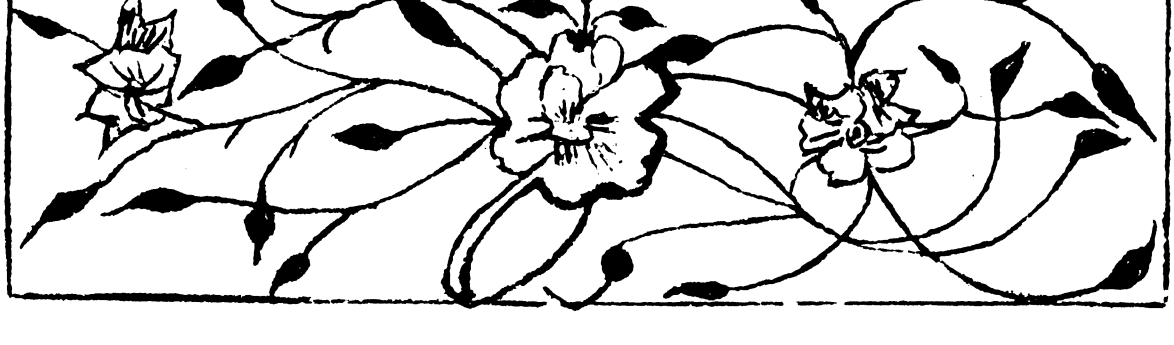
اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل — لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق — عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

(۱۰) عشق کے تفرقہ کے باعث وفا کا راستہ بند ہو چکا۔ عرصہ ہوا کہ ناقۂ لیلیٰ مجنوں کے پاس نہیں جاتا۔ (جمعیت عشق یہ ہے کہ عاشق عشق میں کھو کر معشوق کے سوا کل دنیا و مافیہا سے بے پروا اور بے خبر ہو جائے۔ تفرقہ اس کے برعکس جمعیت کا نتیجہ یہ تھا کہ معشوق خود عاشق کی تلاش میں بیتاب ہو کر اس کی تلاش کو نکلتا اور وفا کا نام زندہ کرتا۔ مگر اب چونکہ یہ کیفیت نہیں رہی اس لئے وہ حالت بھی قایم نہیں رہی۔ مختصر یہ کہ عشق صادق لوگوں میں نہیں رہا۔)

(۱۱) نظیری! فقر کی شبنم کی خوشبو سونگھ چکا ہے۔ اس لئے وہ اب فریدوں کے تاج و تخت (سلطنت) کیلئے بھی (اس راستے سے) ہٹ نہیں سکتا (نظیری فقر کو فریدوں کی سلطنت سے بڑھ کر جانتا ہے۔ یا مال مضمون ہے۔ اور سعدی کے اس مشہور شعر کی تفسیر ؎

اے دل اگر بدیدۂ تحقیق بنگری — درویشی اختیار کنی بر تونگری)



غزل نمبر ۲۷

بحر رمل مثمن مجنون محذوف مسکّن — ارکان: فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

ن زخم نمک سود

۱ سازم آں مے نمک آلود کہ بیغم باشد — افگنم مشک دراں حقہ کہ مرہم باشد
۲ ہست راحت الم کلبۂ احزاں بر من — غم ازاں خانہ کنم وام کہ ماتم باشد
۳ ہر شبم عشق بافسونِ نوے بند دخواب — کاگہے پیش شود بند چو محکم باشد
۴ شرحِ سودائے دلم را سر و ساماں مطلب — کار آنست کہ چوں زلفِ تو درہم باشد
۵ دعویِ ذرہ دروغ است کہ عاشق باید — کم بقا تر بر خورشید ز شبنم باشد
۶ ہر کسے از تو نشانے بگماں میگوید — کس ندیدیم کہ در بزم تو محرم باشد
۷ ہرگز از نخلِ پری کس ثمر انس نچید — تخمِ ایں مہر گیا در گلِ آدم باشد
۸ غیرِ اخلاص و محبت نبود شیوۂ ما — جور و بیداد براں غمزہ مسلّم باشد
۹ نکند بندۂ مجبور گناہے امّا — ادب آنست کہ در پیشِ تو ملزم باشد
۱۰ گر ملائک ز سرِ سدرہ بحاجت آیند — زلفت از کف ندہد گر ہمہ حاتم باشد

" از تنک حوصلگی ہائے نظیری در وصل
عشق حرمانِ ابد گر دہدش کم باشد

(۱) میں اس شرابِ عشق کو اس لئے نمک آلود بنا رہا ہوں۔ تاکہ وہ بے غم کی ہو جائے۔ (نمک ملانے یا اس کے استعمال سے شراب کا نشہ کم ہو جایا کرتا ہے۔ یہاں نمک سے مراد آنسو ہیں۔ آنسو بہانے سے غم کم ہو جایا کرتا ہے) اور میں اس ڈبیہ میں مشک ڈالتا ہوں۔ تاکہ وہ مرہم کا کام دے۔ (میں اپنی آہوں کو آسمان پر پہنچاتا ہوں۔ آہیں نکالنے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ گویا آہوں نے مرہم کا کام دیا۔ اگرچہ مشک زخم کے لئے مضر ہے مگر یہ وہی مفید ہے دوسرے معنی وہ شراب جو بے غم یعنی بے کیف ہوتی ہے۔ اس میں نمک ملا کر اس کو تیز کرتا ہوں اور مرہم میں مشک ملاتا ہوں تاکہ زخمِ جگر کی لذت میں شدت اضطراب کا اضافہ ہو۔

(۲) غموں کی جھونپڑی کا رنج و الم میرے لئے راحت کا موجب ہے۔ میں تو ایسے گھر سے غم کو بطور قرض لیا کرتا ہوں جس میں ماتم بپا ہو (ماتم کدہ سے بڑھ کر غم کہاں ہوگا۔ مطلب یہ کہ میں رنج و غم کو برداشت کر کر کے اس کا عادی ہو چکا ہوں۔ بلکہ مجھے اسی میں راحت محسوس ہوتی ہے)

(۳) عشق ہر رات نئے جادو سے میری خواب بندی کر دیتا ہے۔ کیونکہ جس قدر بند (خواب بندی کا مضبوط ہو گا اسی قدر بیداری زیادہ ہوگی (عشق کے سبب مجھے نیند نہیں آتی۔ گویا وہ نئے سے نئے جادو کے ذریعہ ہر شب میری خواب بندی

کر دیتا ہے۔ اس کی خواب بندی کا عمل گویا روزانہ دہرایا جاتا ہے۔ کہ کہیں اثر میں کمی نہ آجائے۔

(۴) میرے دل کے سودا (عشق) کی شرح کے لئے سر و سامان کی تلاش مت کر کہ حقیقت میں درست کام وہی ہے جو تیری زلفوں کی طرح پریشان و درہم ہو (عشق میں دل پریشان ہے اور یہ پریشانی ہی شایان عشق ہے)

عاشقی! عاشقی میں ناکامی ۔۔۔ یہ تیری داستان ہے پیارے

(۵) ذرہ کا دعوے جھوٹا ہے کیونکہ عاشق کو تو یہ چاہیئے کہ وہ آفتاب کے مقابلے میں شبنم کے قطرے سے بھی کم بقا ہو۔ ذرہ کا دعوے عشق خورشید غلط ہے۔ اگر وہ عاشق صادق ہوتا تو آفتاب کے سامنے اتنی دیر بھی باقی نہ رہتا جتنی دیر شبنم رہتی ہے۔ عاشق وہ ہے جو جمال معشوق کو دیکھتے ہی نقد جان اس کے حوالہ کر دے۔

(۶) ہر شخص تیرا انشان صرف گمان اور انکل کی بنا پر دیتا ہے۔ ہم نے ایسا کسی کو بھی نہیں دیکھا جو تیری محفل کا رازدان ہو (اس ذات سرمدی کے متعلق حقیقت سے آشنا کوئی بھی نہیں۔ سب لوگ اپنی اپنی سمجھ اور عقل کے متعلق قیاس آرائیاں کرتے ہیں ؎

حرم جویاں درے رامے پرستند ۔۔۔ فقیہاں دفترے رامے پرستند

برافگن پردہ تا معلوم گردد ۔۔۔ کہ یاران دیگرے را مے پرستند

(۷) کسی شخص نے بھی کبھی پری کے درخت کے محبت دانس کا پھل نہ چنا۔ بلکہ یہ مہر گیا کا بیج صرف انسان ہی کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے۔ پری کو تخیل قرار دیا ہے اور اسی کی مناسبت سے ثمر کا لفظ لایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غم عشق صرف انسان کا خاصہ ہے۔

(۸) ہمارا شیوہ اخلاص و محبت کے سوا کچھ نہیں۔ اور ظلم و ستم اس غمزہ کے لئے مسلم ہے (عاشق کا شیوہ اخلاص و محبت اور معشوق کا طریقہ غمزوں سے ظلم و ستم کرنا ہے۔

(۹) بندہ مجبور تو کوئی گناہ نہیں کرتا۔ لیکن ادب یہی ہے کہ وہ تیرے سامنے ملزم قرار دیا جائے (بندہ مجبور ہے۔ کوئی کام وہ اپنے اختیار سے نہیں کرتا۔ اس کے گناہ بھی اس کی مجبوری کا نتیجہ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ سب کچھ تیرے ہی حکم سے کرتا ہے مگر یہ کہنا کہ تو اس سے گناہ کرواتا ہے۔ گستاخی ہے، اس لئے اسی کو ملزم کہنا چاہیئے مسئلہ جبر و اختیار وہ گرہ ہے کہ سلجھنے سے اور الجھتی ہے اور جو اس مسئلہ پر دنیائے شعر میں کہا گیا ہے خود ایک گرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ لفظوں کے الٹ پھیر، ذہنی قلابازیاں اصل حقیقت سے گریز بھی کچھ ہے۔ نہیں تو جواب اس سوال کا نہیں ہے۔

فانی میرے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی! ۔۔۔ سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

(۱۰) اگر سدرۃ المنتہیٰ کی چوٹی پر سو فرشتے بھی مانگنے کے لئے آئیں۔ تو خواہ حاتم (جیسا سخی) ہی کیوں نہ ہو تیری زلف کو ہاتھ سے نہیں دے سکتا (عاشق سب کچھ دے سکتا ہے مگر تیری زلف کو کسی صورت میں بھی ہاتھ سے نہیں دے سکتا)

(۱۱) نظیری کی کم حوصلگی کی وجہ سے اگر عشق اسے عین وصل میں ہمیشہ کی محرومی دلا دے تو وہ بھی تھوڑی ہے (نظیری بہت تنگ حوصلہ نکلا کہ وصل میں اپنے اوپر ضبط قائم نہ رکھ سکا۔ اگر اس بنا پر اسے بطور سزا ہمیشہ کے لئے محروم وصل کر دیا جائے تو پھر بھی یہ اس کے لئے کافی سزا نہیں ہے۔)

غزل نمبر ۳

بحر ہزج مثمن سالم ۔۔۔ ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۱ کسے کو تشنۂ وصل تست با کوثر نمے سازد ۔۔۔ بآب خضر اگر عاشق رسد لب تر نمے سازد

۲ کلہ بخشی و سر بازی شراب عشق مے آرد ۔۔۔ سرے کیں نشاء گرمش ساخت با افسر نمے سازد

۳ بشیدائی مزن طعنم کہ ہست از آب و خاک دل ۔۔۔ کہ طفلش غیر حرف عاشقی از بر نمے سازد

۴ عجب گر آسماں ساماں تواند داد کارم را ۔۔۔ چو طالع از کسے برگشت با اختر نمے سازد

۵ کدامیں شعلہ روشن میکند مشب چراغم را ۔۔۔ کہ مورے را نمے بینم کہ بال و پر نمے سازد

اگر بیگانہ گر محرم دلش میسوزد از دردم ۶ کسے سوئم نمے بیند کہ چشمے تر نمے سازد
ز روز وصل در رشکم ز شام ہجر در افغاں ۷ دلے دیوانہ دارم کہ با دلبر نمے سازد
رہِ غیرت خطرناکست پہنایش تماشا کن ۸ دراں وادی کہ عشق از دست باتن سر نمیسازد
برائے امتحان دارد چہ مانی را چہ آذر را ۹ اگر خود میشود بتگر ز خود بہتر نمے سازد
ہماں عشقست بر خود چیدہ چندیں داستاں ورنہ ۱۰ کسے بر معنیٔ یک حرف صد دفتر نمے سازد

ندانم حالِ شہائے نظیری ایں قدر دانم
کہ جز بالیں نمے گرداند و بستر نمے سازد

(۱) وصل کا پیاسا کوثر پر قناعت نہیں کرسکتا۔ عاشق اگر آبحیات (کے کنارے) کے پاس بھی پہنچ جائے تو وہ لبوں کو تر نہیں کرتا (عاشق کو تیرے دیدار کی ضرورت ہے۔ وہ کوثر اور آبحیات کا پیاسا نہیں ہے) ؎

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر ۔۔۔ نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے

(۲) شرابِ عشق کلاہ بخشی اور سربازی (کا وصف) پیدا کردیتی ہے (جو شخص عشق کی شراب پی لیتا ہے یعنی عاشق ہوجاتا ہے وہ پھر سر اور سر کی زینت کے سامانوں کی پروا نہیں کرتا) جس سر کو نشہ (شراب عشق کا) گرما دیتا ہے وہ تاج کے ساتھ وفا نہیں کرسکتا (وہ تاج کو اتار پھینکتا ہے۔ عاشق محبوب کے لئے سلطنت و حکومت کو بھی لات مار دیتا ہے)

(۳) مجھے عشق و عاشقی کا لعنۃ نہ دے کہ میرا دل ایسی آب و خاک (فطرت سے) وجود میں آیا ہے کہ جہاں کے بیخ عاشقی کے سبق کے سوا اور کچھ یاد ہی نہیں کرتے (عشق دل کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے اس لئے میں عشق ورزی کے لئے معذور ہوں۔ گویا دل کا خمیر عشق ہی کی سرزمین کی مٹی سے اٹھایا گیا ہے) ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما ۔۔۔ اے طبیب جملہ علتہائے ما

(۴) اگر آسمان میرے کام کو سرانجام دے سکے تو تعجب ہوگا کیونکہ جب کسی شخص کی قسمت ہی اس سے پھر گئی ہو تو وہ پھر ستارہ کو کیا کرے۔ (طالع واژگوں کا ستارہ گردش میں ہوتا ہے اس کا اپنے مقصد میں کامیاب ہونا ناممکن نہیں)

(۵) وہ کونسا شعلہ ہے جو آج رات میرے چراغ کدۂ دشت بخش رہا ہے (میں کس کے عشق میں جل رہا ہوں؟ تخیل) کہ کوئی چیونٹی بھی ایسی نظر نہیں آتی جو بال و پر نہ نکال رہی ہو (میری روشنی عشق سے چیونٹیاں بھی پروانوں کی طرح آمادۂ جانبازی نظر آتی ہیں) مطلب یہ کہ میرے عشق نے ہوا و ہوس کو بھی عشقبازی بنا دیا ہے۔ مضمون اچھا ہے۔ ہنگامۂ عاشقی نے وہ بازار گرم کیا ہے کہ ذرات موجودات کے دل میں بھی شوق و ذوق کے جلوے تڑپ رہے ہیں۔

(۶) خواہ کوئی بیگانہ ہو خواہ میرا محرم راز ہو ہر ایک کا دل میرے درد پر جلتا ہے کوئی شخص ایسا نہیں جو میری طرف دیکھتا ہو۔ اور اس کی آنکھیں تر نہ ہوجاتی ہوں (غم عشق نے مجھے اس قدر زبوں حال بنا رکھا ہے۔ کہ کوئی شخص سوائے بغیر میری حالت کو دیکھ کر

(۷) میں روز وصل کے سبب رشک میں ہوں اور شام فراق کے باعث فریاد میں میرا دل ایسا دیوانہ ہے کہ محبوب کے ساتھ نہ تو خواہ مخواہ کا وصل ہو اور خواہ اس کا ہجر، کسی طرح نباہ نہیں کرتا (نہایت نفیس مضمون ہے۔ غالب نے اسے بہت صاف کیا ہے ؎

تنگیٔ دل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے ۔۔۔ کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

؎ دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را ۔۔۔ بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

(۸) غیرت عشق کا راستہ نہایت خطرناک ہے اس کی وسعت ملاحظہ ہو کہ جس وادی میں اس کا محبوب کا عشق موجود ہوتا ہے وہاں سر تن سے موافقت نہیں کرسکتا (عشق میں غیرت ہوتی ہے۔ عاشق عشق میں سر تک دے دیتا ہے۔ شاعر اس کو غیرت عشق پر محمول کرتا ہے۔ کہ سر گویا یہ نہیں گوارا کرتا کہ تن بھی عشق میں اس کا شریک کار ہو)

(۹) بیشک وہ آذر مانی کے لئے یا آذر کو بلا لے بلکہ اگر وہ خود بھی بت گر بن جائے تو اپنے سے بہتر (تصویر یا بت) نہیں بنا سکتا (معشوق اپنے حسن میں کامل ہے اس سے بہتر صورت نہ کوئی آذر سے بڑا مصور اور نہ کوئی قابل سے قابل بت تراش ہی بنا سکتا ہے)

بلکہ خود محبوب بھی اگر بت گر بن کر اپنے سے بہتر بت بنانا چاہے تو ممکن نہیں یہ شعر نعتیہ مضمون کا حامل بھی ہو سکتا ہے۔ مسئلہ امتناع نظیر اس سے بہتر پیرائے میں شاید ادا نہ ہو سکے۔ اس سے پہلے نعت میں ایک کلاسیکی شعر چلا آتا ہے ؎

بصورت تو بتے کم ترا آفریدِ خدا ۔۔۔ ترا کشیدہ دو دست از قلم کشید خدا

(۱۰) جو کچھ عشق کے متعلق کہا گیا اور لکھا گیا ہے وہ خود عشق کی ہی ہنگامہ آرائی ہے۔ ورنہ انسان کی کیا مجال تھی کہ ایک لفظ عشق کی شرح میں دفتر کے دفتر لکھ ڈالتا۔ مطلب یہ ہوا کہ اس داستان میں فطرتاً وسعت اور انتشار کی طاقت موجود ہے کہ بے اختیار پھیلتی ہی چلی جاتی ہے۔ ؏

عشق میگوید بہم از لذت دے

(۱۱) یہ تو معلوم نہیں کہ رات نظیری پر کیسے گزرتی ہے۔ ہاں یہ خبر ہے کہ بستر نہیں بچھاتا۔ البتہ اضطراب میں پہلو بدلتا ہے تو تکیہ ساتھ بدل لیتا ہے۔

غزل نمبر ۴

بحر محبت دمثمن مخبون محذوف ۔۔۔ ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

۱ بیا کہ بیتو غم از خاطرم بدر نرود ۔۔۔ وداع از دل و ہجرانم از نظر نرود

۲ دراں بساط کہ من خوانِ عشرت آرایم ۔۔۔ مگس ز تلخیِ من جانبِ شکر نرود

۳ زشہرِ خویش مرا شہرۂ تو دور انداخت ۔۔۔ باختیار کسے جانبِ سفر نرود

۴ چہ میشود چو کریماں رہ غریب زنند ۔۔۔ رہِ دیار بہ بندند تا خبر نرود

۵ بطبعِ شوق تو نازیم و آں پذیرائیش ۔۔۔ کہ گر سخن رود از خاطرت اثر نرود

۶ دلِ نزار و تنِ بردبار خواہد عشق ۔۔۔ کہ از نسیم بجوشش آید و بسر نرود

۷ چو خونِ مُردہ سیاہ رو سے باد در تہ پوست ۔۔۔ دلے کہ بر سرِ پیکاں و نیشتر نرود

۸ دلم بیادِ تو دریا نمود چشم و ہنوز ۔۔۔ مئے خیالِ تو در ظرفِ مختصر نرود

۹ برآستانہ رہے مے نما نظیری را
کہ قدرِ مجلسِ خاصاں بایں قدر نرود

(۱) آجا کہ تیرے بغیر میرے دل سے غم نہیں جا سکتا، تیرے وداع ہونے کا منظر میرے دل سے اور تیری جدائی کا نقشہ میری نظر سے کسی طرح دور نہیں ہوتا۔

(۲) جس مقام پر میں عشرت کا دسترخوان بچھاتا ہوں وہاں کبھی میری تلخی (تلخ عیشی) کو چھوڑ کر شکر کی طرف نہیں جاتی (مکھی شیرینی کو پسند کرتی ہے) مگر میری تلخی عشق میں شکر سے بڑھ کر لذت ہے۔ ہوس پرست اگر عشق کی تلخیوں سے خبردار ہوں تو ہوس چھوڑ کر عشق اختیار کر لیں۔

(۳) تیری شہرت نے مجھے اپنے شہر سے دور نکال پھینکا ورنہ کوئی شخص اپنی مرضی سے تو سفر پر نہیں جاتا (شہرۂ تو۔ تیرے عشق میں جو مجھے شہرت ہوئی وہ دور دراز علاقوں تک پھیل گئی۔ حالانکہ میں اسے پسند نہ کرتا تھا۔ تو گویا میں اپنی مرضی کے خلاف سفر

کرنے پر مجبور ہوا ہوں۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تیری شہرت حسن سن کر میں ترک وطن کر کے تیرے پاس آ گیا)۔

(۴) اگر سخی تو گنج ہی مسافروں کو تو ننا شروع کر دیں اور دوسرے ملکوں کے راستے بند کر دیں۔ تاکہ ان کی خبر تک نہ جا سکے تو پھر کیا نتیجہ ہو۔ اگر رابرہی۔ اہزنی پر اتر آئیں تو پھر خدا ہی حافظ ہے)

(۵) میں تیری شوخ طبیعت اور اس کی اس پذیرائی (اثر قبول کرنے کا مادہ) پر نازاں ہوں کہ تیرے دل سے اگرچہ میری بات اتر جائے مگر اس کا اثر نہیں جاتا۔ اگرچہ تو میری گذارشات کو بھلا دیتا ہے مگر ان کا کچھ نہ کچھ اثر تیرے دل میں باقی رہتا ہے۔ میں اتنے پر بھی پھولا نہیں سماتا ؎

کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا ۔۔۔ پرسش ہے اور برائے سخن درمیاں نہیں

(۶) عشق کا تقاضا یہ ہے کہ دل نہایت نیاز یعنی لطیف اور رقیق ہو یہ حرکت نسیم سے مضطرب ہو جائے۔ لیکن جسم مصائب کا خوگر ہو کہ اضطراب قلب پر ضبط کر سکے۔ اور منہ کے بل نہ گر پڑے۔

آنکھ کو حسرتِ دیدار کی دولت بخشی ۔۔۔ عشق نے آگ کو مٹی میں سمونا چاہا

(۷) (دوسرا مصرعہ پہلے) وہ دل جو تیر و نشتر کی نوک پر نہ چلے (عشق کی سختیوں کو برداشت نہ کرے) خدا کرے وہ مردے کے خون کی طرح کھال کے نیچے سیاہ رہتا رہے (وہ دل جو عشق کی لذت سے آشنا ہو وہ دل کہلانے کا مستحق نہیں)۔

(۸) میرے دل نے تیرے خیال میں آنکھوں کو دریا بنا دیا (آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہا دیے) اور پھر بھی تیرے خیال کی تراب محقر سے ظرف میں نہیں سما سکتی (دل کا ظرف اتنا فراخ ہے کہ اس نے اپنے لہو کو آنسو بنا کر آنکھوں کے ذریعہ دریا بہا دیئے ہیں۔ مگر اس کے باوجود اس کا ظرف اتنا وسیع نہیں ہے کہ اس میں تیرا خیال اور تصور پوری طرح سما سکے)۔

(۹) نظیری کو اپنی چوکھٹ دکھا دے (اجازت دے کہ وہ تیری چوکھٹ پر بیٹھ جائے) کیونکہ خواصوں کی مجلس کی شان میں اتنی سی بات سے کمی نہیں آ جائے گی (میں حقیر ہوں اور تیری مجلس میں عوام کو بار نہیں مل سکتا۔ مجھے آستان پر ہی جگہ دے دے۔ کہ اس سے مجلس کی قدر میں کمی نہ ہو گی)۔

غزل نمبر ۵

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف الآخر ۔۔۔ ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلان

آمد سحر کہ دیر و حرم رفت و رو کنند ۔۔۔ تا بازم از نصیب چہ خوں در سبو کنند

ناقابلِ نشاط و شکر خند نیستیم ۔۔۔ تا شہدِ خوشگوار کرا در گلو کنند

آنانکہ تنگ ظرفیِ ما را شنیدہ اند ۔۔۔ مے بہر آزمایشِ ما در سبو کنند

آلودگی ز گریہ زدا ماں نمی رود ۔۔۔ دلق مرا بشعلہ مگر شست و شو کنند

تصدیع کم کنند گل و بادہ تا بکے ۔۔۔ در کارِ بیدماغیِ ما آبرو کنند

کو زخمِ عاشقانہ کہ در جلوہ گاہِ حسن ۔۔۔ صد چاکِ دل بتارِ نگاہے رفو کنند

تو کارِ دل بغمزۂ معشوق وا گذار ۔۔۔ بے طاقتی مکن کہ نکو یاں نکو کنند

حقِ عطائے عشق نسازند ہیچ ادا ۔۔۔ گر خلق عمر در سرِ ایں گفتگو کنند

دیگر ز آبِ دیدہ نظیری بخون نشست
چنداں نماند دل کہ غم و غصہ رو کنند!

(۱) (پھر صبح نکل آئی ہے کہ لوگ دیر و حرم کو صاف و پاک رکھنے کے لئے جھاڑو بہارو سے) کوڑا ڈالیں۔ دیکھیں قسمت سے میرے سبو میں پھر کون ساخون ڈالتے ہیں (صبح ہوتے ہی مندر و مسجد کو لوگ صاف کرنے لگتے ہیں۔ لیکن میری قسمت میں نہیں معلوم کیا تازہ مصیبت آنے والی ہے)

(۲) ہم تو مسرت اور شکر خند کے قابل نہیں ہیں (ہماری قسمت میں نشاط و مسرت کہاں) دیکھیں کہ خونگوار شہد کس کے حق میں ٹپکاتے ہیں (کون خوش نصیب دیدار معشوق یا لذائذ و حظائظ دنیوی سے شاد کام ہوتا ہے)

(۳) وہ جنہوں نے ہماری تنگ ظرفی کے متعلق کوئی بات سن رکھی ہے۔ (وہ آئیں اور) ہماری آزمائش کے لئے شراب سبو میں ڈالیں (ہماری تنگ ظرفی کی داستانیں غلط ہیں۔ آزما کر دیکھ لو۔ کہ مشکوں کے مشکے چڑھا جائیں۔ مے بہ ساغر نہیں بلکہ مے سبو کند کہہ کر اپنی وسعت ظرف کو ظاہر کیا ہے)

(۴) دامن کی آلودگی صرف رونے سے نہیں جا سکتی (رونے سے گناہ صاف ہو جاتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ اگرچہ لوگوں کے گناہ گریہ سے دھل جاتے ہیں۔ مگر میرے گناہ ایسے سنگین ہیں کہ میرا دامن آب گریہ سے نہیں پاک ہو سکتا) اس لئے میری گدڑی کو تو شاید آگ ہی سے پاک صاف کریں۔ (چونکہ کپڑا پانی سے پاک نہ ہو تو اسے جلا دیا کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مجھے شاید آتش دوزخ میں جلنا پڑے)

(۵) شراب و گلاب و رو و مسر کو کم کریں۔ (مجھے زیادہ زحمت نہ دیں) کیونکہ آخر کب تک وہ ہماری بے وفائی کے کام میں لاتے رہیں گے۔ (یعنی کب تک دکھوتے رہیں گے)

(۶) کہاں ہے کوئی عاشق نہ زخم! کیونکہ حسن کی جلوہ گاہ میں دل کے سینکڑوں چاک نگاہ کی ایک تار سے رفو کر ڈالتے ہیں (محبوب کی ایک نگاہ عاشق کے تمام غموں کو بھلا دیتی ہے۔ جامۂ دریدہ اور زخم کو ٹانکا لگا دیا کرتے ہیں۔ گویا معشوق کی نگاہ بھی دھاگا ہے۔ جس سے زخم دل سیا جا سکتا ہے ؎ دل شکستہ دران کوئے میکنند درست ✣ چنانکہ رازخود نشناسی کہ از کجا بشکست

(۷) تو اپنے دل کے کام کو معشوق کے غمزے کے حوالے کر دے (بے تابی ہی اظہار) نہ کر کہ جو لچھے ہیں (محبوب) وہ اچھا ہی کریں گے (معشوق تمہارے دل سے مناسب سلوک کریں گے۔ نکتہ یاں۔ معشوق

(۸) (دوسرا مصرعہ پہلے) اگر لوگ تمام عمر اسی گفتگو میں صرف کریں۔ تو پھر بھی عشق کی بخششوں کے حق میں سے کچھ بھی ادا نہیں کر سکیں گے (عشق انسان کو کیا کچھ بخش دیتا ہے۔ اس کی فہرست طویل ہے اور انسان ان میں سے ایک کی حق بھی ادا نہیں کر سکتا)۔

(۹) نظیری پھر آنکھوں کے پانی (آنسوؤں) کے سبب خون میں بیٹھا ہوا (خون ہو رہا ہے) اب (میرا) دل اتنا (اس قدر) بھی نہیں رہا۔ کہ غم و غصہ اس کی طرف رخ کر سکیں۔ (دل بالکل خون ہو کر رہ چکا ہے۔ غم و غصہ کہاں سما سکتے ہیں)

غزل نمبر ۶۷

بحر ہزج ثمن اضرب مکفوف محذوف۔ آلاخر — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

۱ عیشم خوش از آں شعلۂ افروختہ باشد — ثقل دل ریشم جگر سوختہ باشد

۲ از محنت انبستم آنکس شود آگاہ — کز تیغ جفا چاک دلے دوختہ باشد

۳ در عرصۂ گلزار کند نالہ زنگی — مرغے کہ بکنج قفس آموختہ باشد

۴ نیکوئی ما در رہ بازار خریدند — عیبش نمتا عیست کہ بفروختہ باشد

۵ محتاجی ما باعث آسائش ماشد — غارت نخورد ہر کہ نیندوختہ باشد

۶ گرمی مفروشید کہ در مجلس مانیست — شمعے کہ نہ از سوز خود افروختہ باشد

از صدق نفس چند زنی لاف نظیری
مشک ست ہمہ سرب اگر سوختہ باشد

(۱) میرا عیش تو کچھ اس بھڑکتے ہوئے شعلہ (استعارہ ہے جگر سوختہ کے لئے) ہی سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ میرا زخمی دل میرے جگر سوختہ کو نقل بناتا ہے (لخت جگر سوختہ عشق میں کھاتا ہوں)

(۲) میری خاموشی (لب بستن) کی مشقت سے وہی شخص آگاہ ہو سکتا ہے جس نے کبھی جفا کی تلوار سے چاک دل (کروا کر پھر) سیا ہو (تلوار سے زخم کھانا اور پھر اس زخم کو ٹانکے لگوانا جس قدر تکلیف دہ اور درد انگیز ہے عشق کے درد کو خاموشی سے آہ کئے بغیر برداشت کرنا بھی اتنی ہی ناقابل برداشت ہے۔)

(۳) (دوسرا مصرعہ پہلے) وہ پرندہ جسے کنج قفس میں پڑھایا گیا ہو۔ وہ وسعت گلزار میں تنگی کے سبب نالہ و فریاد کرنے لگتا ہے۔ (جن حالات میں کوئی شخص پرورش پاتا ہے وہ انہیں مخصوص اور محدود حالات میں خوش رہتا ہے۔ ورنہ وہ گھبرانے لگتا ہے یہی حال عاشق کا ہے کہ وہ محبوب کے عشق کے محدود دائرہ ہی میں بند رہنا چاہتا ہے۔ اور اس سے باہر کی کائنات سے اسے وحشت ہوتی ہے۔)

(۴) ہماری نیکی اور خوبی کو تو لوگوں نے بازار میں خرید لیا۔ مگر اس کا عیب ایسا سامان نہیں ہے جو بک سکے (ہماری سی خوبیاں لوگوں نے اپنے میں پیدا کر لیں عیب:۔ اس کا عیب۔ بے وفائی، یا عادت جور و ستم وغیرہ۔ ہمارے سوا اس کے عیب کا کوئی خریدار نہیں)

(۵) ہماری محتاجی ہماری آسائش کا سبب بن گئی کیونکہ جس شخص نے کچھ جمع نہ کیا ہو وہ لٹتا نہیں۔ ہمارے پاس جب کچھ نہیں ہے تو لٹنے کا خوف کیسا؟) ع

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

(۶) (ہمارے سامنے گرمی کا اظہار نہ کرو (ہمارے سامنے اپنی گرمی عشق کے متعلق دعویٰ مت کرو، کیونکہ ہماری مجلس میں کوئی ایک شمع بھی ایسی نہیں جو اپنے ہی سوز دروں سے نہ بھڑک اٹھی ہو (ہماری مجلس میں سب لوگ آتش عشق سے جل رہے ہیں) ؎

میں اپنی آگ میں خود جل رہا ہوں دیر ہے ہمدم — نہیں کرتا طواف آتش بیگانہ برسوں سے

(۷) اے نظیری! تو اپنے کلام کے خلوص کے متعلق کب تک لافیں مارتا رہے گا۔ اگر مشک جل جائے تو پھر وہ محض سُرب (سیسہ) ہے۔ (تیرا صدق نفس مشک سے مشابہ ہے لیکن تیری لاف زنی نے اسے بیکار کر دیا ہے۔ جیسے مشک جل جانے سے بیکار ہو کر رہ جاتا ہے)

غزل نمبر ۷

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور — ارکان: مفعول۔ فاع لات۔ مفاعیل فاعلان

۱ زاں خُم کہ زاہداں بقدح آب جو کنند — شوریدگانِ صومعہ مے در سبو کنند

۲ یا بندِ جملہ مُہرِ سلیمان و جامِ جم — گر خاکِ راہِ میکدہ را شست و شو کنند

۳ در خشت و سنگِ میکدہ دیدم معائنہ — ذوقے کہ سالکاں بخیال آرزو کنند

۴ از خود گذشتہ دامنِ پرہیز تر نکرد — در چشمۂ کہ خضر و سلیماںؑ وضو کنند

۵ ظرفے بہم رساں کہ مبادا بسر روی — منصور را کمندِ بلا در گلو کنند

۶ خونتابہ زخم فاش کند ورنہ عاشقاں — تارِ جگر کشند و گریباں رفو کنند

باکاہلاں گذار نظیری شراب را
شاید گلے زگلشن ایں دشت بو کنند

(۱) جس خُم سے زاہد لوگ اپنے پیالے میں آب جوڈالتے ہیں اسی سے شوریدگانِ صومعہ (اہل تصوف) اپنے سبُو میں شراب انڈیل لیتے ہیں (دو بی عبادت جس سے زاہدانِ خشک کوکی فتح نہیں پاتے اسی سے اہل دل مستی عرفان حاصل کر لیتے ہیں)

(۲) (دوسرا مصرعہ پہلے) اگر شراب خانے کے راستے کی گرد کو صاف کریں (میکدہ کے راستے کی جاروب کشی کریں یعنی سالکانِ کامل کی خدمت بجا لائیں) تو سب کو سلیمانؑ کی انگوٹھی اور جام جم مل جائے۔ دل پاک اور طبع صابر میسر ہو جائے)۔

(۳) (دوسرا مصرعہ پہلے) جس ذوق کی سالک خیال ہی خیال میں آرزو کرتے ہیں۔ (اور وہ انہیں حاصل نہیں ہوتا) میں نے اُسے اپنی آنکھوں سے (معائنہ) میکدے کے پیر اور اینٹ میں دیکھا ہے (وہ ذوق معرفت جسے سالک تلاش کرتے پھرتے ہیں عرفان کے میکدے میں موجود ہے۔ میکدہ ارباب تصوف کی اصطلاح میں اس مقام کا نام ہے جہاں مشائخ جمع ہوں)

(۴) (دوسرا مصرعہ پہلے) جس چشمے پر خضر اور سکندر وضو کرتے ہیں۔ (یعنی حیثیۃ آبحیات) وہ شخص جو خودی کو ترک کر چکا ہو۔ وہ اپنے دامن پر ہیچ گاہ بھی کو اُس سے تر نہیں کرتا۔ (جو ذات احدیت کے عشق و معرفت میں سرشار ہے۔ وہ آبحیات فقر کی (جسمانی زندگی حاصل کرنا گناہ خیال کرتا ہے)

(۵) پہلے ظرف بہم پہنچائے (حوصلہ پیدا کرے) ایسا نہ ہو۔ کہ تیر اسر جاتا رہے۔ (دیکھے کہ کم ظرفی کی وجہ سے) منصور کے گلے میں مصیبت کی پھندا ڈال لیتے ہیں۔ (منصور کم ظرفی سے انا الحق کہہ اٹھا۔ اور پھانسی کا پھندا اُس کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ تو ایسا تیر کہ ظرف نہ ہو جیو)

(۶) یہ خونفشاں زخم کو ظاہر کر دیتا ہے۔ ورنہ عاشق لوگ (کبھی زخم کو ظاہر ہونے نہیں دیتے بلکہ) جگر سے تار (دھاگا سلائی کے لئے) کھینچ کر گریبان کو رفو کر لیا کرتے ہیں۔ (عاشق ضبطِ عشق کرتے ہیں۔ مگر اُن کا خون آلود آنسو بے اختیار ٹپک کر افشائے راز کر دیتے ہیں۔ جیسے کوئی زخمی اپنے زخم کو چھپائے ہوئے۔ مگر زخم سے مواد خون پیپ وغیرہ بہہ کر اُس کے زخم کو ظاہر کر دے)

(۷) اے نظیری شراب کو کاہل لوگوں کے پاس رکھ دے۔ شاید وہ (اسی طرح) اس جنگل کے باغ کے کسی پھول کی خوشبو سونگھ لیں۔ (کاہل۔ جو عشق و معرفت کی راہ کی تلاش میں کبھی نہیں نکلتے۔ شاید شراب انہیں مستیِ معرفت و عشق کی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کیفیت سے آشنا کر سکے)

غزل نمبر ۷

بحر رمل ثمن مخبون مشعث مقصور — ارکان:- فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

۱ شب فغاں را بدرِ خلوتِ ما بارے بود — نالہ برچید اگر دردلش آزارے بود

۲ شورش دعربدہ در شبِ آں زلف نداشت — بختِ من بود اگر فتنہ بیدارے بود

۳ خویشتن را بدمِ سحر بدومے بستم — ہر سرِ موئے مرا بامژہ وقد کارے بود

۴ نہ غمِ مدعیاں بود نہ آشوبِ ندیم — گلِ بیخار مگو گلشنِ بیخارے بود

۵ مصرِ ویرانِ دلم را ز بس آمد شداد — یوسفے بر سرِ ہر کوچہ و بازارے بود

۶ بر دلِ خستۂ من بود نگاہش ہر چند — ہر طرف جاں بکف استادہ خریدارے بود

حسن و حیرت بہم افشائے غرض میکردند، نہ غمِ پرسش و نے زحمتِ گفتار بود
در وصالش بنظیری نفسے باقی بود
دیدمش بر سرِ آں کوئے عجب خوار بود

(۱) رات فریاد و فغاں کو ہماری خلوت کے دروازے پر آنے کی اجازت تھی (ہم خلوت میں فریاد و فغاں کرتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ) اس کے دل میں کوئی آزار تھا تو اسے (ہمارے نالوں نے دور کر دیا اگر محبوب کے دل میں ہماری طرف سے کوئی رنج تھا تو وہ ہمارے نالے سن کر جاتا رہا)

(۲) اس کی زلف کی سیاہی (شب) میں کوئی شورش اور لڑائی نہ تھی۔ بلکہ اگر کوئی فتنہ بیدار تھا تو وہ میرا اپنا ہی بخت تھا (میری محرومی و بدنصیبی کی وجہ اس کی زلفیں نہیں۔ بلکہ اپنا بختِ نارسا۔ بخت کو فتنۂ بیدار کہنا ہے بخت خفتہ کو بیدار کہنا نہایت لطیف استعارہ ہے)

(۳) میں اپنے آپ کو جادو کے زور سے اس معشوق سے باندھ رہا تھا۔ اور میرے ایک ایک بال کو اس کے رخسار اور قد کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا (میرے بال بال میں اس کے رخسار و قامت کا عشق سرایت کئے ہوئے ہے۔ گویا میں جادو کے زور سے اس کے ساتھ بندھا ہوا ہوں)

(۴) عشق اختیار کرنے سے پہلے، نہ مجھے رقیبوں (مدعی۔ رقیب۔ جھوٹے دعوے داران عشق) کا غم تھا اور نہ ندیم کی پریشانی صرف بغیر کانٹوں کا ایک۔ پھول تھا بلکہ یوں کہو کہ بغیر کانٹوں کا ایک باغ تھا (انسان عشق ورزی سے یا تخلیق آدم سے پہلے بالکل فرشتے ہی تھا۔ کسی قسم کی پریشانی اور غم نہ رکھتا تھا۔ یہ حالت ایسی تھی جیسے ایک باغ ہو جس میں کانٹوں کا نام تک نہ ہو حالانکہ ایک پھول بھی بغیر کانٹے کے نہیں ہوتا)

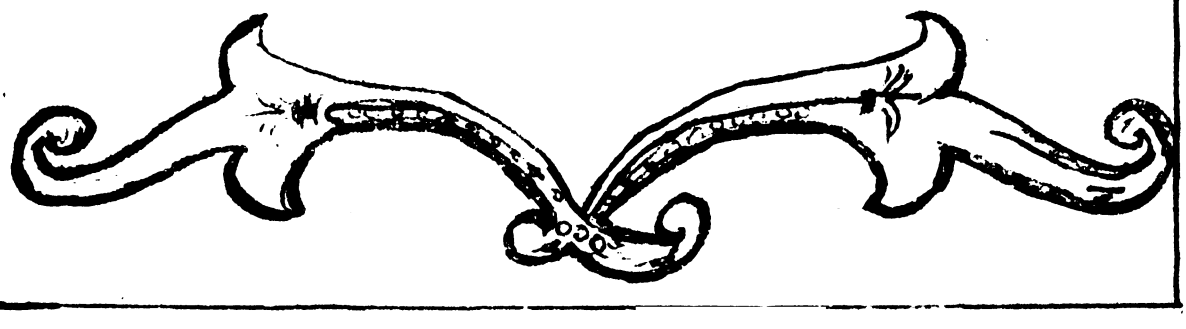
(۵) میرے دل کے دیوان خانہ میں اس کی کثرت آمد و رفت کے سبب ہر کوچہ و بازار کے سر پر ایک یوسف موجود تھا۔ (خیال محبوب کے دل میں آنے کو اس کی آمد و رفت قرار دیا ہے۔ اور چونکہ وہ ہر وقت اور ہر آن عاشق کے دل میں آتا ہے۔ اس لئے یہ اس کی کثرت آمد و شد ہونے کو مصور کر رہا ہے۔ جسے عشق نے برباد کر رکھا ہے۔ کہ معشوق کے سوا کسی کی کاوہاں گزری نہیں ہوتا مگر کثرت تصور سے محبوب دل کے گوشے گوشے میں سرایت کر چکا ہے۔ اس لئے گویا دل کے ہر گلی کوچے کے سر پر ایک ایک یوسف موجود ہے)

(۶) اگر وہ ہر طرف کوئی نہ کوئی خریدار جان کو ہتھیلی پر رکھے کھڑا تھا۔ (معشوق کو جان دے کر خریدنے کو تیار اور تقریباً جان تک اس پر نثار کرنے کو حاضر تھے) مگر اس کی نگاہیں میرے خستہ دل پر (جمی ہوئی) تھیں۔ (وہ میرے دل کے ہاتھوں بکنا چاہتا تھا میرا خلوص دل سب سے بڑھ کر تھا)

(۷) (معشوق کا حسن اور (عاشق کی) حیرت آپس میں اپنی اپنی غرض کا اظہار کر رہے تھے۔ (مگر ایسی طرح کہ نہ حسن کی بازپرس کا غم تھا اور نہ (حیرت کو) بولنے کی تکلیف۔ معشوق کے روبرو حسن کے سامنے ہمہ تن حیرت بنا کھڑا ہے زبان سے دونوں میں سے کوئی بھی کچھ نہیں کہتا۔ مگر آنکھوں ہی آنکھوں سب کچھ کہہ دیتے ہیں۔ کسی کا کیا اچھا شعر ہے:۔ ؎

من از حیرت تواں نکیس نہ ایمائے نہ تقریرے — چناں ماندہ کہ ہم زانو است تصویرے بتصویرے)

(۸) (اس محبوب کے وصال میں نظیری میں صرف ایک سانس باقی تھا (اسید وصال میں آخری سانس لے رہا تھا) میں نے اسے دیکھا۔ کہ وہ اس کوچے میں عجب ذلت کی حالت میں تھا۔ (پہلے مصرعہ کا دوسرا لفظ در ہیں مراد ف کہ در قرب نظیری میرے مجھے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یعنی باوجودیکہ نظیری قرب پایو کی بڑی لافیں مارا کرتا تھا۔ مگر درحقیقت اس کوچے میں اس کی کوئی قدر نہ تھی۔ بلکہ بیحد خوار تھا)



غزل نمبر ۹۷

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ میروم جائیکہ غم آنجا زدلہا میرود — نالہ از ہر جا کہ مے خیزد بآنجا میرود

۲ وقتِ جاں دادن بدنبالِ اجل مینیم چنانکہ — گویا صد یوسف از پیش زلیخا میرود

۳ تحفۂ رضواں اگر بر کف ندارم دور نیست — تا بمرگ از طفلِ ایماں بہ یغما میرود

۴ شاید از دُردی بمجنا جاں فروشد میفروش — ہر کرا یک درہم است آنجا بسودا میرود

۵ من نخواہم رفت اما بہر تسکینِ دلش — ہر کجا بینند گویندش کہ فردا میرود

۶ بر من اندوہے ہجوم آوردہ از ہجرانِ او — کز درش تا میروم دل در تہِ پا میرود

۷ میروم نوعے ز کوئے او کہ پنداری بخشم — صد قسم پیش و پس از بہرِ تقاضا میرود

۸ گر ز لوحِ چہرۂ لیلیٰ ہمی آرد سبق — خاطرِ شوریدۂ مجنوں بصحرا میرود

۹ شہر و صحرا را نظیری سوخت از آہِ وداع
میرود نوعیکہ پنداری ز دنیا میرود

(۱) میں ایسی جگہ جاتا ہوں جہاں دلوں سے غم نکل جایا کرتا ہے (اور وہ وہ جگہ ہے کہ) نالہ خواہ کہیں سے اٹھے وہیں پہنچتا ہے (کوچۂ محبوب میں جا رہا ہوں کہ بیشمار عشاق اس کے عشق میں آہ و فغاں کرتے ہیں۔ اور وہ ان نالوں کو سنتا ہے)

(۲) جان دینے کے وقت میں موت کے پیچھے اس طرح دیکھتا ہوں گویا زلیخا کے سامنے سے سینکڑوں یوسف جا رہے ہیں (جان بہت ہی عزیز ہے معشوق سے بڑھ کر پیاری ہے۔ ایک جان ایسی ہے گویا زلیخا سے صد یوسف جدا ہو رہے ہوں)

(۳) اگر میرے ہاتھ میں رضواں (داروغۂ بہشت) کا تحفہ (نورِ ایمان) نہیں ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ بچپن سے لے کر موت تک میرا ایمان غارت ہوتا رہا ہے ؎

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومنؔ — آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

(۴) (اس امید پر کہ) شاید فروش (شراب) بیچنے والے مجھ سے کچھ حصہ محتاجوں کے پاس بیچ دے۔ جس کسی کے پاس ایک درہم بھی موجود ہے وہ خریدنے کے لئے وہاں (فروش کے ہاں) پہنچ جاتا ہے (ہر شخص اپنی بساط کے موافق معرفت کا طالب ہے۔ آگے قسمت سے کسی کو شراب صاف اور کسی کو درد دل جاتی ہے)

(۵) میں (اس کا دروازہ چھوڑ کر) نہیں جاؤں گا۔ مگر اس کے دل کے اطمینان کیلئے (جہاں کہیں اسے دیکھو۔ کہہ دو۔ کہ وہ (نظیری) کل چلا جائیگا (معشوق تقاضا کرتا ہے۔ کہ میں چلا جاؤں۔ گو میں جانے کا نہیں لیکن ایسا نہ ہو۔ کہ وہ عدم تعمیل حکم کی بنا پر برافروختہ ہو جائے اس لئے جہاں کہیں محبوب ملے اسے یہ کہہ کر کل چلا جائے گا ٹھنڈا کر دیا کرو۔)

(۶) اس کے فراق میں مجھ پر غم و اندوہ اس قدر ہجوم کر آتے ہیں کہ جب میں اس کے دروازے سے جاتا ہوں۔ تو دل پاؤں کے نیچے مسلا جاتا ہے۔ (ہجوم غم و الم میں دل مسلا جاتا ہے)

(۷) میں اس کے کوچے سے اس طرح نکلتا ہوں کہ گویا سینکڑوں آدمی ہر سے آگے پیچھے غصہ سے تقاضا کرتے جا رہے ہیں (نہایت مجبوری کی حالت میں نکلتا ہوں۔ گویا سینکڑوں آدمی غیظ و غضب کی حالت میں مجھے وہاں سے نکلنے پر مجبور کر رہے ہوں)

(۸) اگر مجنوں کا شوریدۂ عشق دل لیلےٰ کے چہرے سے سبق پڑھتا ہے تو (اس کا نتیجہ یہ بھی تو ہوتا ہے کہ) وہ صحرا کی طرف نکل جاتا ہے (وحشتِ عشق میں دیوانہ ہو کر آبادی کو چھوڑ کر جنگل کو چلا جاتا ہے۔ یعنی آرد کی جگہ نمی آرد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ مجنوں کا شوریدہ دل جب رخِ لیلےٰ کو دیکھتا ہے۔ اس کے دیدار اور محبت میں محو رہتا ہے اگر وہ سبق عشق کو ترک کر دے تو دیوانہ ہو کر جنگل کو نکل جائے)

(۹) نظیری نے محبوب سے رخصت ہونے کے وقت کی آہ سے شہر اور آبادی کو جلا ڈالا۔ (محبوب سے جدا ہوتے وقت نہایت دردناک آہ کھینچی ہو تو اس طرح رخصت ہو رہا ہے۔ گویا دنیا ہی سے جا رہا ہے۔ (محبوب سے جدائی اس پر ایسی شاق گزر رہی ہے جیسے گویا اس کی جان جا رہی ہے)

غزل نمبر ۸۰

بحر محبت ثمن مجنون محذوف — ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

بکُش بسوز کہ نامِ اماں نخواہم بُرد ۱ — دعا بدرد سرِ آسماں نخواہم بُرد

مکن ملاحظہ از کشتنم کہ روزِ جزا ۲ — ز رشک نامِ ترا بر زباں نخواہم برد

ز دل طپیدن آغازِ عشق میگفتم ۳ — کزیں معاملہ غیر از زیاں نخواہم برد

ز اضطرابِ دلم روزِ وصل معلوم ست ۴ — کہ از بلائے شبِ ہجر جاں نخواہم برد

بس ست چند کنی از فراق بے رحمی ۵ — دگر بخویش تحمل گماں نخواہم برد

اگر ز دامنِ یوسف کنند بالینم ۶ — سرے کہ وقفِ تو شد ز آستاں نخواہم برد

بایں ملال کہ من میروم بسوئے چمن ، — چہ جائے غنچہ کہ برگِ خزاں نخواہم برد

نظیری ایں چہ بلندی و تیز پروازیست
زشوق رہ بسوئے آشیاں نخواہم برد

(۱) (بیشک مجھے مار ڈال اور بے رحمی، جلا دے میں امان کا نام بھی نہ لوں گا۔ اور آسمان کے درد سر کے لئے دعا نہیں کروں گا (فریاد و فغاں کو آسمان پر پہنچا کر اسے زحمت نہ دوں گا۔ کہ میرے آزار عشق میں کمی ہو یعنی عشق میں انتہائی آلام و مصائب برداشت کرنے کو تیار ہوں)

(۲) مجھے قتل کرنے میں تامل نہ کر۔ کہ محشر کے دن رشک کے سبب میں تیرا نام بھی زبان پر نہیں لاؤں گا۔ (روز جزا کی پرسش سے گھبرا کر میرے کرنے میں تامل نہ ہو۔ کہیں شکایت آدمی ایک طرف رشک سے تیرا نام تک نہ لوں گا۔ امیر خسرو کہتے ہیں، ؎

چو روز حشر پرسند کہ خسرو را چہ اکشتی — چہ خواہی گفت قربانت شوم نامش نمی گیرم
اپنی گلی میں دفن نہ کر مجھ کو بعد قتل — میرے پتہ سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

(۳) آغاز عشق ہی کی دل کی تڑپ کو دیکھ کر میں کہا کرتا تھا۔ کہ اس معاملہ سے میں نقصان کے سوا کچھ حاصل نہ کروں گا۔ (عشق کا آغاز ہی جب دل کی جلن۔ بے قراری وغیرہ سے ہے تو انجام کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے)

(۴) میری روز وصل کی بے قراری اور بے چینی سے صاف ظاہر ہے۔ کہ میں شب ہجر کی مصیبت سے جان سلامت نہ لے جا سکوں گا۔ (جب عین وصل میں بیتابی کا یہ عالم ہے۔ تو ہجر میں کیسے زندہ بچ سکوں گا)

(۵) ۔ اے فراق! بہت ہو چکی۔ کب تک بے رحمی کیے جائیگا۔ میں کان پکڑتا ہوں کہ میں پھر کبھی اپنے متعلق تحمل کی آسان نہیں کروں گا۔ میرا خیال تھا کہ میں عشق میں ہر قسم کی مصیبتوں کو مردانہ وار برداشت کر لوں گا مگر تجربہ محبوب کے عذاب نے میرے اس زعم کو باطل کر دیا ہے۔ اور میں اس کی برداشت کی تاب نہیں لا سکتا)

(۶) خواہ یوسف کے دامن کو میرا تکیہ بنا دیں مگر جو سر تیرے لیے وقف ہو چکا ہے۔ اُسے تیرے آستانے سے نہیں اُٹھاؤں گا۔ میں سر کو تیرے آستانِ محبت پر رکھ چکا ہوں۔ وہ اب کسی دوسرے کے سامنے نہیں جھک سکتا

اٹھی آتی ہے بوجائش سے اُس کی لفِ نشیں کی ہماری دید کو خوابِ زمینی جا بستر ہے)

(۷) جس رنج و ملال کی حالت میں چمن کی طرف جا رہا ہوں۔ اُس میں غنچہ کا تو کیا ذکر ہے بہزاں کے موسم کے بیتے تک بھی نہ پاسکوں گا۔ مسرت و انبساط کو بہار چمن اور گل سے اور رنج و غم کو خزاں سے استعارہ کیا کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے بیحد ملول ہوں۔ اس حال میں اگر باغ جاؤں تو باغ کو خزاں لئے ہوئے سے بھی ابتر حالت میں پاؤں گا۔ رنجیدہ و غمگین انسان کو سامان شادی بھی ناگوار گزرتا ہے)

(۸) اے نظیری! یہ کس قدر بلندی اور تیز پروازی ہے۔ اس شوق بلند پروازی سے میں آشیان کا راستہ نہ پاسکوں گا۔ (مضامین کی تلاش میں بہت بلند اُڑ رہا ہوں مگر خطرہ یہ ہے۔ کہ اتنے بلند مضامین کو ادا کیسے کر سکوں گا۔ یہ نظیری کا خاص مضمون ہے کہ باوجود فلسفہ پر وازی کے رسمیاتِ شعر کی پابندی قائم رہے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مراۃ الشعرا نے اس مسئلہ پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور اس شعر کو اپنی دلائل کی آخری کڑی قرار دیا ہے بیت۔ بزم خاص است و نکتہ بدستور بیار یعنی دور طلب کن سخنِ دور بیار

غزل نمبر ۱۸

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ حسن چندے سر بدل شوخی و خود رائی دہد — شہ چو گیرد مملکت اول بغمائی دہد

۲ دیدۂ عاشق نیابد ذوق از دیدارِ دوست — گریۂ اول ترک دید نہائے ہرجائی دہد

۳ لذتِ دشنامش از من پرس آبِ تلخ و شور — ذوقِ کوثر در مذاقِ مردِ صحرائی دہد

۴ گرد و از جان دادنم معلوم شوقِ روئے دوست — زاں نمے میرم کہ ترسم مرگ رسوائی دہد

۵ در بیابانہائے گنجم اگر طغیانِ شوق — بند بکشاید چو سیلم سر بشیدائی دہد

۶ گریۂ ما تلخ و طبعِ ملیز باں رنجش پذیر — صوتِ مطرب بادش بگزار گیرائی دہد

۷ شکوہ کمتر کن نظیری گر کسے یاری نکرد
رختِ ما سوزد چہ نقصانِ تماشائی دہد

(۱) حسن کچھ عرصے تک رعنائی اور دل شوخی کو کھلی اجازت دے دیتا ہے۔ (سر داون سے کھلا چھوڑ دینا۔ اجازت دے دینا کہ بادشاہ جب کسی ملک پر قبضہ کرتا ہے۔ تو پہلے لوٹنے کے لئے لوٹنے والوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ (ابتدا میں معشوق شوخی و رعنائی سے زیادہ کام لیتا ہے گویا حسن بادشاہ ہے۔ اور شوخی و رعنائی اُس کی فوج کے سابقہ لشکر ہیں)

(۲) (دوسرا مصرعہ پہلے) اگر عاشق کی آنکھ پہلے ہرجائی نظر بازی کو ترک نہ کر دے۔ تو وہ دیدارِ دوست سے کوئی ذوق نہیں پا سکتی (عشق کا لطف جبھی حاصل ہوگا۔ کہ عاشق ہر حسین صورت کو دیکھنا چھوڑ دے اور صرف حسن محبوب پر ہی قناعت کر لے)

(۳) اُس کی گالیوں کا مزہ مجھ سے پوچھ۔ کہ صحرائی آدمی کو تلخ اور کڑوا پانی کوثر کا سا لطف دیتا ہے (صحرائی لوگ پانی نہ ملنے کی وجہ سے شور اور تلخ پانی کو بھی غنیمت جانتے ہیں۔ اسی طرح مجھے معشوق کی گالیاں لذت دیتی ہیں۔)

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

(۴) میرے جان دینے سے روئے دوست سے میرا عشق تو ظاہر ہو جائیگا۔ مگر میں اس لئے نہیں مرتا۔ کہ مجھے خوف ہے۔ کہ میری موت (اُس کی) رسوائی کا باعث ہوگی۔ (اُس کے عشق میں جان دینے میں مجھے تامل نہیں۔ میں جان دے دوں۔ تو بیشک یہ تو معلوم ہو جائیگا کہ میں اُس کے عشق میں صادق ہوں۔ مگر مصیبت یہ ہے۔ کہ اس سے وہ رسوا ہو جائیگا۔ ایک تو اپنی سنگدلی کی وجہ سے دوسرے افشائے راز عشق کی وجہ سے)

(۵) اگر عشق کی طغیانی سیلاب کی طرح میرے بند کھول دے۔ اور مجھے عشق ورزی کے لئے کھلا چھوڑ دے۔ تو میں (اس قدر پھیل جاؤں کہ) بیابانوں میں بھی سماؤں۔ (عشق پھیلنے پہ آئے۔ تو زمین و آسمان کی وسعتیں اُس کے لئے تنگ ہیں)

(۶) ہمارا (گریہ تلخ ہے اور میزبان (محبوب) کی طبیعت نمکین گریہ سے) ناراض ہو جانے والی ہے۔ اس لئے اس کے دل کے پاس تو مطرب کی آواز (نغمہ) کو رہنے دو۔ کہ وہ اُسے سکون دے۔ (ہمارا گریہ تلخ نہیں بلکہ مطرب کی صدائے نغمہ محبوب کی طبیعت کی رنجش پذیری کو مائل بہ سکون کر سکتی ہے)

(۷) اے نظیری! اگر کسی نے (تیری) مدد نہیں کی۔ تو گلہ نہ کر۔ کیونکہ اگر ہمارا ساماں جل رہا ہے۔ تو اس سے تماشائیوں کا کیا نقصان ہے۔ (اگر سوزشِ عشق میں تمہاری کسی نے دستگیری نہیں کی۔ تو شکوہ فضول ہے۔ کیونکہ جس کا نقصان ہوتا ہے۔ یا جس کو تکلیف پہنچتی ہے اُسی کو احساس ہوتا ہے۔ دیکھنے والے تو صرف تماشائی ہوتے ہیں۔)

غزل نمبر ۸۲

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولان

گل آمد و لعلم ز دلِ سنگ برآورد ۱ — اشکم ز تماشائے چمن رنگ برآورد

میخواست ز مرغانِ چمن شور برآید ۲ — یک نغمہ مغنی بصد آہنگ برآورد

عشق آمد و در شہرِ خود آئینِ خرد دید ۳ — تا شہر بتاراج رود جنگ برآورد

مطرب ز بزم خرقہ سالوس بدر کرد ۴ — گردِ ہمہ شہرم بدف و چنگ برآورد

شب نیست کہ از شادیِ بسیار نگریم ۵ — غم خوردن کم حوصلہ را ننگ برآورد

یکبار بعیب و ہنرِ خویش ندیدم ۶ — در جیب و بغل آئینہ ام زنگ برآورد

در راہِ وفائے تو نہ طولیست نہ عرضے ۷ — شوخیِ تو فرسنگ بفرسنگ برآورد

ایں خوں شدہ دل بسکہ خرابست نظیری
۸ در پیش تو نتوانمش از ننگ برآورد

(۱) وہ پھول (جیسا محبوب) آیا۔ اور میرے پتھر کے (جیسے سخت) دل سے لعل (سرخ آنسو) نکال لایا۔ (میں حسینوں کو دیکھتا تھا اور اپنے دل کو متاثر نہ ہونے دیتا تھا گویا میرا دل پتھر تھا۔ کہ حسن سے اثر پذیر نہ ہوتا۔ مگر جس کو اب دل دیا ہے اس کی صورت دیکھتے ہی بے قابو ہو گیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے) اور تماشائے چمن سے (یعنی دیدارِ محبوب سے جو چمن زارِ حسن ہے) میرے آنسوؤں نے رنگینی حاصل کر لی (آنسو خون آلود ہونے کے سبب سرخ پھولوں سے مشابہ ہیں۔)

(۳) مطرب یہ چاہتا تھا۔ کہ مرغانِ چمن میں اس کے نغمہ کو سن کر شور و ولولہ پیدا ہو جائے۔ اس لئے وہ ایک ایک نغمہ کو کئی کئی

پہلوؤں سے گانے لگا۔

(۳) عشق آیا اور اس نے اپنے شہر دل میں عقل کے طور طریقے اور رسم و رواج دیکھے۔ اس نے لڑائی شروع کر دی۔ تاکہ شہر کو ویران کر دے (دل عقل کا مالک تھا۔ مگر عشق اور عقل ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے عشق نے آتے ہی دل کے آئین خرد و ہوشمندی کو زیر و زبر کر ڈالا۔ در شہر خود میں لطف یہ ہے کہ گویا دل درحقیقت عشق کی ملکیت ہے۔ اگر عقل و خرد بھی اس پر کبھی قابض ہو جائیں تو ان کا قبضہ عارضی اور غاصبانہ ہے۔ دیکھئے اقبال کی مشہور نظم رومی کے متعلق جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے ؎

مے نشود دم نفسے بہ ناخن فکر عقدہ ہائے حکیم الہانی — آنکہ مثل خیال او گیتی بجل، آمد تنگ دامانی

اور یوں ختم ہوتی ہے:- بجراغ آفتاب مے پوئی — بہ عمر و راہ عشق مے پوئی)

(۴) مطرب نے میرے تن پر سے مکر و ریا کا لباس اتار ڈالا۔ اور دف اور جنگ کے ساتھ مجھے تمام شہر کے گرد گھمایا۔ (عشق و معرفت میں ریاکاری نہیں رہتی۔ دف و چنگ برآورد۔ اعلان کر دیا گیا۔ کہ اس نے خرقہ سالوس اتار پھینکا ہے۔ یا یہ کہ خرقہ سالوس کے سبب مجھے ذلیل کرنے کے لئے تمام شہر کے گرد پھرایا۔ کہ لوگ ایسے خرقہ پوشوں سے اجتناب کریں)

(۵) کوئی رات ایسی نہیں گزرتی۔ جس میں کسی ایک خوشی کے سبب سے مکثرت نہیں رہتا۔ دشادی۔ کوئی ایک خوشی یا کسی جدت یا تفکر۔ شادی بیاہ۔ مرکب تو صیفی بھی ہو سکتا ہے۔ وفور مسرت۔ وفور مسرت سے بھی آنکھوں میں آنسو آجایا کرتے ہیں کہ حوصلہ کے لئے غم برداشت آنا باعث ننگ ہے)

(۶) میں نے کبھی اپنے عیب و ہنر پر غور نہ کیا۔ گویا میرے آئینہ (عقل) کو جیب و بغل میں پڑے پڑے زنگ لگ گیا ہے (میں نے کبھی محاسبہ نفس نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب مجھے عیب و ہنر میں فرق نہیں نظر آتا گویا میری قوت تمیز بیکار ہو گئی ہے جس طرح آئینہ کو اگر بیکار پڑا رہنے دیا جائے تو کچھ عرصے کے بعد وہ زنگ آلود ہو جائیگا)۔

(۷) تیری وفا کے راستے کا نہ طول ہے نہ عرض (معشوق کے ساتھ عاشق کی وفاداری کسی خاص منزل پر پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ یہ منزل غیر مختتم ہے مگر اس خیال سے کہ عاشق گھبرا نہ جائے، تیری شوخی اسے ایک ایک فرسنگ کر کے لئے جاتی ہے (ایک منزل طے کر چکنے پر تیری شوخی کہتی ہے کہ راہ وفا بس ایک فرسنگ اور ہے۔ جب عاشق وہ بھی طے کر لیتا ہے تو پھر وہ ایک فرسنگ باقی بتایا جاتا ہے۔ علی ہذا القیاس)

(۸) اے نظیری! یہ خون شدہ دل چونکہ ویران اور برباد ہو رہا ہے اس لئے میں اسے شرم کی وجہ سے تیرے سامنے پیش نہیں کر سکتا (میرا دل برباد تیرے لائق نہیں ہے)

غزل نمبر ۸۳

بحر رمل مثمن مخبون محذوف مسکن — ارکان:- فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

۱ نالہ را نیست اثر گر نوشکایت دارد — ورنہ ما گرمِ دعائیم و سرایت دارد

۲ مردہ را زندہ نماید دمِ ما بوالعجباں — آتش از گرمیٔ ما چشمِ حمایت دارد

۳ ذوقِ ہر مرغ باندازۂ پروازِ خود ست — عشقبازی نبود ہر چہ نہایت دارد

۴ عملِ صالح و طالح بجوے نستانند — ہر کجا کار تعلق بعنایت دارد

۵ کس چہ داند بہمہ مایہ بنابود رود — جنسِ نایاب خریدم کہ کفایت دارد

۶ دفترِ نالۂ ما را نکشایند زہم — مہر در دست برو تا چہ حکایت دارد

ن ندہ

کفر و ایماں نبود شرط نظیری در عشق
بتو کافر بنمایم کہ ولایت دارد

(۱) نالہ اس لئے بے اثر ہے کہ دو تیسرا شکوہ رکھتا ہے ورنہ ہم مصروف دعا ہیں اور وہ تاثیر رکھتی ہے نالہ کی نارسائی کی وجہ معشوق کا تغافل نہیں بلکہ اس میں محبوب کا شکوہ شامل ہے۔ اس لئے غیر مؤخر ہے۔

(۲) ہم ایسے بوالعجب ہیں کہ ہمارا سانس مردے کو زندہ کر دیتا ہے اور آگ ہماری گرمی (عشق) سے حمایت کی امید رکھتی ہے (عشق تو مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ اور اس کی تیزی آگ کی حدت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ چشم حمایت دارد۔ حمایت کی امید ہمیشہ اپنے سے زیادہ طاقتور سے رکھا کرتے ہیں۔ اس گرمی حیات کے باوجود آہیں محبوب پر مؤثر نہیں ہیں غالب

وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے — جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں
وہ سحر مدعا طلبی تو نہ آئے کام — جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں

(۳) ہر پرند سے کا ذوق اس کی پرواز کے مطابق ہے (جتنا کوئی مرغ بلند پرواز ہے اسی قدر بلند ذوق ہے۔ وہ عشقبازی ہی نہیں جس کی کوئی حد و انتہا ہو (پرواز عشق کہیں ختم نہیں ہوتی)

(۴) دوسرا مصرعہ پہلے (جہاں کام مہربانی سے تعلق رکھتا ہے وہاں نیک اور بد عمل کو ایک جو کے بدلے بھی نہیں لیتے۔ (ہماری کاربرآری خدا کی درگاہ میں اس کی عنایت پر موقوف ہے۔ عمل مدار نجات و فلاح نہیں کہ ہمارے نیک و بد اعمال جو تُلنے کے قابل ہوں)

(۵) خسی کو کیا معلوم کردہ جنس) تمام اصل سرمایہ کو بھی لے ڈوبے گی۔ (بہم مایہ بنا بود و رود بلفظی معنی تمام سرمائے کے ساتھ نابود ہو جائیگی) میں نے تو (اپنے خیال کے مطابق) ایک نایاب جنس (عشق) خریدی تھی کہ پر منفعت ہوگی (اگر عشق سب کچھ بھی ساتھ لے ڈوبا ہے۔ تو اس میں میرا قصور نہیں۔ میں نے مفید کاروبار سمجھ کر اپنی دولت دل اس میں لگا دی تھی۔ جیسا کہ ایک کاروباری آدمی کیا کرتا ہے)

(۶) ہمارے نالوں کے دفتر کو وہ کھولتے نہیں (از ہم کشادن = پھاڑ کر الگ الگ کر دینا) کیونکہ اس پر درد کی مہر لگی ہوئی ہے معلوم نہیں اس میں کیا حکایت درج ہے۔ (تا انتظار کے معنوں میں دیکھیں تو۔ نالہ کی جگہ نامہ ہو۔ تو مضمون اور بھی صاف ہو جاتا ہے)

(۷) اے نظیری! عشق میں کفر و ایمان کی کوئی شرط نہیں۔ میں تجھے وہ کافر دکھاؤں۔ جو ولایت کا درجہ رکھتا ہے۔ یا میں جو ولایت کا درجہ رکھتا ہوں۔ تجھے کافر دکھائی دیتا ہوں۔ (دوسرے ترجمہ کو وارد کا صیغہ غائب۔ مانع معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس قسم کی مثالیں اساتذہ کے کلام میں تلاش سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ کہ معرفت و عشق مذاہب و ذہنی کی قیود سے آزاد ہے۔ ؎ بیچ اکسیر تبا ثیر محبت نرسد — کفر از عشق تو آوردم ایماں کردم)

غزل نمبر ۸۴

بحر رمل مثمن مخبون مقصور — ارکان:- فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

۱ باعث راندنم از بزم بجز عار نبود — ورنہ کس را بمن و بودن من کار نبود
۲ ناشتدم از تو جدا تفرقہ پامالم کرد — دولت آں بود کہ ایں فرقت دیدار نبود
۳ ہمہ آساں ز جدائی تو مشکل گردید — ہیچ دشوار بدیدار تو دشوار نبود
۴ ببدی در ہمہ جا نام برآرم نہ مباد — خون من ریزی و گوئی سزاوار نبود
۵ نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر — خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود
۶ عشقم از سود و زیان دو جہاں فارغ کرد — از چہ کارم ہمہ عمر ہمیں کار نبود؟

خوش دلے کرد نظیری برش شب خالی
صد سخن گفت کہ شایستۂ اظہار نبود

(۱) (معشوق کے) مجھے اپنی محفل سے نکال دینے کا سبب عار کے سوا کچھ نہ تھا۔ (اُسے عار آتی تھی۔ کہ مجھ جیسے حقیر شخص کو بھی اُس کی محفل میں بار حاصل ہے) ورنہ کسی کو مجھ سے اور میرے وہاں ہونے سے کوئی سروکار نہ تھا۔

کچھ مری بیخودی سے تمہارا زیاں نہیں — تم جانتا کہ بزم میں اک خستہ جان تھا

(۲) جب سے میں تجھ سے جدا ہوا ہوں۔ اس جداؤ نے مجھے پامال کر رکھا ہے۔ (اصل خوش بختی (دولت) وہی تھی جب کہ یہ فرقت دیدار نہ تھی۔ (تیرا دیدار ہی سب سے بڑھ کر خوش قسمتی ہے)

(۳) تیری جدائی میں تمام آسانیاں مشکلات (میں تبدیل) ہوگئیں اور تیرے دیدار کے ہوتے ہوئے کوئی دشواری دشواری نہ رہی۔

(۴) میں ہر جگہ بدی میں نام پیدا کرتا ہوں (برائیاں کرتا ہوں) تاکہ بدنام ہو جاؤں (تاکہ ایسا نہ ہو کہ تو میرا خون گرائے اور لوگ کہیں کہ یہ مناسب نہیں نظر آتا تجھے ظالم و خطا کار قرار نہ دیں۔ اسی کے قریب قریب مضمون ہے۔ نظیری کے اس شعر کا۔

تا تغافل ز رخش بے جا نہ بینیش — مے آرم اعتراف گناہ نبودہ را

(۵) قیدی پرندہ رہائی کے لئے فریاد نہیں کر رہا بلکہ (اس کی فریاد نتیجہ ہے اس کا کہ) وہ اس وقت کے متعلق غمزدہ ہے جب وہ گرفتار نہیں ہوا تھا۔ گویا قیدی پرندہ جو فریاد کرتا ہے۔ اس بات کے افسوس میں ہے کہ گرفتاری سے پہلے کا زمانہ رائیگاں چلا گیا۔ مطلب یہ ہے عشق میں مبتلا ہو کر عاشق کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس کی پہلی زندگی بیکار اور برباد چلی گئی۔ کاش وہ پہلے سے اس میں مبتلا ہوتا۔

(۶) عشق نے مجھے دونوں جہان کے سود و زیاں سے فارغ کر دیا ہے۔ اے کاش میری اس سے پہلی تمام عمر بھی مجھے ہی کام ہوتا (عشق میں نفع نقصان کی پرواہ نہیں رہی۔ اگرچہ کار سے لفظی معنی اگرچہ کار کس وجہ سے تمام عمر مجھے کبھی کام نہ رہا مضمون وہی ہے جو شعر سابق کا ہے)

(۷) نظیری نے آج رات اس معشوق کے پاس اپنے دل کو خوب خالی کر لیا۔ کیونکہ اس نے سینکڑوں ایسی باتیں بھی کہہ دیں۔ جو اظہار کے لائق نہ تھیں (شکوہ و شکایت کے دفتر کھول کر دل ہلکا کر لیا۔ خوش یعنی خوب۔ دل خالی کرنا۔ دل کا بوجھ اتار لینا۔ دل کو ہلکا کر لینا۔ یہ واقعہ واردات عشق میں بہت نادر ہے۔ حالی کہتا ہے ؎

رات ان کو بات بات میں سو سو دیئے جواب — مجھ کو خود اپنی ذات پر ایسا گماں نہ تھا)

غزل نمبر ۸۵

بحر ہزج ثمن سالم — ارکان: مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۱ محبت با دل غم دیدہ الفت بیشتر گیرد — چراغے را کہ دودے ہست در شب زود تر گیرد (آتش)

۲ پس از دار شکیہا میشتر گشتم گرفتارش — چو صیدے کہ بست صیادش ز اول سخت تر گیرد

۳ محبت بیشتر قایم شود چوں بشکند پیماں — شکوفہ اوّل افشاند درخت آنگہ ثمر گیرد

۴ اگر بادے وزد مشتاق را شورد بسمع آرد — وگر بوئے رسد مخمور را مستی ز سر گیرد

۵ مشو از حال من غافل کہ زخم کاری دارم — مبادا دیگرے صیدِ ترا از خاک بر گیرد

۶ مرا ایں مے کہ برد از ہوش دل مجروح خواہد کرد — حریفے آگہی باید کہ از حالم خبر گیرد

نظیری کوئے عشق است ایں نہ شاہد بازی و رندی
کہ گر یارے رود از دست کس یارے دگر گیرد

(۱) ایک دفعہ غم (عشق) دیکھے ہوئے دل میں (دوبارہ) محبت زیادہ اُلفت پذیر ہو جاتی ہے (دیکھو) کہ جس چراغ میں سے ابھی دھواں اُٹھ رہا ہو۔ اُس کی بتی جلد جل اُٹھتی ہے۔ (جو دل درد عشق میں ایک دفعہ مبتلا ہو چکا ہو۔ وہ دوبارہ عشق کے جذبات سے جلد متاثر ہو جاتا ہے۔ جیسے وہ چراغ جو ابھی ابھی بجھا ہو۔ دوبارہ جلانے سے جلد جل اُٹھتا ہے اس مضمون کا سعدی کا ایک پورا شعر ہے اور اسی سے یہ شعر ماخوذ ہے

بینی کہ چہ گرم آتش در سوختہ می گیرد — تو سوختہ تر از آتش من سوختہ ترزانم

(۲) (عشق محبوب سے) آزادیوں کے بعد میں پہلے سے بھی زیادہ اُس کے عشق میں پھنس گیا۔ (اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ میں غم عشق کے مصائب سے آگاہ ہونے کے باوجود پھر اور زیادہ گرفتار کیسے ہو گیا۔ کیونکہ) جب کوئی شکار (ایک دفعہ گرفتار ہونے کے بعد) چھوٹ جاتا ہے۔ تو پھر شکاری اُسے پہلے سے زیادہ مضبوطی سے پکڑا کرتا ہے (جب عاشق تنگ آکر ترک عشق پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ تو معشوق نئی لگاوٹ ادا و ناز سے اُسے اور زیادہ فریفتہ کر لیتا ہے)

(۳) جب ایک دفعہ (عشق دوبارہ کا) عہد ٹوٹ جاتا ہے۔ تو پھر محبت پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے۔ (دیکھو) کہ درخت پہلے شگوفے نکالتا ہے۔ تو پھر اُسے پھل لگتا ہے۔ (گویا پیمان عشق کا ٹوٹ جانا درخت کی شگوفہ ریزی سے مشابہ ہے کہ اس کے بعد ہی عشق کا ثمر یاب ہو سکتا ہے۔ غزل کے یہ تینوں اشعار قریب قریب ہم مضمون ہیں۔ مگر ہر ایک کا اسلوب بھلا اور تشبیہات سے (معشوق کی طرف سے) نے ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز کر دیا ہے)

(۴) اگر ذرا سی ہوا بھی چلے۔ تو وہ عاشق کو وجد اور مستی میں لے آتی ہے۔ اور اگر (محبوب کی) ذرا سی خوشبو بھی مخمور کو پھنچتی ہے۔ تو وہ نئے سرے سے مست ہو جاتا ہے)

(۵) میرے حال سے غافل نہ ہو۔ کہ مجھے بہت کاری زخم لگا ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ تیرے شکار کو کوئی دوسرا زمین پر سے اُٹھا لے۔ (تبھی عشق میں نڈھال ہوں۔ کبھی کبھی لطف و عنایت کی نظر سے میرے حال کو دیکھ لیا کر۔ کہ مایوس ہو کر کسی اور کی طرف مائل نہ ہو جاؤں گویا معشوق شکاری ہے جس نے عاشق کو زخمی کر دیا ہے۔ زخمی شکار اگر نظر سے اِدھر اُدھر ہو جائے۔ تو ممکن ہے کوئی دوسرا شخص یا شکاری اُسے اُٹھا لے جائے۔ بیگانے برگشتہ۔ دوسرے کا اٹھا لے جانا بہ نظر ترحم بھی ہو سکتا ہے)

(۶) یہ شراب جس نے مجھے مدہوش کر دیا ہے میرے دل کو زخمی کر کے دی ہے۔ اس لئے ایک ایسے حریف ہوشمند کی ضرورت ہے جو میرے حال کا خبر گیر رہے (میں درد عشق میں مبتلا ہوں۔ محبوب کو میری خبر گیری کرنی چاہیئے۔ گویا میں مست و مدہوش ہوں اور زخمی دل بھی اس حالت میں کوئی نگرانی کرنے والا چاہیئے۔ جو میری طرح مخمور و مست نہ ہو۔ حریف۔ آگاہ یعنی ایک حریف آگاہ ہوشمند دوست)

(۷) اے نظیری! یہ عشق کا کوچہ ہے۔ نہ شاہد بازی اور رندی (کا) کہ اگر ایک یار رہ سے نکل جائے۔ تو کوئی دوسرا یار بنا لے۔ (جہانگیری میں رندی اور نظر بازی کا فاصلہ ہے۔ عشق میں تو یک در گیر و محکم گیر کے اصول پر عمل ہوتا ہے۔)

غزل نمبر ۸۶

بحر مجتث مثمن مخبون — ارکان: مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلاتن

۱ به بیرود وصل تو جاں الفت و نزاع ندارد — نشاطِ آمدن و کلفتِ وداع ندارد

۲ بشہر ما نفروشید جز رضا و محبت — کسے دوکان نکشاید کہ ایں متاع ندارد

۳ بران فراز کہ من میکنم عروج مقامیست — کہ ہیچ پایہ بر آں پایہ ارتفاع ندارد

۴ چناں حقارتم از چشم اعتبار فگند است — کہ دہر بر من و حالِ من اطلاع ندارد

۵ بر طلِ خونِ جگر میخورم ز بخت شکرم — کہ سر ز جامِ تنک مشربم صداع ندارد

زتیرگی شبِ انتظار شمعِ امیدم ۔ برابرِ پرِ پروانہ شعاع ندارد
عبث بوعدۂ لطفش دلت خوش ست نظیری
کدام لطف کہ با بختِ تو نزاع ندارد

(۱) میری جان! تیرے وصل و ہجر سے اُلفت و نزاع نہیں رکھتی۔ اُسے نہ تیرے وصل سے محبت اور نہ تیرے ہجر سے نزاع و رنج ہے) وہ نہ تیرے آنے کی خوشی اور نہ تیرے رخصت ہونے کا رنج ہی رکھتی ہے۔ (کمالِ عشق میں معشوق کے وصل و ہجر کا امتیاز اُٹھ جاتا ہے۔

میرے حسابوں تو عاشق نہیں حریص ہے وہ فراق و وصل میں کچھ بھی جو امتیاز کرے

(۲) ہمارے شہر میں رضا اور محبت کے سوا کچھ اور مت پیش کرد۔ (فروختن۔ بیچنا۔ اور ظاہر کرنا) یہاں کوئی ٹھس دکان نہیں کھول سکتا۔ جس میں یہ ساماں تجارت ہو جو نہ ہو۔ (عشق میں محبوب کی رضامندی اور پُر خلوص محبت درکار ہے۔ اس کے سوا یہاں کسی چیز کی مانگ نہیں)

(۳) جس بلندی پر میں چڑھ رہا ہوں وہ ایسا مقام ہے۔ کہ کوئی درجہ بھی اُس درجے سے بڑھ کر بلند نہیں ہے۔ (عشق و معرفت کا مرتبہ تمام کائنات سے بلند تر واقع ہوا ہے)

(۴) حقارت نے مجھے چشمِ اعتبار سے اس قدر گرا رکھا ہے۔ کہ زمانہ کو میری اور میرے حال کی کوئی خبر نہیں ہے۔ (میں ذلت و حقارت کی وجہ سے بالکل کس مپرسی کی حالت میں ہوں)

(۵) میں خونِ جگر کے پیالے بھر بھر پی رہا ہوں۔ اور اپنی قسمت پر اظہارِ شکر ادا کرتا ہوں۔ کہ میرا مرنجک آشامی کی وجہ سے درد میں مبتلا نہیں ہے۔ (مشرب بمعنی مسلک و آشامیدن۔ رطل و جام گراں عادی مے نوش کو اگر شراب تھوڑی تھوڑی مقدار میں دی جائے۔ تو اُسے خمار کی وجہ سے دردِ سر ہونے لگتا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ عشق میں خونِ جگر پیالوں کے پیالے پیے جاتا ہوں۔ گویا وہ شراب ہے۔ جام تنگ مشرب وہ پیالہ جس میں تھوڑی سی شراب ڈالی جا سکے۔ چھوٹا پیالہ۔ رطل کے مقابل)

(۶) انتظار کی رات کو میری امید کی شمع تاریکی کے باعث ایک پرِ پروانے کے برابر بھی روشنی نہیں رکھتی۔ (امید میں روشنی ہوتی ہے۔ اور یاس میں تاریکی۔ محبوب نے آنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ مگر وہ وعدے وفا کے لیے نہیں بلکہ شکست کے لئے کیا کرتا ہے۔ اس لئے عاشق انتظار میں تو ہے۔ مگر اُس کے ساتھ ہی مایوس بھی ہے۔ گویا اُس کی شمع امید روشن ہے مگر نام امیدی کی شب کی ظلمت اُس پر ایسی چھا گئی ہے۔ کہ روشنی نام کو بھی باقی نہیں رہی۔ برابر پروانہ کا نخ اس میں اتنی بھی چمک نہیں جتنی پر پروانہ میں ہوا کرتی ہے)
اس مضمون کا ایک شعر سا غر نظامی کا نہایت نفیس ہے۔ جس میں یہ نفسیاتی نکتہ مضمر ہے۔ کہ انتہائی یاس میں کیفیاتِ فطری لباسِ اندوہ پہن کر ظاہر ہوتی ہیں:-

(۷) اے نظیری! تیرا دل اُس کی مہربانی کے وعدے پر فضول خوش ہو رہا ہے۔ وہ کون سی عنایت ہے جو تیری قسمت کے ساتھ بگاڑ اور مخالفت نہیں رکھتی۔ (تیری قسمت میں اُس کے لطف سے سرفراز ہونا کہاں۔ اول تو اسی کی امید نہیں کہ وہ وعدۂ لطف کو وفا کرے۔ اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی جائے۔ تو اس کی کیا ضمانت ہے۔ کہ اُس کے بعد اس ایک لطف کے بدلے ہزار قہر نہ کرے گا)

غزل نمبر ۸۷

بحر ہزج مثمن سالم ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۱ کمند دوام ما غیر از شکارِ غم نمے گیرد مگس برخوانِ ما عیشے بجز ماتم نمے گیرد
۲ نصیبِ دیگراں ہر لحظہ رطلِ خندہ لبریز ست بجامِ ما تبسم نوبتِ ماتم نمے گیرد
۳ بشیر بنی محبت در دلِ دیگر زیادت کن کہ ظرفِ ما ازیں یک قطرہ بیش و کم نمے گیرد

مریضانِ دیارِ عشق خوش بیماری دارند ، کسے دارو نمے خواہد کسے مرہم نمے گیرد
حسابِ امشب و فردا بزلفِ درہمی دارم ، شمارِ ظلم و بیدادی کسے برہم نمے گیرد
سرے از خاکِ کوئے گشتہ ما در کند شاید ، دلِ ما را بہیچ آں زلفِ خم در خم نمے گیرد
بآہ و نالہ میجوید منظیری بر درت راہے
سکندر صف نمے آراید و عالم نمے گیرد

(۱) ہمارا حال اور کنہ غم کے سوا کچھ شمار نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ مکھی کو بھی ہمارے دسترخوان پر تم کے سوا کوئی عیش کا سامان نہیں مل سکتا۔ دوسرے مصرعہ کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ کہ مکھی کو ہمارے دسترخوان پر غم کے سوا کسی چیز میں لطف ہی نہیں آتا غم و ماتم عشق میں ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے)

(۲) دوسروں کی قسمت میں تو ہر آن ہنسی کے پیالے لبریز رہتے ہیں (گویا خندہ بھی شراب ہے جسے وہ پی کر سرشار ہیں۔ یعنی اُنہیں کو بافراط شادمانی و مسرت کے اسباب حاصل ہیں) مگر ہمارے پیالے میں کبھی تبسم بھی ماتم کی باری نہیں لیتا۔ ہم ہر آن ماتم میں ہیں ہنسی تو رہی ایک طرف ہمیں کبھی مسکرانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔)

(۳) تو شیریں دہنی (میٹھی میٹھی باتوں اور لگاوٹ کی گفتگو) سے کام دوسرے دل کی محبت کو زیادہ کرے کیونکہ ہمارے ظرف میں تو اس سے ایک قطرہ بھی تحمل نہیں سما سکتا۔ (محبوب عاشق سے لطف و کرم اور مہربانی کا سلوک کرتا ہے۔ اس خیال سے کہ اُس کا عاشق اور بھی زیادہ ہو جائے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا عشق کمال کو پہنچ چکا ہے۔ اس میں اضافہ کی گنجائش نہیں۔ دردِ دل دیگر۔ میں نہایت لطیف پیرائے میں دوسرے مدعیان عشق پر چوٹ ہے کہ ان کی محبت ابھی ناتمام ہے اور اس میں ترقی کی گنجائش ہے)

(۴) دیارِ عشق کے مریض عجیب ہی بیماری میں مبتلا ہیں کہ نہ کوئی دوا کا خواہشمند ہے اور نہ کوئی مرہم ہی لیتا ہے (عاشق جو انتہائے عشق اور دردِ دل سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ اس آزار سے نجات پائیں ؎

نہ پوچھ نسخہ مرہم جراحتِ دل کا ، کہ جس میں ریزۂ الماس جزو اعظم ہے۔)

(۵) میرا امشب و فردا کا حساب اس کی درہم برہم زلفوں سے ہے (یا کسے حساب دانشمن کسی سے تین دین اور معاملہ کرنا یعنی میرا معاملہ اس کی پریشان زلفوں سے پڑ گیا ہے۔ بایں حالانکہ اُن کے ظلم و بیداد کا کوئی شخص شمار ہی نہیں کر سکتا (یہ میں ہی ہوں جو ان کے ظلم و ستم کو برداشت کرتا ہوں)

(۶) ہمارا اگر گشتہ دل شاید اُس کے کوچے ہی کی خاک میں ملے۔ تو ملے ورنہ سر پر کون۔ سر اٹھانا۔ نمودار ہونا کیونکہ اُس کی خم در خم زلف اُس کو کسی قیمت پر بھی لینے کو تیار نہیں۔ (اس لئے اُس کی زلفوں میں نہیں بلکہ خاک کوئے جہاں محبوب نے اُسے بے وقعت سمجھ کر پھینک دیا ہے۔ ملیگا)

(۷) (یہ منظیری ہے جو آہ و نالہ کے سادہ تیر سے درکار راستہ ٹھونڈتا پھرتا ہے۔ یہ سکندر نہیں ہے جو صفیں (جنگ کے لئے) آراستہ کر رہا ہو۔ اور دنیا کو فتح کر رہا ہو۔ (آہ و نالہ گویا فوجیں ہیں جن کے ستور و نشست سے معشوق کو ٹھہرا اٹھا۔ کہ یہ کون سے فاتح کی افواج قاہرہ حملہ آور ہو رہی ہیں۔ عاشق اُسے تسلی دیتا ہے۔ کہ ٹھہرو نہیں۔ یہ میری آہیں اور نالے ہیں جو تمہارے در وازے کی تلاش میں ہیں۔ سکندر فوج آرائی اور عالمگیری نہیں کر رہا ہے)

غزل نمبر ۸۸

بحر شریح مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

زبیدادِ تو حرفِ مہر را نام و نشاں گم شد ، کتابِ حسن را جز دِ محبت از میاں گم شد

ز مہرِ بوالہوس گردِ دلت عاشق نمے گردد ۲ طفیلی جمع شد چندانکہ جائے میہمان گم شد
سحر بیتے مغنی میسرود از تو بیاد آمد ۳ چناں شورے برآوردم کہ وقتِ دوستان گم شد
بنالش خواستم جا در دلت افتادم از چشمت ۴ گدا آمد کہ صدرِ قرب جوید آستان گم شد
پس از عمرے شدم عرضے کنم خنداں بہ پیش آمد ۵ کہ مضمونِ سخن صد بار از دل تا زبان گم شد
متاعِ دیر اگر داریم بر ما رد مکن زاہد ۶ بعزمِ کعبہ میرفتیم راہِ کاروان گم شد
ہوس تا یافت رہ از من مزاج کارہا برگشت ۷ طرب تا بست در بر من کلیدِ آسمان گم شد
ہوس را در فراقِ مرحمت خوابِ گراں بگرفت ۸ طرب را در سراغِ عافیت نام و نشان گم شد

اگر پرسد کسے حالِ نظیری را بگویندش
کہ در دامست آں مرغے کہ شب از آشیاں گم شد ۹

(۱) تیری بیداد کے باعث لفظِ محبت کا نام و نشان مٹ گیا۔ گویا حسن کی کتابیں سے محبت کے اوراق گم ہو چکے ہیں۔ (حسن کے ساتھ محبت لازم ہے۔ اگر حسن کو ایک کتاب فرض کیا جائے۔ تو محبت اُس کا ایک باب ہے۔ تو نے اِس قدر بے داد کی ہے۔ کہ محبت کا نام مٹا دیا ہے)

(۲) بوالہوس کی محبت کی وجہ سے عاشق تیرے دل کے پاس نہیں آنے پاتا۔ گویا طفیلی اتنے جمع ہو گئے ہیں۔ کہ مہمان کی جگہ نہیں رہی (تیرے دل میں بوالہوس کی محبت گھر کر چکی ہے۔ اور عاشقِ صادق کا تجھے خیال بھی نہیں آتا۔ حالانکہ دل میں جگہ پانے کے قابل وہی تھا۔ گویا عاشق مہمان تھا۔ اور بوالہوس کی محبت طفیلی۔ جب بوالہوس نے ہی تمام دل پر قبضہ کر لیا۔ تو پھر عاشق کے لئے جگہ کہاں رہی طفیلی مہمان ناخواندہ ہے)

کی کس نے سینۂ اہلِ ہوس میں جا طلب آئے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

(۳) صبح ایک گانے والا ایک شعر گا رہا تھا۔ کہ مجھے تیری یاد آگئی میں نے ایسا شعور (گریہ وزاری) برپا کر دیا کہ دوستوں کا وقت (عیش و مسرت) کھو گیا (میری گریہ وزاری سے دوسروں کا عیش بھی منغص ہو گیا)

(۴) میں نے یہ نالہ و زاری کے ذریعے تیرے دل میں جگہ پائی۔ مگر (کسی وجہ سے) تیری نظروں سے گر گیا۔ گویا گدا اس لئے آیا تھا قرب کی سند (قرب معشوق کی عزت) حاصل کرے۔ مگر آستان ہی گم ہو گیا (زیادہ قرب ڈھونڈتے ڈھونڈتے معمولی تعلق خاطر جو حاصل تھا۔ وہ بھی جاتا رہا) یہ مضمونِ فراق کا شعر ہے

دیکھ کر آنسو مزاجِ یار جاں بھی گیا میری کشتِ آرزو پر آج پانی پھر گیا

(۵) میں ایک عرصے کے بعد گیا کہ اُس کے سامنے کچھ عرض کروں۔ وہ ہنس کر پیش آیا۔ (جس کا اثر یہ ہوا۔) کہ بات کا مضمون دل سے زبان تک آتے آتے سینکڑوں دفعہ گم ہو گیا۔ (باوجود ہزار کوشش کے مجھے یاد نہ آیا کہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ نظیری کا قریباً اسی کا ہم مضمون شعر ہے

از یک عزیز لطف کہ آں ہم دروغ بود امشب ز دفترِ گلہ صد باب شستہ ایم
گفتہ بود چو بیائی مجنوں یا تو بگو نیم چہ بگویم کہ غمِ از دل بروں تو بیائی (سعدی)
یوں کہتے تھے یوں کہتے یوں کہتے جو یار آتا سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

(۶) اے زاہد اگر ہمارے پاس دیر کا سامان موجود ہے۔ تو تو ہماری تردید و مذمت نہ کر کیونکہ ہم کعبہ کا ارادہ کئے جا رہے تھے۔ کہ قافلہ کا راستہ کھو گیا۔ (صوفیا کا خیال ہے۔ کہ راہِ معرفت میں دیر و حرم اور کفر و ایمان کی تمیز بے خبری پر دال ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ہم کعبہ کو جا رہے تھے۔ کہ دیر میں پہنچ گئے۔ گویا ہر حرم ہی کے راستے پر ہیں۔ جب ایسا ہے تو پھر سامانِ دیر یعنی بت پرستی اور کفر کی مذمت کیسی)

کعبہ میں جا کے بھول گیا راہ دیر کی ایماں بچا کے آیا مرے مولا نے خیر کی

(۷) جب سے میں نے ہوس کو رد کیا ہے (چھوڑا ہے) تمام کاموں کا مزاج ہی بدل گیا ہے۔ اور سرت و شادمانی نے جب سے مجھ پر دروازہ بند کیا ہے آسمان کی چابی ہی گم ہو گئی ہے۔ (مجھے کبھی خوشی کا موقع نصیب نہیں ہوتا۔ گویا مسرت کے دروازے کو مقفل کرنے کے بعد آسمان اُس کی چابی کو کھو چکا ہے)

آسمان دار بکشتی غم دائم در کار　　گاہ شادی باد بانی گاہ اندوہ لنگری

(۸) (شعر سابق کے ساتھ قطعہ بند) میری مسرت و عنایت کی جدائی میں ہوس پر گہری نیند چھا چکی ہے۔ اور شادمانی کا امن و عافیت کی تلاش میں نام و نشان تک مٹ گیا۔

(۹) اگر کوئی شخص نظیری کا حال دریافت کرے۔ تو اُس سے کہہ دینا۔ (جو پرندہ رات اپنے آشیاں سے کھو گیا تھا۔ وہ جال میں پھنسا ہوا ہے۔ (نظیری جو سفر و الخبر تھا۔ یا عشق میں گھر بار ترک کر چکا تھا۔ عشق کے دام میں گرفتار ہے)

غزل نمبر ۸۹

بحر محبت مثمن مجنون محذوف۔　　ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

زنکہت سحری شوق یار مے خیزد ۱　　جنوں زسایۂ ابر بہار مے خیزد

بروئے یار نگہ رشحہ بیز مے افتد ۲　　بزلف یار شکن قطرہ بار مے خیزد

سحاب دل شدہ در کوہسار می گردد ۳　　غزال شیفتہ در مرغزار مے خیزد

بہ دستگیری عشاق ناتواں احوال ۴　　ززیر ہر شجرے صد نگار مے خیزد

تنے کہ رفت زپا بر عذار میغلطد ۵　　سرے کہ رفت زدوش از کنار مے خیزد

نہ از وصال ملولاں ملال مے گیرد ۶　　نہ از فراق حریفاں خمار مے خیزد

سماع رندی و گلگشت لذتے دارد ۷　　کہ بادشاہ زسر اعتبار مے خیزد

ہمیں کہ طائر فرصت رسید صید شکن ۸　　کہ صید افگنش از ہر کنار مے خیزد

ہمیں کہ قسمت خود یافتی غنیمت دان ۹　　کہ از کمین گہ شیراں شکار مے خیزد

دریں ہوا در خلوت حکیم نکشاید ۱۰　　کہ ہوش میرود و اختیار مے خیزد

جہاں خوش ست نظیری قلم بجلوہ در آر
"کہ گلشکر زسر نوک خار مے خیزد

(۱) صبح کے وقت کی خوشبو سے یار کا عشق پیدا ہوتا ہے۔ اور ابر بہار کے سائے سے جنون پیدا ہوتا ہے (کہ صبح کی ہوا سے بوئے یار اور موسم بہار سے جنون عشق پیدا ہوتا ہے) نہایت نفیس شعر ہے۔ سایۂ ابر بہار سے جنون کا پیدا ہونا نفسیاتی طریق پر شاید کلیتہً درست نہ ہو لیکن واردات عشق میں اور سمبلیات شعر میں سایہ کی حرکات سے جو ایک وحشت سی ہوتی ہوئی سمجھی جاتی ہے اس کے جواز میں ملک الشعرا فیضی کا یہ مصرعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ کہ من دیوانہ ام از سایۂ دیوار مے ترسم اور سر ہنری عوٹرام شاعر و ڈرامہ نگار کی ایک تمثیل ہنری دوستا کا مرکزی خیال سایوں کی وحشت انگیزی کا ہے۔ اس کے مقابلے میں خاقانی کا مسلسل

غزل دیکھئے جا بیا بباغ و نقاب از رخ چمن برکش
اور یہ شعر فاسکرے

فرصت از کف مدہ غنیمت پندار　　نیست گر صبح بہاری شب تاری دریاب

(۲) یار کے چہرے پر ہماری نگاہ قطرے ٹپکاتی ہوئی پڑتی ہے۔ اور یار کی زلفوں میں قطرے برسانے والے نمکین پیدا ہوتے ہیں (محترق کو دیکھ کر ہماری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ فرط مسرت یا درد عشق سے)

(۳) دل بادل بن کر کوہسار میں چھایا ہوا ہے اور دست ہرن مرغزار میں موجود ہے۔

(۴) کمزور و بدحال عاشقوں کی دلگیری کے لئے ایک ہی درخت کے نیچے سے سو سو عشق نمودار ہو رہے ہیں۔ (بہار کی وجہ سے باغ میں نگاروں کا جمگھٹ ہے۔)

(۵) جو جسم پھسل کر گر چکا تھا۔ وہ رخساروں پر لوٹ رہا ہے۔ اور جو سر کندھے سے جدا ہو چکا تھا۔ وہ پہلو سے پیدا ہو رہا ہے۔ (اثر بہار سے)

(۶) (اس موسم میں) نہ تو رنجیدہ دل لوگوں کے وصال سے ملال پیدا ہوتا ہے۔ اور نہ دوستوں کی جدائی سے خمار پیدا ہوتا ہے۔ (بہار کی وجہ سے رنج و ملال آتے ہی نہیں)

(۷) (بہار) نغمہ گانے و بجانے اور سیر چمن میں وہ لذت ہے۔ کہ بادشاہ بھی اُن کو قابل اعتبار سمجھ کر (اُن کو اختیار کرنے کے لئے) اٹھ کھڑا ہوتا ہے (دوسرا اعتبار الخ لفظی ترجمہ اعتبار کی وجہ سے الخ)

(۸) جونہی کہ فرصت کا پرندہ سامنے آئے۔ اس کو شکار کر لو۔ کہ اس کا شکار کرنے والا ہر طرف سے (کوئی نہ کوئی) اٹھ رہا ہے۔ (فرصت کو غنیمت جانو۔ یہ گویا پرندہ ہے جو اڑا چلا جاتا ہے۔ ہر شخص اس سے استفادہ کی خواہش رکھتا ہے۔ مگر کامیاب کم ہی لوگ ہوتے ہیں)

(۹) جونہی کہ تجھے اپنی قسمت (حصہ بخت) مل جائے۔ غنیمت جان۔ کہ یہ شکار (تیرا حصہ) شیر و نر کمین گاہ سے نکل رہا ہے (شیر کی گھات سے بچ کر نکل آنا بہت ہی مشکل ہے۔ تمہیں جو کچھ قسمت سے مل رہا ہے سمجھو کہ شیر کے پنجے سے نکل کے آیا ہے۔ اس لئے غنیمت سمجھو)

(۱۰) (زمانے کی) اس ہوا میں دانا آدمی غلوت کا دروازہ نہیں کھولتا۔ (گوشہ نشینی پر مرکز نہیں کرتا) کیونکہ ہوش جاتا رہتا ہے۔ اور انسان اپنے آپ سے اختیار اٹھ جاتا ہے۔ (انسان ہوش اور بے اختیار ہو جاتا ہے اپنے دل یا طبیعت کو قابو میں نہیں رکھ سکتا)

(۱۱) اے نظیری تمام جہان (بہار کی وجہ سے) خوش ہے۔ تو بھی (اپنے قلم کو ذرا جلوے میں لا۔ (مضامین تازہ و شگفتہ لکھ) کیونکہ کانٹے کی نوک سے گلقند پیدا ہو رہی ہے۔

غزل نمبر ۹

بحر محدث مثمن مخبون مقصور　　ارکان: مفاعلن فعلاتن۔ مفاعلن فعلان

۱ چہ شور بود کہ عشقت بمن کرامت کرد　　کہ نارسیدہ قیامت دلم قیامت کرد

۲ حدیث من کہ ز مجموعۂ وفائے تو خواند؟　　کہ نے بخونِ دل و دیدہ اش علامت کرد

۳ بکعبۂ دلِ من عاشقاں نماز آرند　　کہ قبلہ شد صنم و برہمن امامت کرد

۴ بہر نماز کنم صد ہزار سجدۂ شکر　　کہ در دیارِ تو دل نیتِ اقامت کرد

۵ قضائے کفر ادا میکنم کہ بر من عشق　　نماز و طاعتِ چل سالہ را غرامت کرد

۶ نثارِ دیدہ تصدق دہم کہ بختِ جواں　　بکوئے زہد و ریا نو برِ ندامت کرد

مزاجِ عشق منظیری حریص و سودائیست
دریں معاملہ نتواں ترا ملامت کرد

(۱) کیسی شورش و دیوانگی تھی جو تیرے عشق نے مجھے عنایت کردی۔ کہ قیامت کے آنے سے پہلے ہی میرے دل نے قیامت بپا کردی (میرے دل نے عشق میں محشر بپا کر رکھا ہے۔ نالہ و فریاد کی وجہ سے)

(۲) کون ہے۔ جس نے تیری وفائے مجسم میں کسے میری (عشق کی) حدیث پڑھی ہو۔ اور اُس کو دل اور آنکھوں کے خون سے ظاہر نہ کیا ہو۔ (جس نے میری داستانِ عشق کا مطالعہ کیا۔ وہ خون کے آنسو بہائے بغیر نہ رہا)

(۳) عاشق لوگ میرے کعبۂ دل کی طرف (رُخ کر کے) نماز پڑھتے ہیں کیونکہ بت اس کا (میرے دل کا) قبلہ تھا۔ اور برہمن اُس کی امامت کرتا رہا۔ (صنم پرستی میں کمال حاصل ہونے کی وجہ سے میرا دل اب عاشقوں کا قبلہ ہو گیا ہے۔)

(۴) میں ہر نماز میں لاکھوں شکر کے سجدے بجا لاتا ہوں۔ کیونکہ میرے دل نے تیرے دیار میں اقامت (قیام) کی نیت کر لی ہے (اقامت میں ایہام ہے۔ نماز اور سجدہ اور نیت کی مناسبت سے بادی النظر میں اس کے معنی اقامت صلوٰۃ یعنی نماز کے لئے "تکبیر" کے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر در اصل یہ مقیم ہونے۔ قیام کرنے اور ڈیرہ ڈالنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے)

(۵) اب میں کفر کی قضا ادا کر رہا ہوں کیونکہ عشق نے مجھ پر میری چالیس سال کی عبادت اور نماز کے سبب سے تاوان لگا دیا ہے (میں چالیس برس تک عبادت و نماز کا پابند رہا ہوں۔ اور اب عشق اختیار کیا ہے جو نماز یا روزہ اپنے وقت پر ادا نہ ہو سکے اس کی قضا دوسرے وقت میں دیا کرتے ہیں۔ تو چالیس سالہ عبادت کے زمانہ میں "کفر" کی ادائگی میرے ذمہ بطاق رہی۔ اب اُس کی قضا دے رہا ہوں۔ مطلب یہ کہ عشق میں ترکِ سوم مذہبِ بہلا رہتا ہے۔ ایک مفہوم اس شعر سے اور مستنبط ہوتا ہے کہ چہل سالہ زہد و ریاضت کے مقابلہ میں اب جو کچھ عمر مستعار سے باقی رہ گئی ہے اس میں شدت سے عشق دے کر اپنے زمانہ اسلام کا کفارہ ادا کر رہا ہے۔ ؎

دل بدون و دیں راہ سخت پیر عیب است سالک را ۔۔۔ بخوں گرستم نہ کفر من کہ دادہ دلے ایماں را

(۶) میں اپنی آنکھوں کے نثار کو بطور صدقہ پیش کرتا ہوں۔ (نثار دیدہ۔ آنسو جو آنکھوں پر نثار ہوتے ہیں۔ میں اُن کو صدقہ کرتا ہوں) کیونکہ میرے بخت جوان نے زہد و ریا کے کوچے میں ندامت کا تیا پھل زکال لیا ہے۔ (فوبر۔ خمر نوریں۔ میں اپنی زہد و ریا پر نادم ہوں۔ اور ندامت کی وجہ سے آنسو بہا رہا ہوں۔ ندامت حال ہی میں پیدا ہوئی ہے اس لئے اُسے نوبر کہا ہے۔ آنسو گویا موتی ہیں جو ندامت کا ثمر لگنے بطور تصدق تقسیم کئے جا رہے ہیں)

(۷) اے قطرۂ عشق کا مزاج ہی حریص اور سودائی ہے۔ (اس لئے اگر تو بھی حریص اور دیوانہ ہے۔ تو عشق کی وجہ سے تجھے اس معاملہ میں ملامت نہیں کی جا سکتی۔ (عشقِ دیدار و وصلِ یار کا حریص اور شدتِ جذبات کی وجہ سے سودائی ہے)

غزل نمبر ۹۱

بحرِ رمل مثمن مقصور — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

۱ بے تو بر بال و پرِ مرغانِ گلستاں تنگ بود ۔۔۔ صورتِ بلبل در حریمِ باغ بے آہنگ بود

۲ حالِ آن گلگشتِ صحرائی کہ من کردم پرس ۔۔۔ لالہا را در تہِ ہر سنگ پُر خوں چنگ بود

۳ بے تو بر چشمم نمک مے بیخت بادِ صبحدم ۔۔۔ گرچہ مروارید مے سائید ہر جا سنگ بود

۴ سایہ مجنوں میشد از راہے کہ من کردم گزر ۔۔۔ کز خیالت خیلِ صد لیلیٰ بصد فرسنگ بود

۵ نامۂ دشمن ملالت بے تو مے بُرد از دلم ۔۔۔ آنچہ بر مے چید زنگِ سینہ ام را زنگ بود

ف ہرن

نامہ دشمن ملالت بے تو مے بر داز دلم ، آنچہ بر مے چید رنگ سینہ ام را رنگ بو
گر نہ رومم از نشاطِ دیدنت از من مرنج ، با نشاطم خصمی و با جانِ سختم جنگ بود
پیش ازیں چندیں نظیری شورش و مستی نداشت
تا نبودی جام بے ساقی و مے بے رنگ بود

(۱) تیرے بغیر پرندوں کے بال و پر کے لئے (اُن کی پرواز کے لئے) باغ (باوجود اپنی وسعت کے) تنگ تھا اور باغ کی چار دیواری میں بلبل کی آواز نے شور مچا رکھا تھا (گرمیِ بازارِ عشق تیرے ہی سبب سے ہے)

(۲) میں نے جو صحرائی گلگشت کی ہے۔ اُس کا حال کچھ نہ پوچھ۔ کہ میں نے کیا دیکھا، ہر پتھر کے نیچے لالے کے کئی کئی پھولوں کے نیچے خون سے بھرے تھے (لالہ کے پھول کی سرخی میں خون سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ ایک ایک پتھر کے نیچے کئی کئی پھول اُگے ہوئے تھے مطلب یہ کہ ہر جگہ اور ہر مقام پر عشق نے سینکڑوں دلوں کو پُرخون کر رکھا ہے۔ لالہ پتھروں میں اُگتا ہے۔ معشوق کے دل کو بھی سنگ کہا کرتے ہیں)

(۳) تیرے فراق میں صبح کے وقت کی ہوا میری آنکھوں میں نمک پاشی کر رہی تھی۔ اگرچہ وہ (بادِ سحری) ہر اُس مقام پر جہاں کوئی پتھر موجود تھا ہوتی گزر رہی تھی۔ (موتی آنکھوں کو نور بخشتا ہے۔ اور پتھر سے رگڑ کھا جاتا ہے۔ کہتا ہے۔ کہ تیرے فراق میں بادِ سحر بھی مجھے ناگوار گزرتی ہے گو وہ میری آنکھوں میں نمک چھڑکتی ہے۔ حالانکہ وہ ہر مقام پر موتی بکھیرتی پھرتی ہے)

نسیم تیری سینے کے پار گزرے ہے ، تیرے فراق میں کیسی بہار گزرے ہے

(۴) جس راستے سے میں گزرتا تھا وہاں سایہ مجنون بن جاتا تھا کیونکہ تیرے خیال کے باعث سینکڑوں لیلاؤں کے گرد سینکڑوں میل تک۔ (پھیلے ہوئے) تھے (عاشق کے خیال میں ہر آن معشوق آتا ہے۔ گویا مختلف معشوقوں کے گرد ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اور عاشق کو وہی نظر آتے ہیں۔ جب اُس کا خیال لیلیٰ بنتا ہے۔ تو سایہ گویا مجنوں ہے۔ اور اُس کی رفتار کے ساتھ ہر قدم پر اُس کا سایہ گویا نیا مجنوں پیدا کرتا ہے)

(۵) تیری جدائی میں رقیب کا خط تیرے دل سے ملال کو دور کر دیتا تھا۔ وہاں تک کہ جو چیز تیرے سینہ کے زنگ کو دور کر رہی تھی) وہ خود بھی زنگ ہی تھی۔ (رقیب کا خط تھا جو تیرے فراق پر مشتمل پڑھ کر باوجود یکہ میں بھی تیرے دروفراق میں مبتلا تھا میرا ملال دور ہو گیا۔ گو اگر میں جدائی کی کڑیاں جھیل رہا ہوں۔ تو رقیب بھی تو وصل و قرب کی لذتوں سے شاد کام نہیں ہے۔ رقیب کا خط ملال کی دوری کا باعث ہوا۔ گویا زنگ نے زنگ کو دور کر دیا)

(۶) اگر میں تیرے دیدار کی مسرت سے مر نہیں گیا۔ تو مجھ سے نا راض نہ ہو۔ کیونکہ (جب میں نے تجھے دیکھا تو) مسرت کے باعث میرا جھگڑا اور جانِ سخت کے ساتھ (جو) جنگ شروع ہو گئی (میں تجھے دیکھتے ہی شادیِ مرگ ہو جاتا۔ مگر ایک طرف جذبات مسرت سے اور دوسری طرف جانِ سخت سے جو تیری موجودگی کے سبب نکل کر جانا نہیں چاہتی۔ میری کشمکش شروع ہو گئی۔ اس لئے معذور رہا۔ غالب نے اسی شعر کے مضمون کو نہایت صاف کیا ہے ؎

میں اور حظِ وصل خدا ساز بات ہے ، جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں)

(۷) اس سے پہلے تو نظیری اس قدر شورش اور مستی نہ رکھتا تھا۔ تو موجود نہیں تھا۔ یعنی جب تک وہ تیرے عشق میں گرفتار نہ ہوا تھا اس وقت تک جام بغیر ساقی کے اور شراب بغیر کیف و رنگ کے تھی (تیرے عشق نے اس کو یہ شورش و مستی بخشی ہے)

غزل نمبر ۹۲

بحر ہزج مثمن سالم ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تو میرانی و جانم با تو ذوقِ گفتگو دارد ، گدا ہنگامِ مردن با دشاہی آرزو دارد

تو شمع بزمِ ہر کس گشتۂ صحبت غنیمت داں ۔ کہ ایں پروانہ ہم با گوشۂ تاریک خو دارد
حرارت از برائے گرمیم بسیار مے باید ۔ دلِ چوں موم از سختی جدل با سنگ رو دارد
کدامم مجلس و ساماں کہ مے خوردن بیاد آرم ۔ چراغے تیرہ دارم کہ مُردن آرزو دارد
بہ مستی سنزد گر متہم دارد مرا ساقی ۔ ہنوز از بادۂ پارینہ ام پیمانہ بو دارد
سنزد گر باغباں در ہائے باغ از ناز بکشاید ۔ کہ بلبل گشت مست و غنچہ اش در سبو دارد

کدایں بو دجامِ لطف کے دادی نظیری را
ہنوز آں تشنہ لب آبِ غریبی در گلو دارد

(۱) تو مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ اور میری جان تجھ سے گفتگو کا شوق رکھتی ہے گویا ایک گرا مرتے وقت بادشاہی کی آرزو رکھتا ہو (میری جان ایک گدا ہے جسے سوائے گفتگو کی حرص بادشاہی ہے۔ مطلب یہ کہ مجھے مرنے میں عار نہیں مگر تیری باتوں کا لطف مجھے مرنے نہیں دیتا)

(۲) تو ہر کس و ناکس کی محفل کی شمع بنا ہوا ہے (اس عاجز کی صحبت و ہم نشینی کو غنیمت سمجھ کیونکہ یہ پروانہ (نظیری) بھی اندھیرے گوشے کا عادی ہے (غم ہجر و فراق برداشت کر لینے کا عادی ہو چکا ہے۔ اگر اس کو اپنی ہم نشینی کا شرف نہ بخشے گا تو ایک ہو بیٹھے گا پروانہ۔ کہ کر یہ ظاہر کیا ہے کہ اگرچہ وہ گوشہ نشینی و عزلت اختیار کرے گا۔ مگر اس کے عشق و شیفتگی میں اس سے کمی نہ آئے گی۔ بلکہ جونہی تنہائی شمع رخسار اس کی طرف رخ کرے گی اسے پروانگی پر آمادہ و مستعد پائے گی۔)

(۳) گرمانے کے لئے بہت زیادہ حرارت کی ضرورت ہے کیونکہ یہ موم جیسا دل سختی میں پتھر اور لوہے کا مقابلہ کرتا ہے۔ (محبوب کی محبت کے لئے میرا دل موم سے زیادہ نرم ہے۔ دیگر دلوں کی محبت کے لئے دل پتھر سے بڑھ کر سخت ہے۔ موم نرمی سے آگ سے پگھل جاتا ہے محبوب کی ادنیٰ توجہ میں میرا دل فوراً پگھل کر نرم ہو جاتا ہے جس طرح پتھر کا پگھلنا ممکن نہیں۔ اسی طرح میرے دل کا غیر کے عشق کے لئے نرم ہونا ممکن نہیں) اقبال کا یہ شعر بھی دیکھئے

دل سوگوار عارفِ تشنہ سنگ باید ۔ مے تلخ ہم مناسب ایں مرغ زار و نمناک

(۴) میرے پاس کوئی مجلس اور (اس کا) سامان موجود ہے کہ شراب خوری کو یاد کروں (میں تو ایک تاریک چراغ رکھتا ہوں جو جانے کی خواہش رکھتا ہے۔ (عیش و نشاط کی خواہش کس پر مرتے پر کروں تجھے اس کے سامان ہی حاصل نہیں)

(۵) اگر ساقی مجھے بدمستی کی الزام لگائے۔ تو بالکل جائز ہے کیونکہ میرا پیمانہ ابھی تک شراب کی بو رکھتا ہے۔ (شراب دو شیشہ کی شراب ہی سے مراد ہے نے مجھے مست کر رکھا ہے۔ ابھی اس کی مستی زائل نہیں ہوئی)

(۶) اگر باغبان مخمور ناز کے سبب باغ کے دروازے کھولنا بھول جائے۔ تو اس کا سبب یہ ہے کہ بلبل مست ہو چکا ہے۔ اور غنچہ (اس کے لئے اپنے سبو میں شراب لئے ہوئے ہے۔ (غنچہ کھل کر بلبل کو مست کرنا نہیں چاہتا بلکہ خود شراب در سبو ہو جاتا ہے)

(۷) [illegible] (یعنی آب مجازی ہے سو تو نے اس کی بھی قدر نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ محروم لطف ہی رہا)

غزل نمبر ۹۲

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان: مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

منم مرغِ اسیرے مضطرب از بیم جانِ خود ۔ نہ ذوقِ دانہ دارم نہ امیدِ آشیانِ خود

۱ دِل از امیدِ وصل و بیمِ ہجراں کردہ ام فارغ ۔ نشستہ گوشہ وارستہ از سود و زیانِ خود
۲ ز قوتِ خویش یابم طعمِ زہر و شکر ہا گویم ۔ کزیں نعمت تنم پروردہ مغزِ استخوانِ خود
۳ بباغِ روزگار آں خود ستا مرغِ کہن سالم ۔ کہ خود مے سنجم و خود مے سرایم داستانِ خود
۴ بنزدِ محرم و بیگانہ عیبِ خویش مے گویم ۔ بدشمن میدہم از سادگی تیر و کمانِ خود
۵ درِ صد شکوہ بر لب میکشاید یادِ نومیدی ۔ کسے کو تا زند قفلِ خموشی بر دہانِ خود

منظوری صبر کن کیں بند از دل بگسلد روزے
ہنوز امید دارم میکند ضبطِ زبانِ خود

(۱) میں ایک مرغِ اسیر دل ہوں جو اپنی جان سے مضطرب اور بیقرار ہو۔ نہ مجھے وادیٔ خواہش ہے اور نہ اپنے آشیانے کی ہی امید رکھتا ہوں (عشق میں ترک خانماں ہو چکا ہوں۔ اب ایک مرغِ اسیر کی طرح اضطراب ہے اور میں ہوں)

(۲) میں اپنے دل کو وصال کی امید اور فراق کے خوف سے فارغ کر چکا ہوں۔ اب وہ (دل) اپنے نفع نقصان سے آزاد ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا ہے (کمالِ عشق میں وصل و ہجر میں امتیاز اٹھ گیا ہے۔ ورنہ اس نے قبل امید وصل کو نفع اور بیم ہجر کو زیاں تصور کیا کرتا تھا)

(۳) مجھے اپنی خوراک کے طور پر زہر کا کھانا ملتا ہے اور میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ کیونکہ میرے جسم نے اسی نعمت سے اپنے مغزِ استخواں کی پرورش کی ہے۔ (زہرِ عشق میری غذا ہے اور میرے رگ و ریشے اور گوشت پوست میں سرایت کر چکا ہے)

(۴) میں باغِ زمانے کے باغ میں وہ دیرینہ سال (اپنے منہ سے آپ اپنی تعریف کرنے والا) پرندہ ہوں۔ کہ خود ہی اپنا قصہ گاتا ہوں۔ اور خود ہی اس کو سنجیدگی (داد دیتا) ہوں۔ (دوسروں کی مدح و ذم سے بے نیاز ہوں)

(۵) میں اپنوں اور بیگانوں (سب) کے پاس اپنے عیب بیان کرتا پھرتا ہوں۔ گویا میں سادگی کی وجہ سے اپنا تیر و کمان دشمن کے حوالے کر رہا ہوں۔ (دشمن میرے عیب سے واقف ہو کر انہیں کو مجھ پر وجہ طعن بنائیں گے۔ گویا میں نے خود انہیں تیر و کمان مہیا کر دیا ہے۔ کہ وہ مجھے ہی نشانہ بنائیں)

(۶) نا امیدی کی یاد میرے لبوں پر سینکڑوں شکووں کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ (نا امیدی کے سبب میرے لب بے شمار شکوے آ رہے ہیں) آخر کب تک کوئی اپنے سینہ پر قفلِ خاموشی لگائے رکھے۔ (بجز مایوسی و نا امیدی کے تنگ آ کر آخر شکوہ کر ہی بیٹھتا ہے)

(۷) نظیری صبر کر کہ دل کا یہ بند ایک دن آخر کار ٹوٹ ہی جائے گا۔ ابھی مجھے کچھ امید باقی ہے۔ (اس لئے وہ بول) اپنی زبان کو قابو میں رکھے ہوئے ہے۔ ابھی محبوب سے امید وفا و لطف باقی ہے جب یہ بھی مکمل نا امید ہو جائیگی۔ تو پھر خاموشی کی مہر یا تعلقِ عشق خود ہی ٹوٹ جائیگا)

غزل نمبر ۹۴

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ روز آں آید کہ با صد خواریم بر در کشد ۔ پردۂ ناموسِ شب از روزگارم برکشد
۲ بر سرِ پروانہ شمع از بہرِ آں سوزد کہ ہست ۔ جذبۂ عشقے کہ خاکسترِ بجا کستر کشد

هیچ جانگذاشت کز وے فتنہ باقی نماند
کاش چوں آید غمت رخت از دریگر کشد

از درش تصدیع کم کردم چو دانستم کہ او
خطِ نسیانی مرا یکبارہ بر دفتر کشد

غم کہ ہر شب مجلسم افسردہ زو میگشت رفت
امشب از جرأت چراغم دشنہ بر صرصر کشد

چارہ کز بیقراری تشنہ وصلِ ترا
بر سراب ار چشم افتد دست از کوثر کشد

از فراق امشب نظیری مجلسم ماتم گہیست
بوئے خون آید چو عودم شعلہ در مجمر کشد

(۱) وہ دن آرہا ہے۔ کہ وہ مجھے نہایت توجہ کے ساتھ مجلس میں سے) دروازے پر نکال دے گا۔ اور رات میرے زمانے میں سے ناموس کے پردے کو خارج کر دے گی۔ (وہ مجھے ایسی محفل میں سے نکال دے گا۔ رات کے پردے میں انسان کے عیوب و نقائص چھپ جاتے ہیں۔ مگر اس کی محفل سے نکالے جانے کی وجہ سے رات کی تاریکی بھی نہ چھپا سکے گی۔ (شب از روزگار پردہ ناموس را بر کشد نظیر ثانی کی نثر)

(۲) پروانے کے (جل جانے کے بعد اُس کے) سر پر شمع اس لئے جلتی ہے۔ کہ اس میں وہی عشق کا جذبہ موجود ہے۔ جو (اس کو خاکستر کی طرف کھینچ رہا ہے۔ (پروانہ جذبۂ عشق سے سرشار ہونے کے سبب جل کر خاکستر ہو گیا۔ وہی جذبہ شمع کو جلا کر لکھے دیتا ہے ؎

عشق اول در دلِ معشوق پیدا مے شود
تا نسوزد شمع کے پروانہ شیدا مے شود

(۳) (اس نے) کوئی جگہ ایسی نہیں چھوڑی۔ جہاں اُس (نے) حسن کا فتنہ باقی نہ رہا ہو۔ کاش جب تیرا غم (میرے پاس) آئے۔ تو دوسرے دروازے سے اپنا سامان اٹھا لائے۔ تیرے حسن نے ہر جگہ فتنہ بپا کر رکھا ہے چاہتا ہوں کہ غم عشق صرف میرا ہو کر رہ جائے۔ رخت از دریگر (کا لفظ اور) یہیں موجود نہ ہے)

(۴) جب میں نے (یقینی طور پر) جان لیا۔ کہ وہ میرے تمام دفتر پر یکبارگی خطِ نسیان کھینچ دے گا۔ تو میں اُس کے دروازے سے اُٹھ آیا (تصدیع کم کردن۔ دردِ سر کم کرنا۔ زحمت نہ دینا گفتگو کو ختم کر دینا)

(۵) وہ غم جس سے میری محفل ہر رات کو افسردہ ہو جایا کرتی تھی۔ جاتا رہا۔ آج رات میرا چراغ جرأت کے سبب سے تند و تیز ہوا پر جھنجھلا جاتا ہے۔ (پہلے میں غم سے مغلوب ہو جایا کرتا تھا گویا میں ایسا چراغ تھا جو غم کی ہلکی سی ہوا سے بجھ جاتا۔ اب خواہ تمام مصیبت و غم کے جھکڑ چلیں۔ میں متاثر نہیں ہوتا)

(۶) میرا کوئی چارہ کرے کیونکہ تیرے تشنہ وصل کی آنکھ اگر سراب پر بھی پڑ جاتی ہے۔ تو وہ بیقراری کے باعث کوثر سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے (مجھے زیادہ عرصہ محرومِ وصل نہ رکھ۔ کہ میری بیقراری بڑھ رہی ہے۔ ایسا نہ ہو میں مایوس ہو کر کسی دوسری طرف رخ کر لوں۔ تیرا وصل بمنزلہ کوثر کے ہے اور دوسرے جمیلوں کا اس کے مقابلے میں بمنزلہ سراب کے)

(۷) اے نظیری! آج کی رات میری مجلس فراق کی وجہ سے ماتم کدہ بن رہی ہے (ایسی) کہ جب میرا عود (انگیٹھی میں جلتا ہے۔ تو اس میں سے خون کی بو آتی ہے (عود کے جلنے سے خوشبو آیا کرتی ہے۔ مگر فراق میں وہ بھی جل کر لہو کے خون دیتا ہے)

غزل نمبر ۹۵

بحر محتبث مثمن مخبون محذوف
ارکان مفاعلن۔ فعلاتن مفاعلن فعلن

تبسمش بلب از شرم خشم و کیں گردد
کرشمہ اش گرہ از ناز بر جبیں گردد

کند بدیدۂ تنکر بریز اشک تلخم را ۲ بخندۂ کہ از و زہر انگبیں گردد
از و بقیمتِ آسائش ابد نخرم ۳ جراحتے کہ دلم یک نفس نمیں گردد
چو باد از سرِ عالم بجہد برخیزم ۴ اگر دمے بمن از مہر ہمنشیں گردد
نہ قبلہ دانم و نہ کعبہ کافرِ عشقم ۵ چو سجدہ پیشِ بت آرم قبول دیں گردد
گہے کہ جامۂ تقوے درند گویندم ۶ کہ دستِ کیست کہ پنہاں در آستیں گردد

سخن طرازی و دانش ہنر مظیری نیست
قبولِ دوست مگر نالۂ حزیں گردد

(۱) تبسم اس کے ہونٹوں پر آکر شرم کی وجہ سے غصہ اور کینہ بن جاتا ہے۔ اور اس کی ادا و ناز کے سبب پیشانی پر گرہ بن جاتی ہے وہ مسکرانا چاہتا ہے۔ مگر شرم کے مارے فضیلی فعل بنا لیتا ہے اور ہنسنا چاہتا ہے مگر ناز سے پیشانی پر بل ڈال لیتا ہے۔ اس کا غصہ اور کینہ حقیقی نہیں مصنوعی ہے)

اے تماشا تبسم نے عجب انداز سے چین جبیں پکڑی

(۲) (وہ اپنے پہلے وار سے اس جراحت کے ذریعے جس سے زہریلی شہد بن جاتا ہے میری آنکھ میں تلخ آنسوؤں کو شکر ریز بنا دیتا ہے۔ (میں عمر فراق میں تلخ آنسو بہاتا ہوں۔ وہ آتا ہے۔ اور میرے خانۂ دل پر تیر چلاتا ہے۔ اس کا خندہ شیریں ہے مانند اس میرا گریۂ تلخ بہار کی شادابی بڑھاتا ہے۔ گویا اس کا خندہ زہر کو شہد کی تاثیر بخشنے والا ہے)

(۳) میں اس سے وہ زخم (عشق) کہ جس سے میرا دل ایک لمحے کے لئے تسکین پا جائے ہمیشہ ہمیشہ کی آسائش کو بطور قیمت دے کر خریدوں (غم عشق کا ایک لمحہ آسائش ابد سے بڑھ کر ہے)

(۴) (دوسرا مصرعہ مقدم) اگر وہ میرے پاس محبت کی وجہ سے ایک گھڑی بیٹھ جائے۔ تو میں ساری کائنات کو خوش کر کے ہوائی طرح جہان سے ہی اٹھ جاؤں۔ (شادی مرگ ہو جاؤں جو باد از آنجا بدولانہ سما دل)

(۵) میں نہ قبلہ جانتا ہوں اور نہ کعبہ بلکہ میں تو عشق میں کفر اختیار کر چکا ہوں۔ (عشق میں قیود مذہبی سے آزادی پا چکا ہوں) میں جب بت کے سامنے سجدہ کرتا ہوں۔ تو وہ (میرے دین کفر میں) قبول ہو جاتا ہے۔ (عشق میں سجدہ بالعبد نہیں بلکہ سجدہ بالبت قبول ہوتا ہے) "قبول بین السطور" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کفر عشق میں استواری کی وجہ سے سجدہ بت کے آگے ہی کیوں نہ کیا جائے۔ وہ الٰہی کے اصول کے مطابق قبول ہوتا ہے۔ اس مضمون کو غالب نے تفصیل سے لکھا ہے

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

(۶) جب وہ پارسائی کے لباس کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں سے کہتے ہیں۔ کہ کہیں کا ہاتھ ہے۔ جو آستین میں چھپ جاتا ہے۔ (بڑے بڑے پارسا عشق میں مبتلا ہو کر جامۂ پارسائی کو چاک چاک کر ڈالتے ہیں۔ گویا وہ عشق میں اس قدر مشاق ہو جاتے ہیں کہ انہیں خود اپنے ہاتھوں اور کپڑوں میں تمیز نہیں رہتی۔ مطلب یہ کہ عشق میں پارسائی قائم نہیں رہ سکتی)

(۷) اے نظیری! سخن آرائی (شاعری) اور دانشمندی کوئی ہنر نہیں ہے (ہاں) نگین (الہام) شاید محبوب کے ہاں قبولیت پالے۔ (عشق میں چرب زبانی اور ہوشیاری کوئی خوبی نہیں بلکہ یہاں تو دل اور نالۂ فریاد درکار ہیں)



غزل نمبر ۹۲

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۱ دلم را نور رحمت از وداعِ جان فروگیرد — شہادت خانہ ام را پرتوِ ایماں فروگیرد

۲ دلِ پُر حسرتے دارم کہ ہر سو چشم بگشایم — سرشکِ گریہ ام از دیدہ تا داماں فروگیرد

۳ زبس سایہ بہم در کیشِ طاقت ناوکِ آہم — خراشِ سینہ ام را سوزنِ پیکاں فروگیرد

۴ زخود رفتی مدار اگر بے تو بر بستر نہم پہلو — سرم را اضطراب از زانوئے حرماں فروگیرد

۵ درآں ساعت کہ آہم گرد راہ از چہرہ افشاند — جراحتہائے اہلِ درد را درماں فروگیرد

۶ بحسرت مے سپارم جاں بہ بندا گر گریہ چشم را — کہ گر اشکے بیفتد دہر را طوفاں فروگیرد

اگر آید بجز یادِ تو در خاطر مضامینے را
ز دل تا بگذراند مدرسہ نسیاں فروگیرد

(۱) جان کے رخصت ہوتے ہی میرے دل پر رحمت کا نور چھا جاتا ہے اور میرے شہادت خانہ کو ایمان کا عکس گھیر لیتا ہے (تن خاکی کو چھوڑنے کے بعد رحمت ایزدی سے جا پیوست ہوتا ہوں اور ایمان سے اکتساب ضیا کرتا ہوں)

(۲) میرا دل ایسا پر حسرت ہے کہ جدھر بھی آنکھ اٹھاتا ہوں میرے گریہ کے اشک آنکھ سے لیکر دامن تک سب جگہ گھیر لیتے ہیں۔ (حسرت بھرا دل اس قدر لاتا ہے کہ گویا آنکھ سے دامن تک پانی ہی پانی ہو رہا ہے۔ بہت روتا ہوں)

(۳) طاقت کے ترکش میں میری آہوں کے تیر اس طرح باہم گڑ کھاتے ہیں کہ ان کی نوک تیر سے برادہ جھڑ جھڑ کر میرے زخم سینہ پر گرنے لگتا ہے۔ (سینہ میں بیشمار آہیں اٹھ رہی ہیں۔ مگر میں ان کو روکتا ہوں۔ آہیں تو یا تیر ہیں۔ ضبط کے سبب آپس میں رگڑ کھاتی ہیں۔ جب تیر آپس میں رگڑ کھائیں۔ تو ان کی نوک سے برادہ جھڑیگا۔ اور برادہ زخم کو لگا کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ آہوں کے ضبط کرنے سے زخم سینہ اور بھی بگڑ رہے ہیں۔ اگر آہ کر لیتا۔ تو طبیعت پر سے کچھ بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے)

(۴) اگر میں تیری جدائی میں بستر پر لیٹ جاؤں۔ تو اسے خودسندی پر محمول نہ کر۔ بلکہ بیقراری میرے سر کو زانو سے اٹھا لیتی ہے (لیٹتا ہوں۔ تو آرام و خودسندی کے لئے نہیں بلکہ بے قراری و اضطراب کی وجہ سے تڑپنے کے لئے)

(۵) جب میری آہ راستے کی گرد کو چہرہ سے جھاڑتی ہے۔ تو اہل درد کے زخموں کا علاج ہو جاتا ہے (آہ سے دردمندوں کی دلجوئی ہو جاتی ہے۔ میری آہ ایسی مؤثر ہے۔ کہ میرے دل کا تو کیا ذکر میرے اہل دردوں کا درد دور کر ہو جاتا ہے)

(۶) میں حسرت سے جان دے رہا ہوں میری آنکھوں کو کوئی یہ کہہ دے کہ اگر ایک آنسو اور گر پڑا۔ تو تمام زمانے کو طوفان گھیر لے گا۔ (اگر میں حسرت سے تمام دنیا کو غرقاب کر دوں۔ غالب کہتے ہیں)

ایں ہمہ آرزو ما غالب تو و حسرتِ جہاں — دیکھنا یہ ہے بستیوں کو تم کر دیراں ہوتے ہیں

(۷) اگر تیری یاد کے سوا نظیری کے دل میں کچھ اور ہے۔ تو خدا کرے جو بھی وہ ہے دل سے نکل جائے۔ تو خدا کرے ہر طرف سے نسیان (کی بیماری) گھیر لے (اگر تجھے دل سے بھلا دیں۔ تو خدا کرے۔ تجھے کچھ یاد نہ رہے)

غزل نمبر ۹۷

بحر ہزج ہشمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۱ نشان آنکہ کردم قطع امید از دیارِ خود — نہادم در حریمِ کوئے او سنگِ مزارِ خود

۲ برہمن از صنم برگشت و حاجی از حرم آمد — من و اخلاص و عرضِ بندگی و کوئے یارِ خود

۳ تو خواہی کافری داں طاعتم خواہی مسلمانی — مرا کار است با صدقِ دلِ امیدوارِ خود

۴ خلل گر در بنائے دین و ایمانم شود سہلست — ندانم نقض در بنیادِ عہدِ استوارِ خود (ن ندارم)

۵ زرِ کامل عیارم در وفا و دوستی خالص — گرم صد بار بگدازی نگردم از دیارِ خود

۶ لبِ امید داری بستہ ام از حرفِ نایابی — محبت میکند نوعے کہ باید کردِ کارِ خود

۷ نظیری از تو در خوں زینتِ ہر دام از صیدے — تو ہم فتراک را آرایشے دہ از شکارِ خود (ن شد چون)

(۱) اس بات کے نشان کے طور پر کہ میں نے اپنے دیار سے امید منقطع کر لی ہے۔ میں نے اُس کی گلی کی چار دیواری کے اندر اپنا سنگِ مزار رکھ دیا ہے (کہ مرا بھی یہاں سے نہ جاؤں گی)

(۲) برہمن نے صنم کو چھوڑ دیا ہے۔ اور حاجی حرم کو چھوڑ کر آگیا۔ (دونوں نے وفاداری میں اُستواری کا ثبوت نہیں دیا) مگر میں ہوں اور سچی محبت ہے۔ اور عرضِ بندگی ہے اور اپنے یار کا کوچہ ہے۔ (میں خلوصِ محبت اور محبوب کی خدمت میں عرضِ غلامی کے لئے اُس کے کوچے میں مستقل طور پر قیام پذیر ہو چکا ہوں۔ اور برہمن اور حاجی کی طرح اس کوچے کو چھوڑ کر نہیں چلا جاؤں گا)

نہ غرض ترسم کے وفا سے نہ صنم کدہ کی بنا ہے — مجھے کام ہے دیارِ سے دیارِ پھر وہ کیا ہے

(۳) تو خواہ میری طاعت کو کفر جان اور خواہ مسلمانی۔ مجھے تو صرف اپنے امیدوار دل کے صدق و خلوص سے کام ہے۔ (میں صدقِ دل سے طاعت بھی کرتا ہوں مجھے اس سے بحث نہیں۔ کہ تو اسے کیا نام دیتے ہو)

(۴) اگر میرے دین و ایمان کی بنیاد میں خلل ہو۔ تو ممکن ہے۔ مگر میں اپنے مستحکم عہد (عشق) کی بنیاد میں کوئی خلل اور شکستگی نہیں پاتا (عہدِ عشق تو وفا بھی نہیں ٹوٹ سکتا)

(۵) میں وفا اور دوستی میں بالکل کھرا اور خالص سونا ہوں۔ اگر تم مجھے سو دفعہ بھی پگھلاؤ۔ تو پھر بھی میرے کھرے پن میں فرق نہ آئے گا۔ (آزمائشوں اور امتحانوں میں پورا اتروں گا۔ اور سختیوں سے گھبرا کر ترکِ عشق و وفا پر آمادہ نہ ہو جاؤں گا)

(۶) میں نے اپنے امید کے لبوں کو ناکامی کے لحاظ و ڈر سے بند کر رکھا ہے۔ (لبِ امید پر حرفِ ناکامی نہیں لایا) بیشک محبت اپنے کام تو اسی طریق سے انجام دیتی ہے جس طرح کہ انجام دینے کا حق ہے)

(۷) نظیری تیری وجہ سے زخمی ہے۔ اور ہر جال کی زینت شکار سے ہوتی ہے۔ (جو اس میں پھنسا ہو) اس لئے تو بھی اپنے فتراک بند کو اپنے شکار سے آراستہ کر۔ (نظیری تیرا شکار ہے اسے اپنے فتراک میں باندھ لے)

غزل نمبر ۹۸

بحر رمل ثمن محذوف — ارکان:۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ در بروئے عیش تا بستیم دیگر وا نشد — صد کلید آورد بخت و قفلِ این در وا نشد

۲ در گریبانے کہ غم آویخت کمتر شد درست — خوشدلی کم دوخت دامانے کہ یکسر وا نشد

۳ تا غم از ویرانۂ ما راہ آمد شد کشود — دیدۂ شمعِ امیدِ ما ز صرصر وا نشد

۴ ہمچناں مکتوبِ ناکامی بہم پیچیدہ ماند — نامۂ سر بستۂ ما ہیچ جا سر وا نشد

۵ سعی کردم تا مگر از عشق بردارم دلے — قطرۂ خوں نابۂ از روئے اخگر وا نشد

۶ اضطراب از بہرِ جاں بردن بسے پروانہ کرد — ہیچ و تابِ شعلہ اش از بال و از پر وا نشد

آنکہ شب خوابِ نظیری را بافسوں بست
ہیچ کارِ بستۂ او زاں فسوں گر وا نشد

(۱) جب سے ہم نے عشق میں پھنس کر، عیش کا دروازہ بند کیا ہے۔ وہ پھر کھلا ہی نہیں میری قسمت بگڑ گئی، جو بیاں (اس دروازے کو کھولنے کو لائی مگر اس دروازے کا قفل کھل نہ سکا۔ عاشقی میں عیش کا حصول ناممکن ہے! اس میں بخت بھی یاوری نہیں کر سکتا۔ اس کے بالکل برعکس تقابل مطالعہ کیلئے طور پر حالی کا شعر دیکھئے ؎

قفلِ در مراد سب اکبار کھل گئے — چھوڑا جب آرزو نے بھروسہ کلید کا

(۲) غم (عشق) جس گریباں میں اٹک گیا وہ پھر درست نہ ہوا۔ خوش دلی اس دامن کو نہیں سیتی جو سر بسر نہ کھل گیا ہو۔ غم عشق تمام دامن کو یکسر چاک کر ڈالتا ہے۔ اور اس حالت میں خوش دلی اور مسرت پاس بھی نہیں پھٹکتی۔ غم اگر وجہ چاک داماں ہے تو خوش دلی اس کو سینے کا ذریعہ ہے۔

(۳) جب سے غم نے ہمارے ویرانۂ دل کی طرف آمد و رفت کا راستہ پا لیا ہے اس وقت سے تیز و تند ہوا کی وجہ سے ہماری امید کی شمع کی آنکھ نہیں کھل سکی (جب سے عشق میں مبتلا ہوئے ہیں۔ ہماری کوئی امید پوری نہیں ہوئی۔ گویا غم بادِ صرصر ہے اور ہماری امیدیں شمع۔ بادِ صرصر میں شمع کیسے روشن رہ سکتی ہے)

(۴) ہماری ناکامی کا خط اسی طرح بند اور لپٹا ہوا پڑا رہا گویا ہمارا سر بمہر نامہ کسی جگہ بھی کھولا نہ گیا (ہماری ناکامی و نامرادی کی داستان سے کوئی شخص بھی باخبر نہ ہو سکا ہمارے ضبطِ راز کی وجہ سے یا دوسروں کی بے التفاتی کی وجہ سے)

(۵) میں نے کوشش کی کہ شاید عشق سے کسی ایک دل کو بھی اٹھا سکوں (بچا سکوں۔ نکال سکوں) مگر خونابہ کا ایک قطرہ آگ کی چنگاری سے جدا نہ ہو سکا۔ (عشق آگ کا شعلہ ہے۔ اور دل ایک قطرۂ خون۔ آگ پر سے قطرۂ خون کا اٹھا لینا ناممکن ہے جو دل عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ اسی میں جل بھن جاتا ہے)

(۶) پروانہ کو جان کو جانے کے لئے بہت تڑپا مگر شعلہ کی لپیٹ اور جلن اس کے بال و پر سے جدا نہ ہوئی۔ (عشق کے آخری دموں میں عاشق چاہے بھی تو ترکِ عشق نہیں کر سکتا)

(۷) وہ جس نے نظیری کی رات کی نیند کو اپنے فسوں سے باندھ دیا سو باندھ دیا۔ مگر اس جادوگر سے اس نیند کا کوئی بھی بندھوا مشکل ہی کام کھول سکا (عشق میں نظیری کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے گویا معشوق نے جادو کے زور سے اس کی خواب بندی

کر رکھی ہے۔ مگر وہ صرف "لیتن" ہی جانتا ہے۔ اکارون سے واقف نہیں۔ کوئی کاربستہ اس سے دانہ ہُوا یعنی نظیری کو اس نے کبھی تقرب یا ہمزبانی یا وصل سے شاد کام نہ کیا)

غزل نمبر ۹۹

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

دل نمیدانم کجا زیں آستانم میکشد ۱ مرگ مے بینم کہ با ہجراں عنانم میکشد

ہر سرِ مو بر تنم دارد خروشے از وداع ۲ ہجر پیوندِ تو از رگہائے جانم میکشد

داشتم در سینہ پیکانِ خدنگِ کاریے ۳ دستِ غیرت ایں زماں از استخوانم میکشد

ن ہجرت

میکند آسودگی سیرے بگردِ خاطرم ۴ گریہ ہم پائے ز چشمِ خوں فشانم میکشد

قصۂ وارستگی امروز پیشِ دل گذشت ۵ طرفہ حرفِ ناامیدی از زبانم میکشد

بر سرِ بازارِ جاں بازی کماں آویختم ۶ دستِ غیرت بشکنم گر کس کمانم میکشد

میکشم سر از کمندِ او نظیری بعد ازیں
گر بصد زنجیر آں نامہربانم میکشد

(۱) میں نہیں جانتا کہ میرا دل مجھے اس آستان سے کہاں لئے جا رہا ہے۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ موت ہجر کے ساتھ میری باگ کو کھینچے لئے جا رہی ہے (راز چیز سے عنان کشیدن:- کسی کام سے باز رہنا۔ باکسے عنان کشیدن:- کسی کے ہمراہ جانا) ہجر کی وجہ سے مر رہا ہوں۔ گویا ہجر اور موت دونوں ہم رکاب ہیں)

(۲) میرے جسم پر کا ہر ایک بال میرے رد ازع ہو جانے کی وجہ سے تیری جدائی میں) چیخ پکار کر رہا ہے۔ گویا تیرا ہجر میری جان کی رگوں سے اپنا تعلق توڑ رہا ہے۔ (تو میری رگ رگ میں سرایت کر چکا ہے۔ گویا تجھے میری رگہائے جان میں پیوست کر دیا گیا ہے اب جب تو مجھ سے جدا ہو رہا ہے تو گویا وہ پیوند ٹوٹ رہا ہے۔ اس کا جسد کو مجھے تکلیف ہو رہی ہے وہ ظاہر ہے)

(۳) میرے سینہ میں ایک کاری تیر (کا نشتر) چبھ رہی تھی۔ اب یہ مدت غیرت اس کو میری ہڈیوں میں سے نکال رہا ہے (عشق کا تیر سینہ میں پیوست ہو کر بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ سینہ سے نکل جائے۔ کیونکہ اس صورت میں تو میرا ہاتھ اس کو نکالنے کی کوشش کرے گا۔ مگر میرے سینہ میں تیرے سوا کسی اور کی جگہ ہو۔ اگر یہ وہ تیر ہی تیر عشق کیوں نہ ہو۔ غیرت کی بحر کہ اگر غیرت ہو تو سہی بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ (فراق ہجر میں) یہی تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ گویا ہڈیوں میں سے تیر کھینچا جا رہا ہے)

(۴) آسودگی میرے دل کے گرد سیر کر رہی ہے (گریہ بھی میری جان پر ساتھ دینے والی آنکھوں سے پانی نکال رہا ہے (آسودہ خاطر ہوں۔ اور اس لئے گریہ سے فارغ ہوں) پائے کشیدن:- ساتھ جانا۔ ہمراہ جانا) گریہ نہیں رہا)

(۵) آج (عشق سے) آزاد ہو جانے کا قصہ (سنانے والے کے) سامنے بیان کر رہا ہوں۔ اس وقت میرے زبان سے ناامیدی کے عجیب الفاظ نکل رہے ہیں (عاشق عشق سے آزادی کو پسند نہیں کرتا۔ اس قصہ کی باتیں سن کر اس کی زبان سے بے اختیار ناامیدی کے کلمات نکل گئے کہ عشق سے فارغ ہو کر زندگی کا کوئی لطف نہیں)

(۶) میں نے بہادری کے بازار میں کمان لٹکا دی ہے۔ اگر کوئی شخص میری کمان کو (چلے پر چڑھا کر) کھینچ دے۔ تو میں اپنی غیرت کے بازو توڑ ڈالوں۔ (بڑے بڑے بہادروں اور زور آوروں کی آنکھیں نہاں ہیں۔ وفا کی سخت بہادری نہیں۔ کمان بازار میں لٹکا دینا

دعوت مقابلہ دیتا کہ کون میری کمان کو اٹھا سکتا۔ اور نہ کر سکتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جانبازی میں میرا کوئی سہیم و شریک نہیں۔ اگر کسی کو حوصلہ ہے۔ تو آئے اور مقابلہ کر کے دیکھ لے۔ غیرت کے ہاتھ میں عشق میں حیرت رکھتا ہوں۔ کہ مجھ سا کوئی دوسرا نہیں۔ اگر کوئی ایسا نکل آئے۔ تو میں یہ دعویٰ غیرت چھوڑ دوں گا)

(۷) اے نظیری! آئندہ وہ نامہربان اگر مجھے سینکڑوں زنجیروں میں بھی جکڑ لے۔ تو میں پھر بھی اس کی گرفت سے سر نکال لوں گا۔ (اب وہ خواہ کتنے ہی تازہ انداز دکھلائے۔ میں اس کا عشق ترک کر دوں گا۔ واسوخت سے تقابل مطالعہ

کشاں کشاں پھر بھی اضطراب لائے گا — لئے تو جا تا ہے رشک اس کی انجمن سے مجھے

غزل نمبر ۱۰

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ بر قفا چشمت نمے افتد چو ایں در وا شود — آن زماں درگاہ بشناسی کہ صدرت جا شود

۲ آنکہ او در کلبۂ احزاں پسر گم کردہ یافت — تو کہ چیزے گم نکردی از کجا پیدا شود

۳ دوست دارد از غریباں نالۂ بیچارگی — عشق میخواہد کہ کشتی غرقہ در دریا شود

۴ زو ہمہ خوبی زما زشتی ہما نالائق است — پردۂ ما بستہ ماند پردۂ او وا شود

۵ ہر کہ مے خواہد کہ منشورِ خرابا تش دہند — باید اول خانماں بر ہم زن و رسوا شود

۶ شد بہار عمر ناپخت ست انگورم ہنوز — نیست معلوم کہ آخر سرکہ یا صہبا شود

۷ عمرۂ آں کو بر آرم پایم ار آید بکار — حلقۂ آں در بگیرم دستم ار گیرا شود

۸ کم نظیری راست بر جائے نظر افگندہ ام
وائے گر روز جزا چشم و دلم گویا شود

(۱) جب یہ دروازہ کھل جاتا ہے۔ تو پھر تو پیچھے پھر کر بھی نہیں دیکھتا۔ (در محبوب پر رسائی حاصل کرنے کے بعد کسی دوسری طرف توجہ نہیں کرتا جب تجھے صدر یعنی محبوب کے پہلو میں) جگہ ملنی ہے۔ تو پھر تو درگاہ کو پہچانتا ہے (پھر تیری آنکھیں کھلتی ہیں۔)

(۲) وہ جس نے عنکبوت میں (حضرت یعقوب نے) بیٹا کھو دیا۔ (آخر اس نے) پا بھی لیا۔ تو نے جب کوئی چیز کھوئی بھی نہیں تو پائے گا کہاں سے۔ (کچھ کھو کر ہی ملتا ہے۔ مسلمہ اصول ہے)

(۳) (وہ ہمدرد عربوں سے (درد مندی اور عاجزی کے نالوں کو پسند کرتا ہے۔ گویا عشق چاہتا ہے۔ کہ کشتی دریا میں غرق ہی ہو جائے۔ عشق نالہ و زاری کا مقتضی ہے۔ گویا خدا پسند ہے۔ کہ عشاق زاری و فریاد کرتے رہیں۔ اور آپ دریا میں غرق ہو جائیں۔ غریبوں کا لحاظ مختل المعانی ہے۔ ایک تو نالۂ بیچارگی کی رعایت سے عاجز و ماندہ۔ دوسرے کشتی دریا کی مناسبت سے سافر و عشاق)

(۴) وہ ہم تن بوالہوس ہے۔ اور ہم محض عجب اور بڑائی۔ اس لئے یہی مناسب ہے۔ کہ ہمارا پردہ ڈھکا رہے اور اس کا پردہ کھلا رہے (پہلے مصرعہ کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ کہ خوبیاں سب اس کی طرف سے ہیں۔ اور برائیاں ہماری اپنی طرف سے)

(۵) جو تخت چاہتا ہے۔ کہ اس کو خرابات (کی جاگیر) کا فرمان دے دیں۔ وہ چاہئے کہ وہ چلتے پھرتے گھر بار کو تباہ کرنے والا بن کر رسوا ہو جائے۔ (خرابات۔ معرفت میں جگہ بھی حل ہو سکتی ہے۔ کہ پہلے علائق دنیوی کو ملا کر فنا ہو کر عزت و ناموس کو ترک کر دیں

(۶) عمر کی بہار جوانی گذر چکی اور ابھی تک میرے انگور خام اور کچے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ انجام کار سرکہ بنیں گے یا شراب (انگور سے سرکہ بھی بنایا جاتا ہے اور شراب بھی۔ جو عمر کی بہار ہے۔ گزر چکی اور ابھی تک مست و سخت نے گیرتی یا دری نہیں کی نہیں معلوم انجام کیا ہوگا۔)

(۷) اگر میرے پاؤں کام دیں تو اس کے کوچے کا عمرہ (طواف) بجا لاؤں۔ اور اگر میرے ہاتھوں میں پکڑنے کی قوت ہو تو میں اس کے دروازے کا حلقہ ضرور پکڑ لوں (یا تو یہ مطلب ہے کہ عشق میں طاقت رفتار اور قوت گرفت جواب دے چکی ہے۔ یا یہ کہ میں اگر عبادت و ریاضت اور احکام شرع کو بجا نہیں لاتا تو میرا قصور۔ نہیں کہ میں مجبور ہوں۔ اور اختیار بدست مختار ہے)

(۸) (اے ظہوری! میں نے کبھی کسی مقام پر سجدہ بھی اور صحیح نظر کم ہی ڈالی ہوگی۔ (حقیقت اشیاء پر میری نظر نہیں پڑتی۔ بلکہ سطحی صورتوں اور شکلوں کو دیکھتا ہوں) کس قدر افسوس ہوگا۔ اگر جزا کے دن میری آنکھ اور دل بولنے لگے (میرے خلاف شہادت دینے لگے۔ کہ اس نے آنکھ سے دیکھنے میں اور دل سے محبت میں حقیقت و معرفت کو نظر انداز کر دیا)

غزل نمبر ۱۰۱

بحر رمل مثمن مخبون مسکن — ارکان:- فاعلاتن۔ فعلاتن فعلاتن فعلن

۱ ہر سر شاخ دریں باغ ہوائے دارد — ہر گلے رنگے و ہر مرغ نوائے دارد

۲ یک تبسم کام امیدم ہمہ شیریں کردہ است — نزد خود ہر لبے فرہمائے دارد

۳ برہمن ہم ز دیرِ بت کدہ نومید نشد — در ہر خانہ زنی خانہ خدائے دارد

۴ حسن ہر جلوہ کہ از جائے دلت را ببرد — از پیش گر بروی راہ بجائے دارد

۵ نیست در حلقۂ مستان زمن آلودہ ترے — اہلِ ہر سلسلہ انگشت نمائے دارد

۶ تا ز خورشید وصالش بفراق افتادم — ہر کہ بر من گذرد طعنِ خطائے دارد

ن فردوس

۷ بفسونِ دہنش بارِ اقامت مکشا — کان سرِ چشمہ عجب زہر گیائے دارد

۸ تا بماند بغلط مہرہ فلک میبازد — گرچہ خصلے نہند ذوقِ وغائے دارد

۹ حذر از شہرتِ خونریز کسے باید کرد — کہ اگر کشتہ شود نوحہ سرائے دارد

۱۰ بمن آں کن کہ سزاوارِ جمالِ تو بود — شمع در سوزش پروانہ سزائے دارد

غم مخور الفتِ معشوق مظہری با تست
بودِ ہر ذرہ بجز رشید بقائے دارد

(۱) اس باغ میں ہر ایک شاخ کوئی خاص شوق و ولولہ لئے ہوئے ہے۔ ہر پھول کوئی خاص رنگ اور ہر پرندہ کوئی خاص نغمہ رکھتا ہے۔ (ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است)

(۲) (اس کی ہنسی کی) ایک تبسم نے میری امید کے حلق کو شیریں کر دیا ہے۔ (ذرا سا مسکرا کر اس نے مجھے پر امید کر دیا ہے)

اپنے نزدیک ہر کھی ہما کا دبدبہ رکھتی ہے (اس کی ذرا سی مسکراہٹ بھی بہت ہے پہلے مصرعہ میں کام شکر کے ساتھ مل کر شکر کا کام بخشی شیریں دہن سلونی پڑھا جا سکتا ہے اور امید کا مضاف الیہ بنا کر کام امیدم بھی)

(۳) برہمن بھی بتکدہ کے دروازے سے ناامید نہیں ہوا اس لئے کہ تو جس گھر کا دروازہ بھی کھٹکھٹائے گا اس میں کوئی نہ کوئی گھر کا مالک موجود ہوگا پھر تو اس مالک حقیقی کا دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹاتا کہ بامراد ہو۔ برہمن بت سے ناامید نہیں ہوتا اور تو اس قادر مطلق سے ناامید ہوا جاتا ہے)

(۴) ہر اس جلوہ کا حسن جو تیرا دل چھین لیتا ہے۔ ردل از جا بردن:۔ دل کو اپنی جگہ نہ رہنے دینا مبتلائے عشق کر لینا، اگر تو اس کا تعاقب کرے تو دیکھے معلوم ہوگا کہ وہ بھی آخر ایک خاص مقام پہ پہنچ جاتا ہے ہر حسن کا مرکز ایک ہے۔ اس لئے اگرچہ عشق مجازی ہی کیوں نہ ہو۔ وہ تمہاری عشق حقیقی کی طرف رہنمائی کرے گا)

(۵) مجھ سے بڑھ کر مستوں کے حلقہ میں کوئی گنہگار نہیں ہے (قاعدہ کی بات ہے کہ ہر سلسلہ والوں میں کوئی نہ کوئی انگشت نما ہوتا ہے (انگشت نما:۔ جس کی طرف اشارے اور طعن کے لئے انگلیاں اٹھیں۔ برائی میں مشہور۔ ہر خاندان اور سلسلہ میں کوئی نہ کوئی شخص اپنے عیوب کی وجہ سے انگشت نما ہوتا ہے مستوں کے حلقہ میں اس قسم کا شخص میں ہوں)

(۶) جب سے میں اس کے وصال کے بہشت سے فراق میں گرا ہوں، جو شخص بھی میرے پاس سے گزرتا ہے مجھے گناہ کا طعنہ دیتا ہے (اس کا وصال گویا بہشت تھا، فراق بہشت سے ہبوط ہے، اس لئے افتادم کا لفظ لایا ہے۔ آدم کو لغزش کی وجہ سے بہشت سے نکال دیا گیا تھا میری حالت ہجر کو لوگ میرے کسی گناہ کا نتیجہ قرار دے کر مجھ پر طعنہ زنی کرتے ہیں) حسن مجازی کا حسن حقیقی کی طرف رہبری اگرچہ تصوف کے بنیادی اصولوں میں شمار ہوتا ہے لیکن بعض ارباب علم یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ تصوف اسلامی کی رو سے اس مسئلہ کی عام تعبیر سے کوئی نسبت نہیں ہے، اور یہ نوع افلاطونی فلسفہ اور شاعر کی کلاسیکی ضمنیات کا اثر ہے)

(۷) اس کے منہ کے منتر کے پاس اپنے قیام کا سامان مت کھول (اس کا منہ جادو کا منتر ہے اس کے عشق میں گرفتار نہ ہو۔ کیونکہ وہ سرچشمہ عجب زہر گیا رکھتا ہے (زہر گیا کے مقابلے میں گہ مؤثر محبت و الفت ہے۔ اس کا دہن زہر گیا، کی خاصیت رکھتا ہے تمہیں اس سے زہر ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا)

(۸) آسمان جب تک موجود ہے (تا بماند) غلط فہمی کھیلتا رہے گا (آسمان کبھی سیدھی چال نہ چلے گا، اگرچہ اس نے داؤ پر کچھ بازی نہیں لگا رکھی۔ مگر بھی پھر وہ فریب کا شوق رکھتا ہے (خصلت بفتح خار داؤ اور داؤ پر جو نقدی لگائی جائے جس شخص نے داؤ پر نقد بازی لگا رکھی ہو۔ وہ تو اس نقدی کے بچاؤ کیلئے فریب کی کچھ وجہ جواز پیش کر سکتا ہے۔ مگر آسمان یونہی فریب کرتا ہے)

(۹) اس شخص کی خونریزی کی شہرت سے بچنا چاہئے کہ اگر اسے قتل کر دیا جائے تو اس کا کوئی نوحہ کرنیوالا بھی موجود نہ ہو (دو نوحہ مرا مقتول کے قتل کو شہرہ آفاق کر دے گا۔ اور اس طرح قاتل رسوائے عالم ہو جائے گا۔ غالباً شاعر لطیف پیرائے میں معشوق کو اپنے قتل کی دعوت دیتا ہے۔ کہ بدنامی سے مت ڈر میرا تو رونے والا بھی کوئی نہیں۔ اس لئے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی شہرت خون ریز:۔ خونریزی کی شہرت۔ وہ شہرت جو مقتول ہونے پر حاصل ہوگی یا شہرت جو خونریز ثابت ہوگی۔ پہلے معنی بہتر معلوم ہوتے ہیں)

(۱۰) میرے ساتھ ایسا سلوک کر جو تیرے حسن کے شایان شان ہو (شمع بھی پروانے کے جلانے میں مناسبت کو ملحوظ رکھتی ہے تو بھی اپنے حسن کی سوزش سے مجھے جلا ڈال۔ اگر دوسرے مصرعہ کے معنی "شمع پروانے کو جلانے کی وجہ سے سزا پاتی ہے" کئے جائیں تو مفہوم بالکل بدل جائیگا یعنی تو مجھے جلا نہیں کیونکہ شمع الم مراس کے معنی کے لئے در سوزش کی جگہ۔ آزمودش ہونا چاہیئے)

(۱۱) اے نظیری! غم نہ کھا (معشوق کا غم تیرے پاس موجود ہے اور ہر ذرے کی ہستی آفتاب ہی کی بدولت بقار و ثبوت رکھتی ہے (غم عشق۔ آفتاب اور عاشق ذرہ حقیر ہے۔ عاشق کی بقا غم معشوق پر موقوف ہے)

غزل نمبر ۱۰۲

بحر مضارع مثمن اخرب — ارکان:۔ مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

گر تشنہ بر سر خم میے رم عجب نباشد ؛ رحمے نمے نمایند تا جاں بلب نباشد

باصد امید خواندند کز انتظار سوزند ۲ چوں در نمے کشایند کاش ایں طلب نباشد
صہبائے راز دادند سرمستِ شوق کردند ۳ گویند لب کشودن شرطِ ادب نباشد
من یک سبب ندارم در گیر بر درِ بخت ۴ یک مدعا نسازند تا صد سبب نباشد
چوں زلتے بہ بینند آمرزشے نمایند ۵ پائے اگر نلغزد جائے طرب نباشد
ہرگز دلِ تو انگر لذت نیابد از عشق ۶ غم نیست عاشقاں را گر قوتِ شب نباشد

از عقدہائے دوراں دل بد مکن نظیری
آنرا کہ واگذارند جز از غضب نباشد

(۱) اگر میں غم کے پاس پیاسا مر جاؤں تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ جب تک کوئی شخص جاں بلب نہ ہو۔ وہ رحم نہیں کیا کرتے عشق میں نے وصل سے آسانی سے سیراب نہیں کرتے،

(۲) وہ جنہوں نے ہمیں سینکڑوں امیدیں دلا کر بلایا۔ اب انتظار میں جلا رہے ہیں۔ جب وہ دروازہ نہیں کھولتے تو کاش یہ طلب ہی نہ ہوتی (اگر عشق میں مبتلا کر کے جلانا اور انتظار ہی کروانا تھا تو ہمیں پہلے ہی سے جمال نہ دکھلایا ہوتا۔ جس کے فریب میں ہم آ گئے)

(۳) انہوں نے ہمیں راز کی شراب پلا دی اور عشق و محبت میں سرمست کر دیا۔ اور پھر ہمیں کہتے ہیں کہ لب کھولنا (اظہارِ راز کرنا) شرط ادب کے خلاف ہے (سرمستیِ محبت و راز کی حالت میں راز عشق کے انشا کا حکم ہے ظاہر ہے کہ مستی میں بات کا منہ سے نکل جانا بس کی بات نہیں)

(۴) میرے قبضے میں تو ایک سبب بھی نہیں۔ حالانکہ قسمت کے دروازے پر جب تک سو سبب موجود نہ ہوں۔ ایک مقصد کو بھی پورا نہیں کرتے (بے شمار اسباب مہیا ہوں تب کہیں قسمت سے ایک مقصد پورا ہوتا ہے۔ پہلے مصرعہ میں "در گیر" "گرفت ہیں" کے معنوں میں ہے)

(۵) جب کوئی لغزش اور غلطی دیکھتے ہیں تو عفو و بخشش کو ظاہر کرتے ہیں (جس سے غلطی ہوا ہی کو معاف کرتے ہیں)، اگر کسی شخص کا پاؤں نہیں پھسلتا (غلطی نہیں کرتا) تو یہ کوئی خوشی کا مقام نہیں (گناہ و لغزش کے بعد ندامت و استغفار سے گناہگار رحمت و بخشش کا مستحق ٹھہرتا ہے جس سے گناہ ہی نہیں ہوا اس کا استحقاق آمرزش کیسا اس مضمون پر حافظ کا یہ شعر بے نظیر ہے اور تمام کوششیں اس کا منہ چڑا رہی ہیں ؎

نصیب ما ز بہشت ار نہ آدم اشناں بود کہ مستحق کرامت گنہگار انند)

(۶) تو انگر آدمی کا دل عشق سے ہرگز کوئی لطف حاصل نہیں کر سکتا۔ عاشق تو وہ ہوتے ہیں کہ اگر ان کے پاس شب کا کھانا بھی موجود نہ ہو تو انہیں کوئی غم نہیں ہوتا (عشق میں برداشت شدائد کی قوت درکار ہے جو امرا میں نہیں پھر وہ عشق سے کیا لطف اندوز ہو سکتے ہیں)

(۷) اے نظیری! زمانے کی مشکلات سے بد دل اور ملول مت ہو کیونکہ جسے بالکل آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ سوا غضب کے اور کسی وجہ سے نہیں (واگذارند۔ عقدہائے مقابلے میں لایا ہے۔ مصائب زمانہ کو "عقدہ" گرہیں قرار دیا ہے۔ گویا جس شخص کو یہ گرہیں نہیں لگائی گئیں اور اسے "واگزار" کر رکھا ہے اس کی واگذاری قہر و غضب کی وجہ سے ہے نہ کہ لطف و کرم کے باعث)

غزل نمبر ۱۰۳

بحر مضارع مثمن اخرب محذوف — ارکان:- مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

آں بختِ فتنہ جو کہ تو دیدی بخواب شد ۱ — واں دل کہ بود سخت تر از خارہ آب شد

گلگونۂ ہوا و ہوس رنگ واگذاشت ۲ — خال و خطِ عروسِ طبیعت خراب شد

دل را کہ حرفِ سوختگاں داغ کردہ بود ۳ — میرفت تا بر آتشِ ایشاں کباب شد

در بحرِ شوق کشتیِ دل ریسماں برید ۴ — در کوئے یار خیمۂ تن بے طناب شد

ایں بوئے سنبل و گلِ ہر کشورے نخاست ۵ — تا در خطا کدام گیا مشک ناب شد

دایم کسے بقافلہ بودہ است پاسباں — بیدار شو کہ چشمِ رفیقاں بخواب شد

خشکیٔ لب بہ تشنہ لباں آب میدہد ۶ — تا مستعد شدیم دعا مستجاب شد

مستی چہ خوب کرد کہ ایں پردہ برگرفت — رخسارۂ حقیقتِ ما بے نقاب شد

تا بر سخ واقعاتِ شہاں نانوشتہ ماند
افسانۂ کہ گفت مخاطب کتاب شد

(۱) وہ فتنہ کا خواہشمند بخت جسے تم نے دیکھا تھا وہ سو گیا ہے (وہ زمانہ جب میں خود مشکلات اور حوادث کو دعوتِ مقابلہ دیا کرتا تھا گزر چکا اور وہ دل جو پتھر سے بھی زیادہ سخت تھا اب پانی پانی ہو چکا ہے۔

(۲) ہوا و ہوس کے غازے کا رنگ چھٹ گیا اور دور ہو گیا، اور طبیعت کی عروس کے خط و خال خراب ہو گئے (بڑھاپا آ گیا اور ہوا و ہوس کا رنگ سرد پڑ گیا۔ گویا طبیعت جوانی میں عروس تھی جس کے خط و خال اب بگڑ گئے ہیں)

(۳) وہ دل جس کو سوختگانِ عشق کی باتوں نے داغ کر رکھا تھا (وہ دل کوئے عشق میں) جاتا رہا۔ یہاں تک کہ انہیں کی آگ میں جل کر کباب ہو گیا۔ (وجود دل بھی عاشقوں کے حالات سن سن کر ان کی حالت پر افسوس سے کڑھا کرتا تھا۔ خود آتش عشق میں جل بجھا)۔

(۴) عشق کے سمندر میں دل کی کشتی نے ریسماں توڑ ڈالیں (تمام سہارے اور تعلقات ترک کر دیئے) اور یار کے کوچے میں جسم کا خیمہ بے طناب ہو گیا (گر پڑا)

(۵) یہ خوشبو ہر ایک ملک کے گلاب و سنبل سے پیدا نہیں ہوئی معلوم نہیں خطا میں کونسی گھاس خالص مشک بنتی ہے (ایک ہی نوع کے مختلف افراد میں سے سربلندی و عظمت کسی ایک آدھ ہی کے حصے میں آتی ہے)

(۶) قافلے میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی پاسباں ضرور رہا کرتا ہے۔ تو بیدار ہو کیونکہ باقی تمام رفیقانِ قافلہ سو گئے ہیں (باقی سب لوگوں پر غفلت چھا گئی ہے۔ تو تو ہوشیار رہو کہ بیخبری میں قافلہ لٹ نہ جائے۔ اگر مصرعہ کو بطور استفہام انکاری لیا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ قافلے میں کوئی شخص ہمیشہ پاسباں نہیں رہتا۔ کئی جا چکے تمہیں ہوش کرنا چاہیئے۔ کہ تمہاری باری بھی آنے والی ہے)

فگندہ ناقۂ عمار ہی و سار باں غافل — متاعِ بردہ حرامی و ہی رواں خفتہ

(۷) ہماری خشکیٔ لب تشنہ لبوں کو آب دیتی ہے۔ ہم جب سے کمربستہ ہو گئے ہیں۔ ہماری دعا قبول ہو گئی ہے رخشکیٔ لب دعا روزاری کرنے کی وجہ سے لب خشک ہو گئے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تشنہ لبوں کو ہماری خشک لب سے مشابہت کی وجہ سے عزت و آبرو حاصل ہے۔ دوسرا مطلب یہ کہ گو دعا و زاری کی وجہ سے ہمارے لب خشک ہو رہے ہیں مگر ان میں وہ اثر و برکت ہے کہ تشنہ لبوں کو اپنی دعا کے ذریعہ سے سیراب کر سکتے ہیں مستعد:۔ کمربستہ مراد دعا و عبادت پر کمربستہ ایک اور طرح یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ تشنہ لبوں کو ان کی خشکیٔ لب آبرو بخشتی ہے چنانچہ جب سے ہم مستعد عبادت و ریاضت ہو کر تشنہ لب ہوئے ہیں ہمیں قبولیت دعا کا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے)

(۸) مستی نے کیا خوب کیا کہ یہ پردہ اٹھا دیا اور ہماری حقیقت کے چہرے کو بے نقاب کر دیا ہم نے مستی میں افشائے راز کر دیا ورنہ ہماری حقیقت چھپی رہ جاتی۔ شاعر کی مراد "انا الحق" سے ہے کہ درحقیقت انسان بلکہ تمام کائنات بقول صوفیاء اسی وحدت کا ایک قطرہ ہے)

(۹) بادشاہوں کے واقعات کی تاریخ تو ان لکھی رہ گئی ان کے لکھنے کی طرف تو کسی نے خاص توجہ نہ دی، مگر جو افسانہ نظیری نے بیان کیا وہ کتاب بن گیا۔ داستان عشق یا اشعار نظیری محفوظ کر لئے گئے)

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام

غزل نمبر ۱۰۴

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور الآخر — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل

دوران مئے حسرت ہمہ در ساغرِ ما کرد ۱ — ہر ہر چہ نہادیم دل از دیدہ جدا کرد

نکشود قضا شست کہ آہے نکشیدم ۲ — بر دوست ترم خورد خدنگے کہ رہا کرد

بازوئے ہنر دارم و اقبال ندارم ۳ — میکوشم و کارے نتوانم بسزا کرد

فریاد بر اریم ازاں یار مشعبد ۴ — کو از ازل ایں شعبدۂ چرخ رہا کرد

خود طلعتِ خود دیدہ و گر پردہ برانداخت ۵ — خود فتنۂ خود گشت و گر فتنہ بپا کرد

با آنکہ لبش داد منادیٔ محبت ۶ — نہ بر سرِ مہر آمد و نے عہد وفا کرد

ناوک فگنے بر سرِ ہر راہ نشانید ۷ — در عشق کمندم بگلو بست و رہا کرد

دشمن بارم افگند و دوست با آتش ۸ — با اینہمہ حد نیست کہ گویم کہ جفا کرد

چندیں سخنِ عشق کہ گفتند و شنیدند ۹ — کس حقِ محبت نتوانست ادا کرد

بر بند بجائے پر و بالش سر و منقار ۱۰ — مرغے کہ بلند از سر ایں شاخ نوا کرد

خورسند بتسلیم و رضا گشت نظیری
" مسکین نتوانست خصومت بقضا کرد

(۱) زمانے نے حسرت کی شراب تمام کی تمام ہمارے ہی پیالے میں ڈال دی ہے (تمام حسرتیں میری قسمت میں لکھ دی ہیں)
ہم نے جس چیز پر بھی دل رکھا (جس چیز کو بنظرِ پسند دیکھا) اسی کو ہماری آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیا۔

(۲) قضا نے کوئی تیر نہ چھوڑا جس کی وجہ سے میں نے آہ نہ کی ہو۔ (ہر تیرِ قضا کا نشانہ میں بنا۔) جو تیر بھی اس نے چھوڑا وہ میرے سب سے زیادہ پیارے کو لگا (دوست تر سب سے زیادہ دوست یعنی دل)

(۳) میرے پاس ہنرمند بازو تو ہیں۔ مگر اقبال مندی نہیں۔ میں کوشش کرتا ہوں (کوشش کا تعلق بازوئے ہنر سے ہے) مگر کوئی کام بھی بوجہ احسن نہیں کر سکتا (کیونکہ اقبال یاور نہیں)

(۴) ہم اس شعبدہ باز دوست کی وجہ سے فریاد کرتے ہیں۔ کیونکہ اس نے روزِ ازل سے یہ آسمان کا شعبدہ چھوڑ رکھا ہے۔ (آسمان ہر روز نیا رنگ بدلتا ہے مگر آسمان خود کچھ نہیں کر سکتا۔ جو کچھ کرتا ہے اسی کے حکم سے کرتا ہے)

(۵) اس نے خود ہی اپنا چہرہ دیکھ کر پردہ الٹ دیا۔ خود ہی اپنے اوپر فریفتہ ہو گیا۔ اور پھر فتنہ برپا کر دیا (صوفیاء کے عقیدۂ "ہمہ اوست" کے مطابق سب کچھ وہ خود ہی ہے)

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گِل کوزہ — خود بر سرِ بازار خریدار برآمد

(۶) باوجودیکہ اس کے لبوں نے محبت کا اعلان عام کر دیا مگر نہ تو وہ کبھی برسرِ محبت آیا اور نہ کبھی عہد کو وفا کیا۔

(۷) اس نے ہر راستے کے اوپر ایک تیر انداز بٹھا رکھا ہے۔ اور عشق کی کمند میرے گلے میں ڈال کر مجھے آزاد کر دیا۔ (ہر طرف عشق کے تیر انداز موجود ہیں۔ عشق کی کمند سے گلو خلاصی ممکن نہیں)

(۸) وہ دشمن کو بہشت میں ڈالتا ہے اور دوست کو دوزخ میں۔ باوجود اس کے میری طاقت نہیں کہ یہ کہوں کہ اس نے ظلم کیا ہے (وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور وہی موزوں و مناسب ہوتا ہے۔ بندے سے بڑا پاپی سابطور استحقاق بہشت میں نہیں جا سکتا۔ اور بڑے سے بڑا ملحد و بے دین (ہریہ کو اگر وہ اپنے فضل سے چاہے تو بہشت میں جگہ دے سکتا ہے۔ اور پارسا کو دوزخ میں بھیج سکتا ہے)

(۹) اگرچہ لوگوں نے عشق و محبت کی اس قدر باتیں کہی اور سنی ہیں۔ مگر کوئی شخص بھی محبت کا حق ادا نہ کر سکا (حقِ محبت ادا کرنا آسان کام نہیں)

(۱۰) (دوسرا مصرعہ پہلے) جس مرغ نے اس شاخ پر نغمہ بلند کیا (عشق کا راز افشا کیا) اس کے پر و بال کی جگہ سر اور چونچ کاٹ ڈالتے ہیں۔ اس مضمون پر عرفی کا ایک قطعہ بند یاد رکھنے کے قابل ہے ؎

صیدِ دل را کشد و بند کسے — کہ اگر سر کشد سر اندازد
مرغِ عنواں را بردِ باغ گلے — کہ اگر پر زند پر اندازد

(۱۱) نظیری دوست کی رضا اور تسلیم پر خوش ہو گیا (رضا۔ دوست کی مرضی پر رضامند ہو جانا تسلیم۔ اپنے کو دوست کی مرضی کے حوالے کر دینا) بے چارہ تقدیر سے نہیں جھگڑ سکتا تھا کہ اس کی تقدیر میں اس معشوق کا عشق لکھا تھا۔)

غزل نمبر ۱۰۵

بحر رمل مثمن مخبون محذوف — ارکان: فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

۱ نہ ز جہدم بکفِ بختِ عناں مے آید — نہ بزورم زہِ دولت بکماں مے آید
۲ نہ مرا بازوئے قایم نہ مرا دیدۂ راست — ہمہ بے قصد خدنگم بہ نشاں مے آید
۳ تو کہ آسودہ دلی از نفسم سود مخواہ — منکہ شوریدہ ام آتش بزباں مے آید
۴ سخنِ مردمِ دیوانہ حقیقت دارد — در عبارت باشاراتِ نہاں مے آید
۵ عشق در مملکتِ عقل چو سلطاں گردد — روش و عادتِ دیگر بمیاں مے آید

ن سوز

میکنم سور چو از خانہ علائق برود ۶ میدہم خیر چو از راہ بیاباں مے آید
ہمہ بر خویش ز بیم دم آخر لرزند ۷ جائے خوفست کہ کشتی بکراں مے آید
مرد درگاہ و سر اپردۂ عزت نبود ۸ ہر کہ دامن بسر پائے کشاں مے آید
وصل جویانِ تو بر بوئے نسیمے گردند ۹ کہ از بوئے تلف کاری جاں مے آید
طاقتِ جور و جفا نیست تنک حوصلہ را ۱۰ گریہ چوں نکند دل بفغاں مے آید
اینکہ با طبع شبابست نظیری چہ عجب
میرود پیر بمیخانہ جواں مے آید ۱۱

(۱) نہ تو میری کوشش سے بخت کے ہاتھ میں (اختیار کی) باگ آتی ہے اور نہ میرے زور سے دولت کی زہ کمان میں آتی ہے۔ (زور بازو سے دولت حاصل نہیں کر سکتا۔ گریبان دولت کڑی ہے اور میں اسے زہ نہیں کر سکتا)
(۲) اگرچہ نہ تو میرے بازو ہی قایم ہیں۔ اور نہ میری آنکھیں ہی درست (دیکھ سکنے والی ہیں) مگر اس کے باوجود میرے تمام تیر بے ارادہ نشانے پر بیٹھ رہے ہیں۔ (میں بااثر ہوں)
(۳) تو کہ خوش دل ہے، میرے دم سے منفعت کی امید مت رکھ (میری تپش اور جلن تمہیں اور تمہاری آسائش کو جلا دیگی یا یہ کہ تم میں عشق سے فیض پانے کی اہلیت نہیں) اور میں جو شوریدہ اور دیوانہ ہوں میری زباں سے آگ جھڑتی ہے۔ (محبان عشق گویا آگ کی چنگاریاں ہیں)
(۴) دیوانے آدمیوں کی بات میں حقیقت ہوتی ہے اور وہ (حقیقت) عبارت میں پوشیدہ اشاروں سے بیان کی جاتی ہے (دیوانگی طریقت و معرفت کی باتیں در اصل حقیقت کے اشارات پر مشتمل ہوتی ہیں)
(۵) جب عشق عقل کی مملکت پر فرمانروا بن جاتا ہے تو پھر نئے ہی طور طریقے رائج ہو جاتے ہیں (عقل کی جگہ دیوانگی و شیفتگی لے لیتی ہے)
(۶) جب گھر بار سے میرے تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں تو خوشی مناتا ہوں۔ اور جب مجھے راستہ میں نقصان پہنچتا ہے۔ تو میں خیرات دیتا ہوں (عشق میں خانماں بربادی اور قطع علایق ہی کامیابی کا ذریعہ ہے)
(۷) سب لوگ آخری وقت (موت) کے خوف سے اپنے آپ میں کانپتے ہیں۔ کیا یہ کوئی خوف کا مقام ہے کہ کشتی کنارے کے پاس آ رہی ہے (یعنی در اصل موت خوف کا موقع نہیں کیونکہ کشتی عمر ساحل زندگی کے کنارے لگ رہی ہوتی ہے۔ اس کامیابی پر خوشی ہونا چاہیئے۔ استفہام کے بغیر دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہوگا۔ یہ خوف کا مقام ہے کیونکہ کشتی ساحل کے کنارے لگ رہی ہے کنارے کے پاس کشتی کے ریت میں دھنس جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ موت کے وقت بھی خطرہ ہے کہ کشتی ایمان کفر اور انکار کی دلدل میں پھنس کر رہ نہ جائے)
(۸) (دوسرا مصرعہ مقدم) جو شخص فخر و ناز سے چلتا ہے (دامن بسر پا کشیدن:۔ دامن کو پاؤں میں لٹکاتے ہوئے چلنا۔ علامت کبر و نخوت) وہ عزت کے مکان اور درگاہ کا مرد میدان نہیں۔ ایسے طریقت کی بارگاہ اور حریم عزت میں جگہ نہیں مل سکتی)
(۹) تیرے وصل کے طالب اس نسیم کی خوشبو پر گرویدہ و فریفتہ ہیں۔ کہ جس سے جان کی تلف کاری کی بو آتی ہو (وہ ہوا جو تیرے کوچے سے آتی ہے اس کے ساتھ تیرے کوچے کے کشتگان ناز کی بوئے خون بھی شامل ہوتی ہے۔ یہ گویا عاشق کو پیغام جاں سپاری ہے۔ اور وہ اسے بصد ذوق لیتا ہے۔ یا یہ کہ نسیم میں بوئے جاناں شامل ہے اور وہ عاشقوں کا جان لیوا ہے۔ اس کے باوجود وہ اس نسیم کو پسند کرتے ہیں)
(۱۰) تنگ حوصلہ شخص میں جور و جفا کے برداشت کی طاقت نہیں ہوتی کیونکہ وہ بیچارہ، جب ضبط گریہ کرتا ہے تو اس کا دل فریاد کرنے لگتا ہے (اور اس طرح ضبط برداشت کو جواب دے بیٹھتا ہے)
(۱۱) یہ جس حالت میں کہ نظیری طبع جوان رکھتا ہے (جوانی کے عالم میں اس کی جو کیفیت ہے) اس سے کوئی تعجب نہیں کہ وہ بوڑھا ہو کر مے خانے میں جائے اور جوان ہو کر نکل آئے (جوش اور زور بیان کا نظیری کی طبیعت میں کوئی ٹھکانا نہیں۔ بڑھاپے میں بھی عشق و الفت کی وجہ سے اس میں کمی نہ آئے گی)

غزل نمبر ۱۰۶

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاعِ لات مفاعیل فاعِ لُن

بیگانہ رو شود بدرِ آشنا رود ۱ — آں کس کہ آشنا بتو باشد کجا رود
از خاکبوسِ کوئے تو تا پاکشیدہ ام ۲ — بر راہ من جدا روم و دل جدا رود
احرام عہدِ روزِ ازل کعبہ کوئے تست ۳ — جز راہِ عشق ہر کہ رود بر خطا رود
صہبائے راز بیش زاندازہ میدہند ۴ — گر دم زند حریف سرش بر ہوا رود
عشاق نازِ حسن نہ ارزاں خریدہ اند ۵ — بسیار سر کہ بر سرِ ایں ما جرا رود
شادی کہ غنچہ میکشی و دم نمے زنی ۶ — در شہر ایں معاملہ با ہر گدا رود
عشق آمد و تمام بگوشم دروں دمید ۷ — رازے کہ در میانِ مسِ و کیمیا رود
ایں حاجیاں زدور صدائے شنیدہ اند ۸ — کس در درونِ پردہ چہ داند چہا رود
زاں بحرِ موج زن چہ کم آید اگر شبے ۹ — بر کشت زارِ سوختہ آبِ بقا رود
عریاں تنی عارفِ معنیِ جمال اوست ۱۰ — فرہا بماند و پرِ ہما رود
ما پیرہن ز سادگی از بر فگندہ ایم ۱۱ — وز کینہ دیر در برِ دشمن قبا رود

غمگین مباش زود نظیری فرح دہند
چوں بندۂ مطیع ہمہ بر رضا رود ۱۲

(۱) اگر بیگانہ کو رد کر دیا جائے نکال دیا جائے تو وہ کسی آشنا کے دروازے پر چلا جاتا ہے۔ مگر جو شخص صرف تیرا ہی آشنا ہو وہ کہاں چلا جائے (عاشق تیرا در چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ بیگانہ رقیب کے متعلق کہتا ہے کہ وہ جذبات عشق حقیقی سے محض بیگانہ اور بوالہوس ہے اس لئے وہ تو نہیں اور نہیں اور نہیں پر عمل کر سکتا ہے مگر میرا عشق تو صادق ہے۔ اور اس لئے اول و آخر تو ہی میری امید گاہ ہے)

(۲) جب سے میں تیرے کوچے کی خاکبوسی کو چھوڑ کر نکلا ہوں۔ (پاکشیدن: روانہ ہو جانا۔ چلے جانا) اس وقت سے (حالت یہ ہے کہ) میں الگ راہ چلتا ہوں (اور میرا) دل الگ چلتا ہے جا رہا ہوں۔ مگر دل تیرے کوچے کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا۔ اس کو اس طرح ادا کیا ہے کہ گویا دو ہم سفر ہیں مگر دونوں کی منزل مقصود مختلف ہے۔ اس لئے دونوں مختلف راستوں پر جا رہے ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جب انسان کا دل کہیں جانے کو نہ چاہتا ہو تو اس کے قدم کہیں پڑتے ہیں اور اس کا خیال کہیں ہوتا ہے

ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی — دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

(۳) روزِ ازل کا عہد (اَلَسْتُ حاشقوں کا) احرام ہے اور تیرا کوچہ ان کا کعبہ ہے (وہ عہدِ اَلَست کے بندھے ہوئے تیرے کوچے کے طواف میں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں، اس لئے جو شخص بھی عشق (معرفت) کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راہ پر چلتا ہے وہ غلط جا رہا ہے۔

(۴) (ازلی) ساقی کی شراب اندازہ سے زیادہ دے لیتے ہیں۔ مگر (بیچارہ وہ) حریف بادہ جب فدا دم مارتا ہے تو اس کا سر ہوا میں اڑ جاتا ہے (معرفت کی شراب سے سرشار ہو کر جب حالتِ جذب و سلوک میں راز افشا ہو جاتا ہے تو گردن اڑا دیتے ہیں۔ میش (اندازہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ "انا الحق" کہنے میں منصور معذوری کے قابل تھا۔ کہ اس کو اندازے سے زیادہ پلا دی گئی تھی یعنی اس کا ظرف اتنا نہ تھا۔ کہ وہ اس کو برداشت کر سکتا)

(۵) عاشقوں نے حسن کے ناز کچھ ارزاں تو نہیں خرید لئے بلکہ اس معاملہ میں بہت سے سر چلے جاتے ہیں (عشق میں سر تک نذرِ تیغِ قاتل کرنا پڑتا ہے۔ عاشقی آسان نہیں)

(۶) تو اس پر خوش ہے کہ (عشق میں) نقصان اُٹھاتا ہے اور دم نہیں مارتا۔ مگر عشق کے شہر میں تو ہر فقر کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے۔ (عشق میں تیرا ترک تعلقات و لذات کا نقصان برداشت کرنا کوئی بہت قابلِ فخر امر نہیں۔ ہر گدا سے یہ اظہار مقصود ہے کہ تو عشق میں امارت و سرداری اور (نا ولا غیری کا دعوے دار ہے اور پھر اتنا نقصان برداشت کرنے پر فخر کرتا ہے۔ حالانکہ عشق میں جو بالکل معمولی درجہ رکھتے ہیں۔ وہ بھی اس قدر زیاں برداشت کر کے فخر نہیں کرتے)

(۷) عشق آیا اور اس نے میرے کان میں تمام راز پھونک دیا (یا) بیان کر دیا) جو تانبے اور کیمیا کے درمیان ہوا کرتا ہے (میں تانبے کی طرح کم قیمت و حقیر تھا۔ عشق نے کیمیا کا کام کیا اور اب میں سونا ہوں)

(۸) ان حاجی لوگوں نے تو دور ہی سے ایک آواز سنی ہے۔ کسی کو کیا معلوم کہ پردے کے اندر کیا ہو رہا ہے (یہ صرف احکامِ ظاہری کو بجا لانے والے اسرار و رموزِ طریقت سے بے خبر ہیں)

(۹) اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے (دخاں) سمندر میں کیا کمی آجائیگی۔ اگر کسی شب ایک جلی ہوئی کھیتی کو آبِ زندگی مل جائے (اس کے لطف و کرم کے بحرِ موّاج سے اگر ہم سوختہ سامانوں کو سیراب کر دیا جائے تو اس سمندر میں کچھ کمی نہیں آسکتی اقبال نے شاعرانہ بے باکی سے یوں کہا ہے ؎

ترے ساغر میں مے باقی نہیں ہے — بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم — بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

(۱۰) عارفِ حقیقت کی عریانی جسم اس (معشوقِ حقیقی) کے جمال کے سبب سے ہے (دیکھ لو) ہُما کا فکوہ و شان باقی رہتا ہے۔ حالانکہ ہما کا پر (خود ہُما) چلا جاتا ہے (کہتے ہیں کہ جس کے سر پر ہما کا سایہ پڑ جائے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ بادشاہی فقر ہما ہوئی جو ایسے شخص کو حاصل ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ہما جا چکا ہوتا ہے۔ اسی طرح عارفان راہِ طریقت پر اس جمالِ حقیقی کا سایہ پر تو افگن ہوتا ہے اور وہ دنیا و مافیہا کے علائق و اسباب سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں اپنے تن تک کو ڈھانپنے کا ہوش نہیں رہتا تو ان کی یہ عریانی تن فقر ہما ہے کہ وہ اسی کو شاہی سے بڑھ کر خیال کرتے ہیں)

(۱۱) ہم نے تو بوجہ سادگی دیوتا نے اپنے جسم پر سے لباس اُتار پھینکا۔ اور دشمن کے جسم پر اس کی دشمنی کے باعث قبا دیر تک رہتی ہے (قبا۔ چغہ۔ دشمن۔ شیطان مراد ہے۔ مطلب یہ کہ شیطان نے لباس فریب پہن کر آدمؑ کو نافرمانی پر آمادہ کر دیا۔ اور ان کا لباس اُتر گیا۔ آدمؑ سادگی کے باعث شیطان کے فریب میں آگئے)

(۱۲) اے نظیری! غمگین نہ ہو کہ جب فرمانبردار غلام بالکل اتفاقی رضا پر چلے تو پھر اس کو خوش کر دیا کرتے ہیں (خیر و تسلیم و رضا اختیار کرے گا تو تجھے ابدی مسرت حاصل ہو جائے گی)

غزل نمبر ۱۰۷

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور — ارکان: مفعول فاعِ لات مفاعیل فاعِ لان

دل کز تو شد بریدہ کم از سنگ و رد نبود ، پیوند روح بود بتو اُنس و خود نبود
قہرِ تو ناگہاں بسر آمد سبب نداشت ، ہجرِ تو اتفاق فتاد آرزو نبود
ناسازیٔ نزاکتِ طالع ببو شکست ، با آنکہ دُر دمم آں قدر اندر سبو نبود

ف وصل

چشمم و دماغِ مردمِ عاقل گرفتہ بود ۴ یا خود گلِ جنونِ مرا رنگ و بو نبود
عقلم کہ امتیاز گہرز استخواں نکرد ۵ کامِ ہما برید و دُرشش در گلو نبود
گر پُل براہِ نامہ و قاصد نمے شکست ۶ بسیار تیرہ آبِ محبت بجو نبود
ہجرِ فرو گذاشت بسر کانِ گُلِ عذار ۷ لایق بروئے مفلسِ ناشستہ رو نبود
گفتم کہ عہد بستن و تنہا گذاشتن ۸ دانی بد است اگرچہ بگویم نکو نبود
حُسنِ تو در ترازوئے ابرو ہلا فروخت ۹ روزے بمن کہ دسترسِ سنگ و رو نبود
گفت آں زماں کہ غمزہ ام ایں ما جرا نوشت ۱۰ ہیچم بہشتی تو مہر گفتگو نبود

اے طائرے کہ نامہ سوئے دوست میبری
گر پرسدت کہ بود نظیری؟ بگو نبود

(۱) جو دل تجھ سے کٹ گیا (تجھ سے ترکِ محبت کر گیا)، وہ پتھر اور کانسی سے کم سخت نہیں ہو گا (میرا دل تو کسی طرح بھی تجھ سے جدا نہ ہو سکا کیونکہ) میری تو روح کا تجھ سے پیوند تھا۔ صرف اُنس اور خو نہ تھی (کسی جگہ یا کسی شخص کے پاس رہنے سے اس سے کچھ اُنس ہو جایا کرتا ہے اور اس کی وجہ "عادت" ہوتی ہے کہ اس جگہ یا اس شخص کو دیکھتے یا ملتے رہنے کی وجہ سے طبیعت اس کی عادی ہو جایا کرتی ہے۔ میری محبت تجھ سے اس قسم کے "اُنس" یا "خو" کی بنا پر نہیں بلکہ وہ تو میری روح میں پیوست ہو چکی ہے جو کسی طرح جدا ہو ہی نہیں سکتی)

(۲) تیرا قہر اچانک ہمارے سر پر نازل ہو گیا۔ حالانکہ اس کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اور ہمیں تیرے ہجر کے برداشت کرنے کا اتفاق ہوا۔ حالانکہ ہماری خواہش نہ تھی (تیرا قہر و ہجر تیرے ارادہ و اختیار کا نتیجہ ہے۔ ہماری خواہش و رضامندی کو اس میں مطلق دخل نہیں)

(۳) (میری قسمت کی نزاکت کی ناموافقت نے (شراب کا) مٹکا توڑ ڈالا۔ باوجودیکہ مٹکے میں تو اس قدر تھوڑ بھی نہ تھی (مٹکے میں تھوڑی سی تھوڑ تھی شراب مطلق نہ تھی۔ میری قسمت اس قدر نازک اور تجھ سے ناموافق ہے کہ مجھے وہ بھی پینا نصیب نہ ہوئی اور بدقسمتی سے مٹکا ہی ٹوٹ گیا)

(۴) یا تو عقلمند لوگوں کی آنکھیں اور دماغ بند تھے، اور یا پھر میرے ہی جنون کے پھول میں کوئی رنگ اور بو نہ تھی (اربابِ عقل نے میرے جنونِ عشق کی کیفیت سے کچھ بھی استفادہ نہ کیا۔ اس کو اس طرح بیان کرتا ہے جنون ایک پھول ہے جس میں رنگ بھی ہے اور خوشبو بھی مگر "عقلمندوں" کے دماغ اور آنکھیں بند ہیں کہ وہ نہ اس کی خوشبو سونگھ سکتے ہیں اور نہ رنگ کو دیکھ سکتے ہیں۔ عشق کا لطف عقل کی زنجیروں سے نکل کر ہی پا سکتے ہیں)

(۵) میری عقل نے جو موتی اور ہڈی میں امتیاز نہ کر سکی ہما کا حلق چیر ڈالا۔ حالانکہ اس کے گلے میں موتی نہ تھا (ہما ہڈی کھاتا ہے اس کے حلق میں ہڈی کے سوا کچھ نہیں مل سکتا۔ عقل کم اندیش ہے کہ موتی کی امید و تلاش میں ہما کا گلا چیر ڈالا۔ عقل کو ہر عشق و حقیقت کی تلاش میں کامیاب نہیں ہو سکتی)

(۶) اگر میرے خط اور قاصد کے راہ میں پُل نہ ٹوٹ گیا ہوتا تو (عشق و محبت کی) نہر میں محبت کا پانی کچھ زیادہ گدلا تو نہیں تھا (اگر میرے اور دوست کے درمیان نامہ و پیام کا سلسلہ منقطع نہ ہو جاتا تو یقیناً وہ بھی میری محبت کا دم بھرنے لگتا۔ کیونکہ اس کے دل میں میری طرف سے کچھ زیادہ کدورت نہ تھی)

(۷) اس نے سر پر دوپٹہ اوڑھ لیا۔ کیونکہ اس کا وہ پھول جیسا رخسار (گلِ عذار میں اضافت تشبیہی ہے) مجھ جیسے ناشستہ رو مفلس کے دیکھنے کے قابل نہ تھا (میں اس کا جمال دیکھنے کے قابل نہیں۔ اس لئے اس نے پردہ کر رکھا ہے)

(۸) میں نے کہا تم خود جانتے ہو کہ عہد و فا باندھنا اور پھر (چاہنے والوں کو) تنہا چھوڑ دینا بُرا ہے۔ اگرچہ میں نہیں کہتا کہ (تمہارا عہد و فا

کر کے مجھے تنہا چھوڑ دینا، اچھا نہیں تھا (معشوق کی طرف سے عہد وفا کی شکست کو عاشق اپنے منہ سے برا نہیں کہتا۔ بلکہ "دانی" کہہ کر اس کی شہادت دلاتا ہے اور اس طرح اپنے منہ سے اس کی برائی بیان کرنے کے مقابلے میں کہیں زیادہ زور پیدا ہو گیا ہے)

(۹) تیرا حسن ابرو کی ترازو میں اس روز بھی میرے پاس بلائیں بیچ رہا تھا جب ابھی پتھر اور کانسی دستیاب نہیں ہو سکتے تھے (وہ لوزابروؤں کو ترازو کے دو پلڑوں سے تشبیہ دی ہے مطلب یہ کہ میں روز ازل سے عشق میں مبتلا ہوں ع

با غمزہ ایں معاملہ پیش از الست بود حرف بلی نبود کہ زخمے بلا رسید

سنگ و ترازو کی مناسبت سے لایا ہے کہ پتھر اور لوہے کے باٹ وزن کے کام آتے ہیں)

(۱۰) وہ کہنے لگا کہ جس وقت میرے غمزے نے یہ ماجرا لکھا۔ اس وقت مجھے تیری ہستی سے کوئی گفتگو نہ تھی (جب میں نے غمزہ دکھایا تو میرا مقصود تمہیں گرفتار عشق بنانا نہیں تھا یہ قطعہ بند ہے اور ازل معاملہ اور ہستی کی کارفرمائیاں اور حسن و عشق کے تعلقات ابدی ان اشعار کا موضوع ہے)

(۱۱) اے وہ طائر (نامہ بر پرند سے) کہ دوست کی طرف خط لئے جا رہا ہے اگر وہ تجھ سے پوچھے کہ نظیری زندہ موجود تھا؟ تو کہنا کہ نہیں تھا۔ (نامہ محبوب کو پہنچنے تک زندہ نہیں رہ سکوں گا یا یہ میں اس کی ہستی کے مقابلے میں نیست ہوں)

غزل نمبر ۱۰۸

بحر مضارع مثمن اضرب مکفوف مقصور — ارکان: مفعول فاع لات مفاعیل فاع لان

۱ ساقی قدح نہ داد و سفالِ سبو نمود — چندانکہ جرعہ بچشم آبرو نمود

۲ میخواست بوسہ رخت اقامت بگستردہ — از فرشِ جبہہ راہ براں خاک کو نبود

۳ دندان زدِ ہزار نگاہِ گرسنہ بود — لعلِ لبش کہ بادہ بآں رنگ و بو نبود

۴ در باخت دل بعشق مقمر ہر آنچہ داشت — ہرگز قمار خانہ بایں رفت و رو نبود

۵ از بیقراریِ دلم ابرو ترش نکرد — باآنکہ میفروشِ مغاں نیک خو نبود

۶ تہ جرعہ نداد کہ اسرارِ دوستی — لایق بہر زہ مستِ سرِ چار سو نبود

۷ تا صبحدم صنم صنم بود بر زباں — کانجا مجالِ عابد اللہ گو نبود

۸ زاں حسرتے کہ در دلِ من میفروش کرد — بزم مئے نشد کہ لبم خشک از و نبود

بس آرزو کہ داشت نظیریِ پختہ گو

۹ امروز گنج یافت کہ در آرزو نبود

(۱) ساقی نے (مجھے) پیالہ نہ دیا (کہ اس سے پی لوں)، اور (میرے پاس) مٹکے کا ٹھیکرا بھی نہ تھا (کہ اسی میں لے لیتا) گویا میری آنکھ بھی آبرو نہ تھی کہ ایک گھونٹ ہی پی لیتا (بخشم خشندن سے مضارع واحد متکلم)

(۲) بوسہ چاہتا تھا کہ اقامت کے لئے ڈیرہ ڈال دے مگر پیشانیوں کے فرش کی وجہ سے اس کوچے کی زمین پر راستہ ہی نہ تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کے آستاں کو بوسہ دوں۔ مگر وہاں پہلے سے اس قدر عشاق پیشانیاں رگڑ رہے تھے کہ تمام گلی میں گویا پیشانیوں کا فرش بچھ رہا تھا۔ پھر میں آستان پر کیسے پہنچ سکتا)

(۳) (دوسرا مصرعہ مقدم) اس کے بعد جیسے (سرخ شراب کہ شراب میں بھی اُن جیسی رنگ و بو تھی۔ ہزاروں حریص نگاہوں کے دنداں زد تھے۔ (دندان زد: یعنی ہزاروں عشاق کی حریص نگاہیں ان لعلہائے لب پر دانت رکھتی تھیں۔ دندان زدن:۔ کاٹ کھانا۔ دندان زد۔ اسم مفعول ترکیبی)

(۴) (میرے) دل نے اس قمار باز کے عشق میں جو کچھ بھی موجود تھا سب ہار دیا ایسا کہ (قمار خانہ میں بھی کبھی اس طرح سے جھاڑو نہ دی گئی ہوگی (باوجود صفائی کرنے اور جھاڑو دینے کے قمار خانے میں کچھ نہ کچھ خس و خاشاک کہیں نہ کہیں رہ جاتا ہوگا۔ مگر میرے دل کو عشق نے بالکل ہی جھاڑو پھیر دیا ہے۔ دل میں معشوق کے سوا گویا دوسرے خیالات خس و خاشاک ہیں کہ ان سے دل کو صاف کر دنیا ہی بہتر ہے بمقابلہ قمار باز)۔

(۵) (دوسرا مصرعہ مقدم) باوجودیکہ پیرِ مغاں نمک خوار تھا۔ مگر اس نے میرے دل کی بیقراری کی وجہ سے پیشانی پر بل تک نہ ڈالا (میری بیقراری عشق دیکھ کر بڑے بڑے سنگ دل میرے ساتھ نرمی سے پیش آنے لگتے ہیں)

(۶) اس نے مجھے تاکا ایک گھونٹ بھی نہ دیا (تاکا جرعۂ بقلب دنک اضافت یعنی جرعۂ تہ، کیونکہ دوستی کے اسرار و رموز ہر طرف گھومنے والے بیہودہ مست کے لائق نہ تھے (میں مستی میں ادارہ و مجنون پھرتا ہوں۔ مجھ جیسے شخص سے اسرارِ معرفت کی حفاظت ناممکن ہے اس لئے مجھے ان اسرار و رموز کی بھنک بھی نہیں دی گئی۔ کیونکہ مے ظرفِ قدح خوار کے مطابق دیتے ہیں)

(۷) جہاں اللہ کا نام لینے والے عابد کو بھی (اللہ گوئی کی) مجال نہ تھی۔ وہاں میری زبان پر صبح کے وقت تک صنم صنم کا ذکر (ہے ریا کار یا کاذب اللہ گوئی سے مخلصانہ بت پرستی بہتر ہے جو جرأت ایک مخلص بت پرست میں ہو سکتی ہے وہ ریا کار اللہ پرست میں نہیں ہو سکتی)

(۸) اس حسرت کی بدولت جو مے فروش نے مجھے محروم مے رکھ کر، میرے دل میں پیدا کر دی کبھی کوئی شراب نوشی کی محفل ایسی برپا نہ ہوئی کہ جس کی وجہ سے میرے لب خشک نہ ہوئے ہوں (محبوب نے اپنے وصل کی شراب سے مجھے محروم رکھا۔ اور اس حسرت میں میں خشک لب رہا۔ اب جب بھی کہیں "بزم مے" قایم ہوتی ہے تو "اپنے میفروش" کی کم نگہی کی یاد میں میری حسرتیں تازہ ہو جاتی ہیں)

(۹) پختہ گو نظیری بہت آرزوئیں کیا کرتا تھا۔ مگر آج اسے ایک ایسا خزانہ مل گیا ہے جو اس کی آرزو میں نہیں تھا (کئی بار اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اکثر اوقات منقطع سے نظیری کا شوقِ شاعری ظاہر ہوا کرتا ہے۔ ہر چند نظیری صنعت گری کا شیفتہ اور آرایش کلام کا خوگر ہے لیکن وہ محسوس کرتا ہے نقصان جذب دل ایسا بھی ممکن ہے کہ تعمیر آرایش اور تصنع کے معانی رنگیں اس کے تار تخیل میں پرو دیئے جائیں یعنی وہ خزانہ جس کا خواب میں بھی کبھی خیال نہیں آیا تھا میسر ہو جائے۔ اس سے پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ نظیری صنعت گری الفاظ سے خود بھی کبھی کبھی بیزار ہو جاتا تھا۔ ؎

دلم از صنعتِ الفاظ نظیری بگرفت — از دمِ پیرِ ہری سادہ بیانے بمن آر

غزل نمبر ۱۰۹

بحر رمل مثمن اضرب مکفوف مقصور — ارکان: مفعول۔ فاع لات مفاعیل۔ فاع لات

۱ صبحے بنالِ راہِ فلک برنبستہ اند — ہر چند دیر آمدہ در نبستہ اند

۲ حرمانِ توز ہمتے کوتاہ بینِ تست — ہرگز درِ کریم بکافر نبستہ اند

۳ سرمایۂ شناخت چراغیت دادہ اند — ایں رہ چراغ زصرصر نبستہ اند

۴ بر تشنگاں ببارِ تجلی برائے چیست — دریا کریم و ظرفِ ترا سر نبستہ اند

۵ مامے رمیم رخشِ ترا پے نکردہ اند — ما وحشی ایم بازِ ترا پر نبستہ اند

۶ عالم زظلمتِ شبِ حرماں سیاہ شد — کو آفتاب اگر رہِ خاور نبستہ اند

۷ مکتوبِ دوست داری ما را جواب نیست — غیر از سرشتِ بالِ کبوتر نبستہ اند

ہر مرغ بر ہوائے گلے آشیاں نہند ۸ بر شاخ شعلہ بالِ سمندر نشستہ اند
تا چند عودِ خام نظیری فروختن ۹ دودے بر آر روزن مجمر نشستہ اند

(۱) کسی صبح کو اٹھ کر فریاد کر کیونکہ آسمان کا راستہ بند نہیں کر دیا گیا (تمہاری دعا و فریاد صبحگاہی اثرِ قبول سے محروم نہ رہے گی) اگرچہ تم دیر سے آئے ہو۔ مگر ابھی، دروازے کو بند نہیں کر دیا ہے۔ غفلت و مدہوشی سے جس وقت بھی توبہ کر کے اس درگاہ کی طرف جھکو گے معاف کر دیے جاؤ گے)

(۲) تیری محرومی تیری کوتاہ بینی ہمت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اس کریم کا دروازہ تو کبھی کافر پر بھی بند نہیں کرتے ہیں (پھر اگر تو بھی مستعد کمر بستہ ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ محروم رہے۔ سعدی کہتے ہیں ؎

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب — گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم — تو کہ با دشمناں نظر داری

(۳) (کارکنانِ قضا و قدر نے) تجھے تمیز کا سرمایہ (دے کر بھیجا) ایک چراغ (عقل و دل) دیدیا ہے۔ لیکن اس چراغ کا راستہ صرصر پر بند نہیں کر دیا (حرص و ہوا کے جذبات تمہاری عقل اور دل کے لئے صرصر کا حکم رکھتے ہیں۔ کہ ان سے چراغ تمیز بجھ جاتا ہے۔ اس لئے اُسے ان سے بچاؤ)

(۴) پیاسوں پر لطف (برسا دے۔ آخر یہ کنجوسی کس لئے ہے کہ وہ کریم ایک سمندر ہے اور تیرے برتن کا منہ بھی بند نہیں کیا ہے (اس کے دروازے سے جتنا چاہو لو اور دوسروں کو بھی دو۔ اس کے خزانوں میں اس سے کوئی کمی نہیں آجائے گی۔)

(۵) ہم اگر وحشت زدہ ہو کر بھاگ رہے ہیں۔ تو تیر سے گھوڑے کے پاؤں نہیں کاٹ دیے ہیں (پے زدن کردن۔ پاشنہ بیدن برائے منع و دیدن) اگر ہم وحشی ہیں۔ تو تیر سے باز کے تو پر نہیں باندھ رکھے ہیں۔ دائر ہم تجھ سے بھاگتے ہیں۔ تو خود ہم کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے یعنی وہ غالب کا مضمون کہ میں اور بزمِ ناز سے یوں تشنہ کام آؤں)

(۶) محرومی کی رات کی تاریکی کے سبب تمام دنیا تاریک ہو رہی ہے۔ اگر مشرق کا دروازہ بند نہیں کر دیا گیا تو آفتاب کہاں ہے (ہماری محرومی کی تاریکی سے دنیا اندھیر ہو رہی ہے۔ یہ ایسی تاریکی ہے کہ آفتاب بھی اسے روشن نہیں کر سکتا۔ آفتاب نکلا بھی ہو تو اس تاریکی کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہیں نکلا)

(۷) ہماری دوستداری (محبت و عشق) کے خط کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے کبوتر کے بازو سے اس کے سر کے سوا کچھ نہیں باندھا ہے (ہمارا نامۂ محبت بے مثل و بے نظیر تھا۔ اس لئے وہ جواب سے قاصر رہے۔ جھنجلا کر کبوتر نامہ بر ہی کا سر کاٹ کر جواب خط کی جگہ اس کے بازو میں باندھ دیا یہ کہ محبوب نے ہمارے نامۂ محبت کا کوئی جواب تو نہیں دیا۔ البتہ کبوتر کا سر کاٹ کر اس کے بازو سے باندھ دیا ہے۔ کبوتر کے سر کو بازو میں باندھنے سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ عشق و محبت کا انجام یہ ہوا کرتا ہے)

(۸) ہر ایک پرندہ کسی نہ کسی پھول کی محبت میں (باغ میں) آشیانہ بناتا ہے۔ سمندر (مرکب از سام + اندر۔ آگ کا کیڑا) کے بازو کو شعلہ کی شاخ پر نہیں باندھتے ہیں۔

(۹) اے نظیری! یہ عودِ خام کو ظاہر کرنے کا سلسلہ کب تک (جاری رہیگا) انگیٹھی کے سوراخ بند نہیں کر دیئے ہیں۔ تو دھواں نکال دے (عودِ خام: کچا عود مراد کلامِ ناقص۔ عود فروشی بطریق ہنر فروشی اور درست فروشی یعنی اظہار عود کو یا دھواں دے رہا ہے جب تک لکڑی اچھی طرح جلنے نہیں لگتی دھواں دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ خام کلامی کو چھوڑ اور پختہ گوئی سے کام لے۔ دیکھئے اوپر والی غزل کا آخری شعر

غزل نمبر ۱۱

بحرِ رمل مثمن مخبون مسکن — ارکان:۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

حسن جب سر زد از حجاب و مژہ برہم زد ۱ فتنہ بر پا شد و نیشے بر گِ عالم زد

ہر چہ در پردہ نہاں بود ہویدا کردند ۲ چہ شبے بود کہ ایں صبح سعادت دم زد
بے محبت ننمودند اجابت ہر چند ۳ بانگِ تسبیحِ ملک بر فلکِ اعظم زد
مطلبِ جملۂ ذرات ز جا برجستند ۴ پایۂ عیش چو بر خاکِ بنی آدم زد
خواست آئینۂ تحقیق بما بسپارد ۵ قفلِ کوری بدل و دیدۂ نامحرم زد
غرض آں داشت کہ از عشوہ اش آگہ باشیم ۶ بر دروں زخم ز اندیشہ نمک از غم زد
عقل چوں دید کہ عشق آمد و خونخوار آمد ، لب فرو بست و دم از سلطنتِ جم زد
روحِ آزاد کزیں معرکہ جاں بیروں برد ۸ دست در حلقۂ فتراکِ خم اندر خم زد

سر ازیں قصہ منطبعی نہ نیارد بیروں
۹ گرچہ عمرے بسخن گشت و ورق برہم زد

(۱) حسنِ خواب سے بیدار ہوا۔ اور پھر ایک جھپکی۔ (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) ایک فتنہ برپا ہو گیا۔ اور جہان کی رگ پر ایک نشتر لگا دیا۔ (بلکہ یوں کہو نشتر تھیں۔ جو حسن کے بیدار ہونے پر جہاں والوں کے دلوں میں نشتر کی مانند پیوست ہو کر رہ گئیں۔ یہاں حسن سے مراد حسنِ حقیقی ہے جو خواب سے بیدار ہوا یعنی جب تخلیق عالم کا ارادہ کیا)

(۲) جو کچھ بھی پردے میں تھا، سب کچھ ظاہر کر دیا۔ (پہلے) کیسی تاریک (پہلے) رات تھی کہ اچانک اس صبح سعادت نے طلوع کیا۔ (دوسرا مصرعہ بطور تمثیل ہے جو تعظیم کے لئے۔ اور کاف مفاجات ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تخلیق عالم سے پہلے سب کچھ راز میں تھا کُنتُ کَنزًا مَخفِیًا وہ کائنات کے وجود میں آنے سے ظاہر ہو گیا فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلق
گویا تخلیق عالم سے پہلے رات تھی گھپ اندھیری۔ تخلیق عالم کے ساتھ ہی صبح سعادت نکل آئی)

(۳) (دوسرا مصرعہ مقدم) اگرچہ فرشتوں کی تسبیح (خدا کی پاکیزگی بیان کرنا سبحان اللہ کہنا) کی آواز عرش عظیم تک پہنچی تھی مگر وہ محبت (کے وعدہ) کے بغیر قبول نہ ہوئی۔ ؎

ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں — درد دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو

(۴) جب سرمایہ زندگی بنی آدم کی مٹی کو دیا گیا۔ تو تمام ذرات کا مقصد پورا ہو گیا (انسان ہی تمام کائنات کی آرزو اور مراد تھا۔ یا یہ کہ وہی کائنات کی علت غائی تھا۔ جب وہ پیدا ہو گیا۔ تو گویا مقصد تخلیق عالم کی تکمیل ہو گئی۔ برجستند کو جمع لانے کی وجہ میں نہیں سمجھ سکا۔ یا تو مطلب کی جگہ دوسرا لفظ چاہیئے۔ اور یا برجستند کچھ اور ہونا چاہیئے۔ ارجا برجستن: خوشی سے اچھل پڑنا)

(۵) اس (خالق کائنات) نے چاہا کہ تحقیق (حق) کو پرکھنے اور جانچنے کا آئینہ ہمارے سپرد کر دے۔ اس نے ہمارے نامحرم دل اور آنکھ پر اندھے پن کا قفل لگا دیا۔ (اس ذات نے ہمیں معرفت کو تحقیق کے بعد بھیجنا انسان کے دل کی صفائی کا موجب ہے۔ اس کا دل آئینہ ہے۔ جو شخص اسرار معرفت سے نامحرم رہتا ہے وہ آنکھوں کا بھی اندھا ہے کہ مناظر قدرت سے اسرار معرفت کو نہیں دیکھتا اور دل کا بھی کہ کائنات عالم پر غور نہیں کرتا)

(۶) اس کا مقصد یہ تھا۔ کہ ہم اس کے عشوہ (ناز معشوقانہ) سے واقف ہو جائیں (اس لئے اس نے ہمارے سینے میں اندیشہ کا زخم (لگا دیا) اور غم کا نمک (اس پر) چھڑک دیا۔ عشق میں اندیشۂ دل زخم کا درجہ رکھتا ہے اور زخم نمک سے بگڑ جایا کرتا ہے ہمارے زخم دل پر غم کا نمک چھڑکا گیا۔ (درد عشق معشوق کے عشوؤں کو یاد دلاتا رہتا ہے)۔

(۷) عقل نے جب دیکھا کہ عشق (دل میں) آ گیا ہے اور خونخوار ہو کر آیا ہے تو وہ خاموش ہو گئی اور اپنی سلطنت کا دعویٰ ترک کر دیا (عشق کے سامنے عقل نہیں ٹھیر سکتی۔ جہاں عشق آ جاتا ہے وہاں عقل کی حکومت کا خاتمہ ہو جاتا ہے)

(۸) آزاد روح جو اس معرکہ سے جان سلامت بچا لے گئی تھی۔ اس نے اس کے پیچ در پیچ شکار بند کے حلقہ میں ہاتھ ڈال

(دل عشق میں مبتلا ہوا مگر جان سلامت تھی۔ وہ بھی اس کے شکار رہند کے ساتھ بندھ گئی یعنی اس کا شکار ہو گئی)

(۹) نظیری اس قصہ سے سر نہیں نکال سکتا (فارغ نہیں ہو سکتا کہ قصۂ عشق کی کوئی انتہا نہیں، اگرچہ اس کی عمر کا بہت بڑا حصہ (شاعری میں گزرا اور کئی ورق اس نے الٹے سے (لکھے)

غزل نمبر ۱۱۱

بحر رمل مثمن مخبون محذوف مسکن

ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

۱ شادیٔ عشقِ تو ہنگامۂ غم برہم زد — شورِ حُسنت نمکے برجگرِ آدم زد

۲ شب زدیدارِ تو گردید بمہر آبستن — جامہ بر سنگ زسورِ خ تو ماتم زد

۳ شہدِ لبہائے تو دکانِ مسیحا دربست — دست در دامن تیغِ نگہت مرہم زد

۴ کعبہ آمد حجر الاسودِ خالت بوسید — غوطہ در موجۂ چاہِ ذقنت زمزم زد

۵ تا قضا خالِ بہشتی جمالِ تو بدید — شست آں خال کہ برنا صیۂ آدم زد

۶ بسخندانیٔ تو طفل ندیدست کسے — گرہ اعجازِ لبت بر نفسِ مریم زد

۷ عشقِ دوشاب دل آنروز کہ سودائے تخت — مایۂ مہر بریں شیرۂ جانہا کم زد

۸ دوش میخواست قدم برمنِ افتادہ نہد — کندخاکِ من و بر دیدۂ نامحرم زد

دولت از فیضِ دمِ صبح نظیری دریافت

۹ دُرِ نداوند بغوّاص کہ بیجا دم زد

(۱) تیرے عشق کی مسرت نے میرے غم کے ہنگامے کو درہم برہم کر دیا اور تیرے حسن کے شور نے آدم کے جگر میں نمکینی پیدا کر دی (شور: جنون اور نمکین ملاحت تیرے حسن میں دیوانہ ہو کر انسان نے لطف پایا۔ یا تیرے حسن کی ملاحت و نمکینی نے جگر آدم کو نمک کی سی لذت بخشی۔ پہلے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ تیرے عشق میں مبتلا ہو کر مجھے باقی تمام غموم و ہموم بھول گئے)

(۲) تیرے دیدار کی وجہ سے رات آفتاب کی حاملہ ہو گئی (تو اگر شب کو رخ دکھائے تو ایسا معلوم ہو کہ گویا آفتاب نکل آیا ہے)، اور ماتم نے تیرے رخسار کی خوشی میں اپنے کپڑے پتھر پر دے مارے (جامہ بر سنگ زدن: کپڑے صاف کرنا مگر یہاں کپڑوں کے پھاڑ ڈالنے کے معنی میں معلوم ہوتا ہے یعنی تیرے رخسار کو دیکھ کر ماتم نہیں رہا۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا۔ کہ تیرے رخسار کی خوشی میں غم نے کپڑے دھو لئے۔ تیرے استقبال کی تیاری کر لی۔ یعنی غم عشق کیا)

(۳) تیرے لبوں کے شہد نے مسیحا کی دکان کو بند کر دیا ہے۔ (مسیحا بیماروں کو تندرست اور مردوں کو زندہ کر دینے کا معجزہ رکھتے تھے تیرے لب ان سے بڑھ کر ہیں۔ شہد لبہائے تو: تیرے لبوں کا شہد یعنی تیری شیریں کلامی) اور مرہم نے تیری نگاہ کے دامن میں ہاتھ مارا ہے (تیغ کا کام مجروح کرنا ہے۔ مگر تیری تیغ نگاہ میں وہ تاثیر ہے کہ جراحتہائے دل پر مرہم کا کام دیتی ہے (دست با کسی زدن برابری کا دعوے کرنا۔ دست در دامن کسے زدن: کسی کے دامن میں ہاتھ مارنا۔ کسی کے ذریعے سے کامیابی چاہنا)

(۴) کعبہ آیا اور اس نے تیرے خال کے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اور تیرے چاہ ذقن کی موجوں میں زمزم نے غوطہ لگا دیا۔ (حجر اسود کعبہ میں

میں ایک پتھر ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ بہشت سے ساتھ لائے تھے۔ حاجی لوگ طواف کعبہ میں اسے بوسہ دیتے ہیں۔ خال رخِ محبوب۔ حجرِ اسود سے بھی بڑھ کر ہے۔ کہ حجرِ اسود کو تو حاجی لوگ چومتے ہیں۔ اور اسے خود کعبہ دل چومنے کو آتا ہے۔ یا یہ کہ تیرے رُخ کا خال حجرِ اسود سے بڑھ کر ہے کہ کعبہ بھی اسے چومنا چاہتا ہے۔ زمزم مکہ معظمہ میں پانی کا کنواں۔ جو حضرت اسمٰعیلؑ کے شیر خوارگی کے دنوں میں پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر ایڑیاں رگڑنے سے خدا تعالیٰ کی قدرت سے ایک چشمہ کی صورت میں اُبل آیا۔ اس کے پانی کو متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ مگر محبوب کا چاہِ ذقن۔ زمزم سے بھی بڑھ کر ہے)

(۵) جب سے قضا نے تیرے حُسن کا خالِ بہشتی دیکھا ہے۔ اس نے وہ داغ جو حضرت آدمؑ کی پیشانی پر لگ گیا تھا۔ دھو ڈالا آدمؑ سے لغزش ہوئی اور ان کی پیشانی پر داغِ معصیت لگ گیا۔ تیرا خالِ رخ دیکھ کر کہ نہایت ہی خوبصورت اور زیبا ہے۔ قضا نے داغِ معصیتِ آدمؑ کو صاف کر دیا۔ بہشتی کا لفظ خال اور جمال کے ساتھ کچھ اچھا معلوم نہیں دیتا۔ اگر مصرعہ یوں ہو کہ "تا قضا خال بہشتی جمالِ تو بدید" جب سے قضا نے تیری بہشتی جمال پر خال دیکھا ہے الخ تو میرے خیال میں بہتر ہو۔ مگر مجھے کلامِ نظیری میں اصلاح و ترمیم کا حق حاصل نہیں۔ عین ممکن ہے کہ اصل میں بہشتی جمال" ہی نظیری نے لکھا ہو۔ اور بعد میں بہشتی جمال" ہو گیا ہو)

(۶) (مصرعۂ اولیٰ کا ترجمہ دو طرح پر ہو سکتا ہے۔ پہلا یوں کہ:۔ کبھی کسی نے تجھ جیسا سخندان لڑکا نہیں دیکھا (یعنی مسیحؑ نے مہد میں کلام کیا۔ مگر تو اُن سے بھی بڑھ کر ہے) دوسرا:۔ تیری شاعری میں کسی نے کوئی "طفل" نہیں دیکھا (یعنی شعر ناقص و خام نہیں) تیرے لبوں کے معجزے نے تو نفسِ مریمؑ پر گرہ لگا دی ہے (نفسِ مریم سے مراد اگر حضرت عیسیٰؑ ہوں۔ تو مطلب یہ ہے کہ تیرے لبوں کا معجزہ حضرت عیسیٰؑ کے معجزے سے بڑھ کر ہے)

(۷) دوشاب دل عشق نے جس دن یہ سودا (عشق و محبت کا) تیار کیا۔ تو اس نے ان (عوام کی) جانوں کے شیرے (خمیر یا دل میں مایۂ محبت کم ہی رکھا۔ (دوشاب دل:۔ خلیق وآنکہ ہر ساعت دلش بچیزے کشد۔ اسی لیے دوشاب دلی۔ حاملہ عورتوں کی وہ کیفیت کہ ہر وقت کسی نئی چیز کے کھانے کی خواہش و رغبت کرتی ہیں عشق کو شاعر نے دوشاب دل قرار دیا ہے کہ چاہتا ہے سب کچھ میرے قبضے میں آجائے)

(۸) کل رات وہ چاہتا تھا کہ مجھ افتادہ پر قدم رکھے (مجھے پامال عشق کر دے) اس لئے اس نے میری خاک اٹھائی اور نامحرم کی آنکھ میں ماردی۔ (کہ وہ نامحرمِ عشق ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ عاشق کی پامالیٔ عشق کی تاب لاسکے یا اس کی نامحرم آنکھ اس پاکیزہ منظر کو دیکھنے کے قابل نہیں۔ مطلب یہ کہ میں نے عشق میں وہ کمال حاصل کر رکھا ہے کہ نامحرمانِ عشق اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے)

(۹) نظیری نے دمِ صبح کے فیض سے دولت پالی (دعائے صبحگاہی اور آہ و نالۂ نیم شبی نے نظیری کو دولتِ معرفت سے مالا مال کر دیا) اس غوطہ لگانے والے کو موتی نہیں ملا کرتے جو بے موقع "دم" لے (دم زدن:۔ فخر و دعوے کرنا اور سانس لینا بھی۔ غوطہ لگاتے وقت سانس کو روک لیا کرتے ہیں۔ حالتِ غواصی میں سانس نہیں لیا جا سکتا۔ تو گویا اس حالت میں سانس لینے کی کوشش "بے جا دم زدن" اور مانعِ دست آوری گہر ہے۔ مطلب یہ کہ نظیری نے بحرِ خیزی اور دعا سے فیض حاصل کیا ہے بیجا دعوی اور فخر و غرور سے یہ فیض حاصل نہیں ہو سکتا)

غزل نمبر ۱۱۲

بحر رمل مثمن مخبون محذوف — ارکان۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

۱ نہ فوتِ صحبتِ ایں دوستاں غمے دارد — نہ مرگِ مردمِ ایں عہد ماتمے دارد

۲ میانِ اینہمہ احباب عیب پوشی نیست — دریدہ پردہ تر است آنکہ محرمے دارد

۳ بخوش بیانیٔ ہم صحبتاں زجاے مرد — کہ پُر زنیش بود ہر کہ مرہمے دارد

۴ بہر زہ دفترِ امید ہر کجا مکشا — کہ مبتلائے ہوا کارِ درہمے دارد

هزار حربہ زہر خارہ باید ش خوردن ۵ نکو سرشتے اگر طبع خورمے دارد
زطعن گرسنہ چشماں دلیر نمایند ۶ ہلال عید کہ ابروئے پُرخمے دارد
بکاوش مژہ رگہائے جانش بشگافد ۷ تُنک دلے کہ چو من چشم پُرنمے دارد
زخویش و اہل گزر کُن کہ ملک بیخویشی ۸ بروں زعالم ایں خلق عالمے دارد
بجاہ و حشمت دنیا چرا تفاخر کند
۹ کسے کہ ہمچو منظیری مسلّمے دارد

(۱) نہ تو ان دوستوں کی صحبت کا کھو جانا ہی کچھ غم رکھتا ہے۔ اور نہ اس زمانے کے لوگوں کی موت ہی کا کوئی ماتم ہوتا ہے (لوگوں میں باہم لطف صحبت اور ہمدردی و غمخواری باقی نہیں رہی)

(۲) ان اٹھنے دوستوں میں کوئی بھی عیب پوش نہیں ہے (یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ "عیب پوشے" میں "ہائے وحدت" یا تنکیر ہو اور اگر "ہائے" مصدری ہو۔ تو عیب پوشی" پڑھا جائے گا۔ اور معنی یہ ہونگے۔ ان سب دوستوں میں وصف عیب پوشی موجود نہیں ہے) اس لئے جو شخص بھی کوئی محرم راز رکھتا ہے۔ وہی زیادہ رسوا ہے (دریدہ پردہ تر اس کا پردہ زیادہ پھٹا ہوا ہے۔ محرم راز ہوتا ہے راز داری کے لئے۔ مگر اپنے زمانہ میں دوستی و خلوص مفقود ہے۔ اس لئے محرم رازہی دوستوں کے راز فاش کرنے والے ہوتے ہیں)

(۳) دوستوں اور ہمنشینوں کی میٹھی باتوں پر فریفتہ نہ ہو جا راز چارتن: خوشی میں اگر دھوکا کھا جاتا کہ جس کے پاس مرہم ہوتا ہے وہی زہر سے بھرا ہوتا ہے (ان کی میٹھی باتیں مرہم معلوم ہوتی ہیں۔ مگر ان کے دل میں بغض و کینہ کا زہر بھرا رہتا ہے)

(۴) اپنے امید کے دفتر کو ہر جگہ یونہی نہ کھولتا پھر ہر ایک کو اپنی امیدوں کے قصے نہ سنا کیونکہ جو شخص ہوس میں مبتلا ہوتا ہے اسی کا کام درہم برہم ہو جاتا ہے (اس کا کام نظم کو نہیں پہنچتا ع
مع را ہر سہ حرف است و ہر سہ تہی)

(۵) (دوسرا مصرعہ مقدم) اگر کوئی نیک فطرت شخص خرم و شاداں طبیعت رکھتا ہے تو اسے ہر ایک کانٹے سے ہزاروں خنجر کھانے پڑیں گے (زمانہ کسی کو شاداں نہیں دیکھ سکتا کسی کو اگر ایک خوشی میسر ہوتی ہے تو اس کے بعد ہزاروں مصیبتیں اور تکلیفیں آجاتی ہیں)

(۶) (دوسرا مصرعہ پہلے) ہلال عید جو پُرخم ابرو رکھتا ہے۔ وہ گرسنہ چشم لوگوں کے طعن کے سبب سے دلبر ہو کر ظاہر نہیں ہوتا (ہلال کی شکل ابروئے پرخم سے ملتی ہے۔ اور عید کا دن قربانیوں کے لئے کھانے اور پینے کی لذتوں کی وجہ سے مرغوب خاطر ہے)

(۷) (دوسرا مصرعہ پہلے) وہ تنک دل (کم حوصلہ شخص جو میری طرح پُرنم (اشک آلود) آنکھ رکھتا ہے۔ اس کی جان کی رگیں مژگان یار کی خلش سے بھی جاتی ہیں (وہ تنک حوصلہ عاشق جو اشک ریزی سے اپنے راز کو فاش کر لیتے ہیں عشق میں زیادہ دکھ اور آزار محسوس کرتے ہیں۔ چشم پرنم دارد۔ میں ف نفی کا نہیں ہے کیونکہ اگر یہ معنی ہوں کہ میری طرح آنکھ کو آنسوؤں سے پُر نہیں رکھتا" تو تنک دل کی قید بے معنی ہو جاتی ہے)

(۸) خودی اور عزیز و اقارب کو چھوڑ دے کیونکہ ملک بے خویشی اس مخلوق کی دنیا سے باہر ایک اور ہی عالم رکھتا ہے (بیخودی کا عالم اور ہی کیفیت رکھتا ہے جو دنیائے خودی اور عالم تعلقات میں میسر نہیں ہو سکتی۔

(۹) وہ شخص جو نظیری کی طرح کا دوست رکھتا ہو وہ دنیا کے جاہ و حشمت کی طرف کیوں نگاہ نہ پھیر دے (ایسا دوست میسر ہو تو پھر جاہ و حشمت دنیا کی ضرورت نہیں۔ مسلم: امر تسلیم شدہ۔ وکسے کہ چیزے بدو سپردہ شود اور اگر مسلمی بہائے معروف پڑھا جائے تو پھر اس کے معنی ہونگے مسلم الثبوت استاد ہونا)



غزل نمبر ۱۱۳

بحر رمل ثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ بادۂ خاصِ محبت کے بنا محرم رسد — محرماں را دوستگانے از قفائے ہم رسد

۲ وقتِ عارف شب کہ گردد کہ در خوابست عام — یک دلِ بیدار را فیضِ ہمہ عالم رسد

۳ یافت گر دیوانۂ جا ہے تعجب بہر چیست — از عجائبہائے دوراں دیورا خاتم رسد

۴ زادِ مسکیناں برہ بردار کآبِ زندگی — تا سفالِ خضر باشد کے بجامِ جم رسد

۵ بر گلِ ما ابر اگر ہرگز نبارد خورمیم — مزرعِ نمناکِ ما را خوشہ از شبنم رسد

۶ شکر للہ کز خوشِ و ناخوش بیادش میرسم — بس ہمیں شادی کہ ما را از وے نصیبِ غم رسد

۷ ہر کجا تن چاک گردید از نمک انباشتیم — زخمِ ما بے باکِ جاناں را کجا مرہم رسد

۸ عشرتِ ساغر پرستاں زندہ دارد مردہ را — سور گردد ور سرائے ما اگر ماتم رسد

سودے از طاعت فروشیہا نظیری برنداشت

۹ ہر کرا سرمایہ رد باشد کفایت کم رسد

(۱) محبت کی خاص شراب نامحرم کو کب مل سکتی ہے۔ بلکہ دوستگانی صرف محرمانِ راز ہی کو یکے بعد دیگرے ملا کرتی ہے۔ (دوستگانی اپنی باری کا پیالۂ شراب از راہ تواضع و خلوص دوسرے کو پیش کرنا اور نیز کسی کی یاد میں جو شراب پیتے پلاتے ہیں)

(۲) عارف کا وقت رات کو خوب رہتا ہے۔ جبکہ عام لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔ گویا ایک بیدار دل (عارف شب بیدار) کو تمام دنیا کا فیض پہنچ رہا ہوتا ہے (کیونکہ تمام جہاں سو رہا ہے اور صرف وہی کسب فیض کے لئے بیدار ہے)

(۳) اگر کسی دیوانے کو کوئی مرتبہ مل گیا تو اس میں تعجب کی بات کونسی ہے کیونکہ زمانے کے عجائبات سے جن کو انگوٹھی مل جایا کرتی ہے (حضرت سلیمان کی انگوٹھی کھو جانے کے قصہ کی طرف تلمیح ہے شعر کا مطلب ظاہر ہے)

(۴) تو اپنے سفر میں بہ رہ (سکیناں کا سا زادِ راہ اٹھالے جا۔ کیونکہ جب تک خضر کا مٹی کا پیالہ موجود ہے۔ آبِ حیات سکندر کے جام میں نہیں ڈالا جا سکتا (عشق و معرفت میں کامیابی فقر و تواضع سے ہو سکتی ہے نہ شان و شوکت سے)

(۵) ہماری خاک میں اگر بادل بالکل نہ برسے تو ہم پھر بھی خوش و خرم ہیں۔ کیونکہ ہماری نمناک کھیتی کو شبنم ہی سے خوشہ آجایا کرتا ہے (خورمیم یعنی شاداب و مسرور۔ مطلب یہ کہ ہم زیادہ کے طالب و حریص نہیں۔ تھوڑے پر ہی قناعت کر لیا کرتے ہیں)

(۶) اللہ کا شکر ہے کہ اچھا یا برا میں اسے یاد تو آتا ہوں۔ ہمارے لئے یہی خوشی بہت ہے کہ ہمیں اس کی طرف سے غم کا حصہ ہی مل جاتا ہے (محبوب خواہ ہمیں برائی سے یاد کرے ہم خوش ہیں کہ وہ ہمیں بھولا تو نہیں۔ اس کا غم عشق ہی ہمیں بہت ہے۔ غالب کہتے ہیں ؎

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ — ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے)

(۷) جہاں سے ہمارا جسم چاک ہو گیا۔ ہم نے اسے نمک سے بھر دیا۔ کیونکہ ہم بیباک جانوں کو مرہم کہاں ہم پہنچ سکتی ہے (ہم بیباک ہیں اس لئے ہمارا جسم ہمہ زخم کھائے جاتا ہے۔ مگر اتنے زخموں کے لئے مرہم میسر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے زخموں میں نمک بھر دیتے ہیں۔ حالانکہ

نمک سے زخم بگڑ جاتا ہے۔)

(۸) ساغر پرستوں کی عشرت مردوں کو زندہ رکھتی ہے۔ اہل معرفت کے عرفان سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں، ہمارے گھر میں اگر ماتم بھی آتا ہے تو وہ بھی خوشی اور مسرت میں تبدیل ہو جاتا ہے کیونکہ ہم بھی ساغر پرست ہیں۔ اس لئے مردہ دلوں کو زندگی بخش کر ماتم کو مبدل بہ شکوفی کر دیتے ہیں۔)

(۹) نظیری نے اپنی طاعت فروشیوں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا کیونکہ جس کا سرمایہ ہی ناقص ہو اس کو فائدہ نہیں ہو سکتا۔ طاعت فروشی، اپنی عبادت و طاعت پر فخر و ناز کرنا اس قسم کی عبادت بے فائدہ ہے۔)

ردیف الذال

غزل نمبر ۱

بحر مضارع مثمن اضرب مکفوف مقصور — ارکان: مفعول۔ فاع لات مفاعیل فاع لان

۱ پرخوانِ من نمک بملاحت نشد لذیذ — صد بار تا نسوخت جراحت نشد لذیذ

۲ ہر کس بمے نداد روائے تکلفے — در کامِ او شرابِ اباحت نشد لذیذ

۳ در بحر و بر بجز الم و تلخ و شور نیست — جز بر امیدِ سود سیاحت نشد لذیذ

۴ تا جر بعشقِ خانہ بدریا شناور است — محنت جز از تصورِ راحت نشد لذیذ

۵ رخسارِ خوب را بوفا قدر و قیمت است — بے میوہ بوستاں بفلاحت نشد لذیذ

۶ تا صبحدم نزد نمکے بر جراحتم — با آں کمالِ حسن و صباحت نشد لذیذ

لذت درق زکلکِ نظیری گرفتہ است
ورنا مہا سخن بفصاحت نشد لذیذ

(۱) میرے دسترخوان پر نمک باوجود اپنی نمکینی کے لذیذ نہ ہو سکا۔ زخم جب تک سو دفعہ نہ جلا لذیذ نہ ہوا۔ (مجھے نمک دسترخوان پر نہیں بلکہ عشق کے جلائے ہوئے زخموں پر چھڑکنے سے لذت دیتا ہے۔)

(۲) جس شخص نے اپنی تکلف کی چادر کو شراب کے بدلے نہ بیچا اور تکلف چھوڑ کر شراب نہ پی لی۔ نمکے میں تب معاوضہ کے معنی میں اس کے حلق میں جوازِ شراب نے کوئی لذت نہ بخشی (جب تک طبیعت میں تکلف اور تصنع باقی ہے۔ شراب خواہ معرفت کی ہو یا مجاز کی۔ کوئی لطف نہیں دے سکتی۔)

(۳) تمام خشک و تلخ دنیا میں تلخ و شور غم کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ سیر و سیاحت بھی نفع کی امید کے سوا لذت نہیں دیتی (مرحب بحر بر میں شور و تلخ غم ہی غم ہے تو پھر کوئی سیر و سیاحت کو کیوں نکلے۔ صرف امید نفع ہے جو سیر و سیاحت کو لذت بخش بنا دیتی ہے)

(۴) تاجر بھی گھر کی محبت میں دریا میں تیرتا پھرتا ہے ہاں رنج اور مشقت آرام و راحت کے تصور کے بغیر لذیذ نہیں ہو سکتے (گھر کے آرام کے تصور نے تاجر کو سمندر کی صعوبتوں کے برداشت کرنے کی توفیق بخشی ہے)

(۵) حسین رخسار کی قدر و قیمت وفا سے ہے۔ بغیر پھل کا باغ صرف ہل چلانے سے بالذت نہیں ہو سکتا (وفا باغ حسن کا پھل ہے اس پھل کے بغیر حسن بے قدر و قیمت ہے)

(۶) جب تک صبح کے وقت نے میرے زخموں پر نمک پاشی نہ کی اس وقت تک وہ اس حسن و خوبی کے کمال کے باوجود لذت بخش نہ ہوئی (میرے لئے صبح کی لذت بخشی صرف اس وجہ سے ہے کہ اس وقت میرے عشق کے زخم لطف نمک حاصل کرتے ہیں)

(۷) (اس) ورق نے نظیری کے قلم سے لذت پائی ہے (نظیری کے اشعار نہایت پر لطف ہیں۔) ورنہ لاد سردوں کی کتابوں میں کلام فصاحت میں ایسا لذیذ نہیں ہوا۔)

ردیف الراء

غزل نمبر ۱

بحر رمل مثمن مخبون مقصور — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

۱ بزمِ خاص ست درونکتہ بدستور بیار — معنیِ دور طلب کن سخن دور بیار

۲ تلخ روئی مکن و توبۂ شیریں بشکن — رُخ چوں حور نداری سخنِ حور بیار

۳ چشمِ وا یافتہ داری خبرِ وصل بگو — دلِ افروختہ داری دمِ پر نور بیار

۴ رازِ دل فاش مکن پردۂ آں غنچہ مدر — محرمِ سرِ شدۂ نکتۂ مستور بیار

۵ مطربِ بزمِ جگر سوز سرودے دارد — شکرِ ایں مشتِ نمک سینہ ریخور بیار

۶ قصۂ وصل بگلبانگِ غزل انشا کن — رازِ دیرینہ بیارو نے و طنبور بیار

۷ بکرِ ہر نغمہ کہ در پردۂ نے مستور است — مست و مجنون کن و آشفتہ پرشور بیار

۸ ایں غزل در صفِ دیوانِ سپہدارانِ خوش — زاں محک گاہ افاضل خط منشور بیار

ن ایوان

گل و نرگس قدح و شیشہ نظیری دارند

ن دادند

۹ خیز از خواب و دماغ و دلِ مخمور بیار

(۱) یہ خاص لوگوں کی محفل ہے۔ اس میں دستور اور قاعدے کے مطابق نکتہ بیان کر۔ دور کا مضمون تلاش کر اور دور کا کلام (مولوی عبدالرحمن صاحب مرۃ الشعر کا بیان ہے کہ اس غزل کے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفی کی معنی آفرینی اور جان کاوی اور دور رس تخیل کو نظیری نکتہ بدستور بیادرون نہیں سمجھتا تھا۔ مسلمات شعر کے حلقہ میں رہ کر معنے دور بیان کر نا یہ نظیری اپنا کمال سمجھتا ہے۔ مقطع میں خانخاناں کی انجمن کی طرف اشارہ اس بات کو صاف کر رہا ہے کہ درحقیقت مولانا موصوف کا اندازہ صحیح ہے
عرفی اور نظیری دونوں خانخاناں کی فیاضیوں کے مورد اور اس کے ذوق شعرفہمی کے مداح تھے۔ دل افروختہ سے مراد وہ دل لیا ہے جس میں ذوق شعر کی شمع جل رہی ہو۔ معرفت اور رموز حقیقت سے اس غزل کے مفہوم کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب تیرا دل گرمی عشق اور ذوق شعر سے گداز ہے۔ تو پھر کیوں دم پرنور پیدا نہیں کرتا (یعنی اشعار رغبت)

(۲) ترش رو میو کے مت میٹھ۔ اور تو بہ شیریں کو توڑ ڈال دشیریں جو تمہیں بہت عزیز اور اچھی معلوم ہوتی ہے۔ صرف تلخ کے مقابلے میں صنعت پیدا کرنے کے لئے لایا ہے۔ تلخ روئی زہد و ریاضت کو لازم ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ یہ زہد اور توبہ جو ترش روئی سکھلاتے ترک کے قابل ہے) اگر تجھے حور کا سا رخسار حاصل نہیں ہے تو حور کی سی خوبصورت بات ہی کر۔

(۳) (اگر تجھے بینا آنکھیں ملی ہیں۔ اس لئے وصل کی خبر بیان کر دیدہ کی حقیقت ہی وا ہے تو تو معشوق سے واصل ہے۔ اگر تجھے روغن دل حاصل ہے۔ اس لئے پرنور سانس نکال۔

(۴) دل کے راز کو فاش مت کر اور اس معشوق کے غمزے کا بھید نہ کھول۔ اگر تو محرم راز ہو گیا ہے تو پوشیدہ نکتہ (میں اسے) بیان کر (لاز عشق و حقیقت کو ظاہر مت کرو۔ ہاں اشارے اور کنائے میں بیان کر دیا جائے تو مضایقہ نہیں۔ مگر نہ بالفاظ واضح و غیر مبہم)

(۵) محفل کا مطرب آ کر۔ جگر سوز نغمہ گا رہا ہے۔ اس مٹھی بھر نمک کے شکریہ کے لئے اپنا رنجور محبت سینہ پیش کر دے (نغمہ جگر سوز کو نمک قرار دیا ہے اور جراحت عشق کے لئے نمک باعث لذت ہے۔ تو اس نمک کے لئے تجھے شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ اور وہ شکریہ یہ ہے کہ اس نمک کو جراحت سینہ پر لے لو۔ مطلب یہ کہ جگر سوز نغمہ سے اپنے زخمہائے عشق کو تازہ کر لو۔)

(۶) وصل کے قصہ کو غزل کے گانے کی آواز کے ساتھ لکھ پرانے راز کو لے آ اور بانسری اور طنبور لے آ۔ (راز عشق و وصل کو غزل میں لکھ اور اسے بانسری اور طنبور کے ساتھ گا کر فاش کر دے)

(۷) ہر ایک اچھوتے نغمہ کو جو بانسری کے پردوں میں پنہاں ہے مست و مجنون کر کے آشفتہ اور پرشور باہر نکال (یکسر باز۔ زن دوخیرہ واول ہر چیز و کاریکہ مانند آں بیشتر نہ شدہ باشد مست و مجنون اور آشفتہ و پرشور۔ نغمہ کے لئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ سامعین نغمہ اسے سن کر اس حال کو پہنچ جائیں)

(۸) اس غزل کو سپہ سالار کے دیوان کی صفوں میں جا کر پڑھ اور اس بزرگوں کی محک گاہ سے فرمان نامہ لے آ (محک گاہ افاضل اور جہاں بڑوں کی بڑائی امتحان کی کسوٹی پر پرکھی جاتی ہے۔ افاضل۔ جمع افضل کی۔ سپہدار:۔ عبدالرحیم خانخاناں کہ نظیری کو اس سے خاص تعلق تھا۔ اور وہ خود عالم اور علم و فضل کا قدردان تھا۔ مطلب یہ کہ اس غزل کو خانخاناں کے دربار میں پڑھو گے اگر اس نے پسند کر لی تو پھر کسی کی مجال نہیں کہ اعتراض کر سکے۔ منشور:۔ نامہ شاہی)

(۹) اے نظیری! گلاب اور نرگس بھی ساغر اور صراحی لئے ہوئے ہیں (گویا بہار کی شراب پی رہے ہیں۔) اس لئے تو بھی (غفلت کی) نیند سے بیدار ہو اور دل و دماغ کو مخمور کر لے۔

غزل نمبر ۲

بحر رمل مثمن مخبون مقصور — ارکان:۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

۱ اے صبا از گلِ عطار نشانے بمن آر — از گلستانِ نشاپور خزانے بمن آر
۲ خطِ ترخانیِ جاوید بعالم ندہند — بگذر از عالم و منشور امانے بمن آر
۳ فرصتم نیست کہ از سنگِ قضا سر خارم — گر امانے نبود تاب و توانے بمن آر

تیر باران ستم از پئے ہم چند رسد ۴ ناوکے میکشم از سینہ کمانے بمن آر
ہر نشانے کہ بسودائش دہی سود دہد ۵ اگر از مایہ نماندہ است زیانے بمن آر
کشت زار طرب تشنہ آتش شدہ است ۶ مطرب ابر دم برق زبانے بمن آر
چوں شرر در دل سنگ است زخاماں سخنم ۷ تا برآرم نفس سوختہ جانے بمن آر
ملک گیران سخن سکہ بباطل زدہ اند ۸ زیں ہمہ سیم دغل نقد روانے بمن آر
دلم از صنعت الفاظ مظیری بگرفت
از دم پیر ہری سادہ بیانے بمن آر ۹

(۱) اے صبا عطار کے پھولوں کی خوشبو میرے پاس لا یعنی نیشاپور کے باغ کی خزاں کو میرے پاس لے آ۔ (عطار۔ عطر فروش اور دوا فروش۔ یہاں اگر عطار کو گل کی صفت مانا جائے تو معنی ہونگے نہایت ہی خوشبودار پھول۔ عطار سے مراد دوا کی ہوی بھی ہو سکتے ہیں جیسے مقطع سے ظاہر ہوتا ہے۔ نظیری وطن کی خزاں کو پھولوں کی خوشبو سے کہیں بڑھ کر قرار دیتا ہے۔)

(۲) دنیا میں ہمیشہ کے لئے فرمان آزادی کسی کو بھی نہیں دیتے۔ اس لئے دنیا کو ترک کر دے اور اس طرح میرے لئے امن و سلامتی کا فرمان لے آ (نزخانی: منصبی بود در عہد سلاطین ترکستان کہ صاحب آں منصب از جمیع تکالیف نوکری معاف باشد و مجازا بمعنی مخبر گی نیز آمدہ۔ مطلب یہ کہ اگر سلامتی اور حفاظت چاہتے ہو تو دنیا کے تعلقات کو ترک کر دو کہ دنیا میں پابندیاں ہوتی ہیں۔ بات بات پر گرفت ہوتی ہے۔)

(۳) مجھے اتنی فرصت نہیں ہے کہ قضا کی سنگ باری سے سر کھجلا سکوں (حوادث مجھے ایک منٹ کی مہلت نہیں دیتے۔ متواتر اور پیہم حوادث کا شکار رہتا ہوں۔) اس لئے اگر امان اور پناہ رحوادث سے) نہیں مل سکتی تو مجھے ان کے برداشت ہی کی تاب و طاقت دے۔ غالب کہتے ہیں ؎ ابھی چھاتی مری تیروں سے چھلنی خوب نہیں
میری قسمت میں غم گر اتنا تھا دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

(۴) حوادث کے تیروں کی بارش کب تک مسلسل و متواتر ہوتی رہے گی۔ میں سینہ سے تیر نکالتا ہوں تو دے بے تک کمان لے آ (پہلے مصرعہ میں تیر حوادث کے تواتر سے گھبرا کر کہہ اٹھا ہے۔ کہ آخر یہ سلسلہ کب ختم ہوگا مگر پھر سنبھل کر دوسرے مصرعہ میں محبوب کو دعوت ناوک افگنی دیتا ہے کہ میں پہلے تیروں کو نکال ڈالتا ہوں۔ اب تم بھی کمان ابرو لے کر آجاؤ۔ پہلے مصرعہ میں اگر چند کو بمعنی چندیں لیا جائے تو اس کے معنی "بکثرت" کے ہونگے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ تو بر تو بکثرت تیر کھائے جاتا ہوں۔ مگر پہلے تیر نکالتا جاتا ہوں کہ اور تیروں کے لئے گنجایش نکل سکے۔ اس لئے تو بیشک کمان لے کر ابھی اور میرے سینے کو نشان بنائے جا کہ ؎
کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم خود اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

(۵) اس کے سودائے عشق میں تو مجھے جو نشان بھی دے گا۔ وہ مفید ہی ہوگا۔ بالفرض اس میں نفع کا سرمایہ نہیں ہے (تو نہ سہی) تو میرے لئے نقصان ہی لیے آ (آثار سودائے عشق کے زیاں کو بھی سودا ہی سمجھتا ہوں۔)

(۶) میری مسرت و طرب کی لہلہاتی کھیتی آگ کی پیاسی ہے۔ اس لئے کسی شعلہ زبان ابر دم مطرب کو میرے پاس لے آ میں اپنی غفلت و جمود کی مسرت و انبساط کو جلا ڈالنا چاہتا ہوں۔ کوئی ایسا مطرب جس کی زبان مفاہیم عشق و معرفت گا کر میرے اس کشت زار طرب کے لئے برق خرمن کا کام دے اور پھر میرے دل میں عشق حقیقی کے نمو کے لئے اس کی آواز کو ابر کی سی خاصیت حاصل ہو میرے پاس لے آؤ۔)

(۷) ان خاموں (شعر و سخن کا ذوق صحیح نہ رکھنے والوں) کی وجہ سے میرا کلام ایسا ہو رہا ہے جیسے پتھر کے اندر شعلہ (میرے کلام کی خوبیاں ان پر ظاہر نہیں ہو سکتیں (رنجتہ کاران عشق کے دل میں میرے کلام سے زندگی کی گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے

مصرعہ میں نفس سوختہ جانے الخ کو اگر نفسے سوختہ جانے الخ پڑھیں تو معنی ٹھیک ہوتے ہیں۔ کہ کسی سوختہ جان عاشق کو میرے پاس لاؤ۔ تاکہ میں اس کے سامنے اشعار پڑھوں۔ نفس برآوردن۔ سانس لینا۔ بات کرنا۔ اور اس لئے شعر پڑھنا بھی مطلب یہ ہوا کہ خام اگر میرے اشعار سے متاثر نہیں ہوتے تو کوئی پرواہ نہیں پختہ کاران عشق اگر میرے اشعار کو سنیں اور وہ تڑپ نہ اٹھیں تو پھر مانوں)

(۸) شاعری کے فاتحوں (مدعیان شعر و سخن) نے جھوٹ پر سکہ لگایا ہے۔ بے سروپا باتیں اشعار میں درج کردی ہیں۔ گویا انہوں نے جھوٹ، سکہ چلانے کی کوشش کی ہے۔ سکہ۔ ملک گیری کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے، اس تمام کھوٹی چاندی میں سے میرے پاس وہ نقدی نکال لاؤ جو رواج پا سکے (نقد روان۔ جو سکہ بازار میں چل سکتا ہو اور کوئی شخص کھوٹا کہہ کر اس کے لینے سے انکار نہ کردے۔ مطلب یہ کہ ان شاعران زمان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس کا کلام رواج پذیر ہو سکتا۔ یعنی پسند عام کی سند حاصل کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ہے۔ تو لاؤ مجھے دکھاؤ)

(۹) میرا دل ظہوری کی لفظی صنعتوں سے تنگ آ گیا ہے۔ اس لئے رودکی کے کلام میں سے کوئی سادہ سا بیان لاکر مجھے سنا (بیر ہری سے مراد رودکی ہے۔ دیکھئے مرآۃ الشعر مصنفہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب۔)

غزل نمبر ۳

بحر مضارع مثمن اضرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاعِ لاتُ مفاعیل فاعِ لُن

۱ فارغ تر از دلِ تو ندیدم دلِ دگر — ایزد ترا سرشتہ ز آب و گلِ دگر

۲ گر مُرغِ سدرہ را بکشی مائلی کہ باز — در خاک و خوں طپیدہ شود بسمل دگر

۳ ہر مشکلے کہ عاجزیٔ ما بیاں کند — آساں کنی کہ پیش نہی مشکل دگر

۴ از آب و گل غرض شجرِ قامتِ تو بود — عالم نداشت بہتر ازیں حاصل دگر

۵ از نورِ محفلِ تو جہاں در گرفتہ است — نفروختہ چراغِ تو از محفل دگر

۶ خاطر بمنتہائے جمالت نمی رسد — دارم بہر مشاہدہ ات منزل دگر

۷ از ماہتاب روئے کہ غیر از جمالِ دوست — دریائے عشق را نبود ساحل دگر

۸ مستاں اساسِ میکدہ زیبا نہادہ اند — رسمے اگر ز نو ننہد عاقل دگر

ساقی قدح بکف تو نظیری نظر بغیر
۹ دوراں ندیدہ است چو تو غافل دگر

(۱) تیرے دل سے بڑھ کر میں نے کسی دوسرے دل کو عالم دنیا سے، فارغ نہیں دیکھا۔ گویا خدا نے تجھے کسی اور ہی آب و گل سے پیدا کیا ہے (کہ تیری فطرت اور دوسرے لوگوں کی فطرت میں کوئی مناسبت ہی نہیں)

(۲) اگر تو مرغ سدرہ (حضرت جبریلؑ) کو بھی مار لے (اپنے عشق میں مبتلا کر لے)، تو پھر بھی تو اس بات کی خواہش رکھتا ہے۔ کہ ایک نیا بسمل خاک و خون میں تڑپ رہا ہو (تمام کائنات تیری محبت میں مبتلا ہے)

(۳) ہر وہ مشکل جو ہماری عاجزی کو زبان حال، بیان کر دیتی ہے (جس مشکل کے حل سے ہم عاجز رہ جاتے ہیں)۔ تو اس کو آسان

کر دیتا ہے۔ مگر تو اس کے ساتھ ہی، ایک نئی شکل ابھارے، سامنے رکھ دیتا ہے (ایک سے ایک بڑھ کر مشکلات کا انسان کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی ایسی آن میں سے ہر ایک انسان کو عاجز و درماندہ کر دیتی ہے۔ پھر ہر ایک مشکل کو وہی ذات آسان کر دیتی ہے۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے)

(۴) مٹی اور پانی سے غرض تیرے قد کا درخت پیدا کرنا تھا (تخلیق کائنات کی علت غائی وجودِ انسانی تھا) جہان کو اس سے بہتر اور کچھ حاصل نہیں تھا (تمام مخلوق سے اشرف و افضل انسان ہے)

(۵) تمام دنیا تیری محفل کے نور سے منور ہو رہی ہے (دورِ گردش۔ بتی، شمع اور آگ کا بھڑک اٹھنا) مگر تیرا چراغ کسی دوسرے کی محفل سے روشن نہیں ہوا (تو نے کسی دوسرے سے اکتساب فیض نہیں کیا)

(۶) دل تیرے حسن و جمال کی انتہا کو نہیں جان سکتا۔ کیونکہ میں تیرے ہر مشاہدہ پر نئی منزل پاتا ہوں (جب تجھے دیکھتا ہوں تو دل کو حسن کی ایک نئی منزل نظر آتی ہے پھر انتہائے حسن کیسے معلوم ہو سکے)

(۷) ہماری طرف سے چہرہ مت پھیر لے۔ کیونکہ دوست کے جمال کے سوا دریائے عشق کا اور کوئی ساحل نہیں ہے (عشق میں جمالِ یار کا دیدار ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ گویا عشق ایک دریا ہے اور حسن یار اس کا ساحل ہے۔ جس کو اس کا دیدار نصیب ہے۔ وہ ساحل پا اور جس کو نہیں وہ منجدھار میں ہچکولے کھا رہا ہے)

(۸) مستوں نے تو میکدہ کی بنیاد نہایت عمدہ اور مضبوط رکھی ہے۔ بشرطیکہ کوئی "عاقل" نئے سرے سے کسی نئی رسم کی بنیاد نہ رکھ دے (مستِ معرفت لوگوں نے عشق و محبت کے لئے جو رسوم راہ مقرر کر دی ہیں وہی صحیح ہیں۔ ناآشنایانِ منزل جو عشق میں مست نہیں ہوئے۔ بلکہ ابھی عقل کے چکر میں ہیں۔ وہ اگر اپنے قاعدے الگ مقرر کریں تو ان کی مرضی)

(۹) اے نظیری! ساقی (تیرے لئے جامِ شراب ہاتھ میں لئے (موجود) ہے اور تو دوسروں کی طرف نظر جمائے ہوئے ہے۔ زمانہ نے تجھ سا غافل اور کسی کو نہیں دیکھا۔ تجھ سے بڑھ کر غافل کون ہوگا۔ کہ ساقی خود تیرے لئے پیالہ لئے کھڑا ہے اور تو دوسروں کی محبت یا دوسرے خیالات میں محو ہے)

غزل نمبر ۴

بحر محتبث مثمن مخبون مقصور — ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

۱ طلوعِ بادہ ز شام و سحر دریغ مدار — ز خاک جرعۂ خود چوں قمر دریغ مدار

۲ اگر بکنجِ سرابیلِ باغباں آید — بگو کہ آب رزاز جامِ زر دریغ مدار

۳ حیاتِ تلخ بدہ عیشِ خوشگوار بگیر — چو عشق تیغ کشد جان و سر دریغ مدار

۴ بشکرِ آنکہ حدیثے چو انگبیں داری — ز سائلانِ تُرشرو شکر دریغ مدار

۵ ترا بہ بینشِ کوتاہ خویش نتواں دید — مگر ترا بتو بینم نظر دریغ مدار

۶ درونِ جانی و در پردۂ ز مردمِ چشمم — جمال اگر ننمائی خبر دریغ مدار

۷ ہمیشہ چشم باحسانِ آشنا دارد — ز خاکِ کشتۂ غربت گذر دریغ مدار

۸ جراحتِ دلِ شوریدہ خشک میگردد — ازاں دو زلفِ سیاہ مشکِ تر دریغ مدار

۹ بیانِ شوقِ نظیری دراز انشائیست
بیاضِ چہرہ زخونِ بگر دریغ مدار

(۱) شام ہجر سے شراب کے طلوع کو دریغ نہ رکھ صبح کو سورج اور شام کو چاند طلوع کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ شراب بھی ایسی ہے اس لئے اسے بھی صبح و شام طلوع ہونے دریغ نہ کر یعنی صبح شام پلائے جائیں اور اپنے چاند جیسے (شراب کے) گھونٹ کو خاک سے دریغ مت رکھ (شراب پینے سے پہلے ایک گھونٹ زمین پر گرا دیا کرتے ہیں یعنی مجھے نہایت ہی صاف اور چمکتی ہوئی شراب کا ایک گھونٹ پلا دے۔ خاک سے مراد خود طالب ہے)

(۲) اگر کبھی اتفاق سے، باغبان کا کدال کسی خزانے پر پہنچ جائے (باغبان کو خزانہ مل جائے۔ گنج سرا۔ گنج خانہ خزانہ رکھنے کی جگہ تو اس سے کہہ دو کہ انگور کے پانی (شراب) کو سونے کے جام سے دریغ نہ رکھے (یعنی جام زریں شراب انگور بھر بھر کر پئے اور پلائے جائے بایں کہ جام زر سے کوئی شراب (یعنی پئے۔ تو اس میں دریغ نہ کرے۔ اس صورت میں از تجاوز کے معنوں میں ہوگا)

(۳) یہ بے عشق کی تلخ زندگی دیدے اور پر لطف عیش حاصل کرلے۔ یعنی جب عشق تلوار (نیام سے) کھینچ لے تو پھر جان اور سر کو دریغ مت رکھ (بلکہ پیش تیغ تامل کردے کہ عیش خونشکواری ہی ہے)

(۴) اس بات کے شکرانے میں تیری باتیں شہد جیسی شیریں ہیں۔ ترش رو سائلوں سے اپنی شیرینی کو دریغ مت رکھ (اپنی شیریں کلامی سے ان کو بھی محظوظ کر۔ شکر اور انگبیں میں مراعاۃ النظیر ہے)

(۵) مجھے اپنا چاند عقل کے ذریعہ سے نہیں دیکھا جا سکتا ہاں۔ شاید میں تجھے تیرے ہی ذریعہ سے دیکھ سکوں۔ اس لئے (کرم فرما کر مجھ سے ایسی نظر کو دریغ مت رکھ (ہماری عقل اس کی ذات کے ادراک و فہم سے قاصر ہے مگر اس کی توفیق شامل حال ہو تو اس کی ہستی کا ثبوت مل سکتا ہے آنکھوں سے نہاں دل میں عیاں اپنی دلیل آپ ہے)

(۶) تو جان کے اندر موجود ہے (اور اس کے باوجود آنکھ کی پتلی سے چھپا ہوا ہے۔ اس لئے اگر تو (اپنا) جمال نہ دکھائے تو (اپنی) خبر سے دریغ نہ کر (تو وہ ہر جگہ ہے۔ یہاں تک کہ انسان کی جان میں بھی مگر نظر نہیں آتا۔ کہتا ہے۔ اچھا اگر اپنا جمال نہیں دکھاتا تو نہ سہی۔ خبر تو آتی رہے۔ دل میں تیری یاد موجود رہے ایسا نہ ہو کہ دل تجھے بھلا دے۔ اور اس طرح گویا تیری خبر آنا بھی بند ہو جائے)

شنیدہ ام کہ نہ بینی و نا امید نیم ندیدہ تو شنیدہ نمی بنگرم

(۷) وہ ہمیشہ دوستوں کے احسان کی توقع میں رہتا ہے (اس لئے) بے وطنی اور غربت کے کشتہ کی خاک مزار کے پاس سے گزرنے میں دریغ نہ کرنا (وطن چھوڑ کر تیرے عشق میں غربت ہی میں آکر مر گیا ہے اگر تو اس کے مزار پر جائے تو وہ تمہارا احسان مانے گا)

(۸) میرے خوریدہ اور دیوانے دل کے زخم خشک ہوتے جا رہے ہیں (اور میں نہیں چاہتا کہ یہ زخم خشک ہوں کہ عشق کے زخموں کا لطف ان کے ہرا رہنے ہی میں ہے) اس لئے اپنی ان دو سیاہ زلفوں کے تازہ مشک کو (ان زخموں سے) دریغ نہ رکھ۔ (زلفوں کو سیاہی اور خوشبو کو مشک سے تشبیہ دی ہے۔ اور مشک زخم کو خراب کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ مجھے ہمیشہ اپنی زلفوں کے عشق میں پھنسائے رہ)

(۹) نظیری کے شوق کا بیان ایک لمبی داستان ہے۔ تو اپنی چہرے کی بیاض کو خون جگر سے بچا کر مت رکھ (وہ تیرے چہرے کو دیکھ کر عشق میں خون جگر بہاتا ہے۔ تو اپنے چہرے کو اس سے چھپا لے۔ بیاض۔ بیان اور نشا کی رعایت سے بیاض شعر کے معنوں میں ہے گو اصل یہاں بیاض سفیدی اور چمک کے معنوں میں ہے)

غزل نمبر ۵

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاع لات مفاعیل فاع لن

۱ دارم دلے زطائرِ وحشی رمیدہ تر — ہر چند دور تر زکساں آرمیدہ تر

۲ تا آں خدنگِ قامت از آغوشِ من برفت — پشتم شکستہ تر شد و قدم خمیدہ تر

۳ خونے کہ حکم بود بریزد خطا نشد — چندانکہ داشت دامنِ عصمت کشیدہ تر

۴ آنجا کہ شحنۂ تو بدرگاہ میرود — شاہد زعاشق است گریباں دریدہ تر

۵ خورشید از کمانِ تو یک تیر میکشد — ماہ از تو کس ندیدہ تمام آفریدہ تر

دندانِ زدِ ہزار امیدم بدر گہت ۔ از سگ گزیدۂ سرِ کویم گزیدہ تر
خارے کہ در رہِ تو بخاطر شکستہ بود ، ہر چند بیش کاوشش شد خلیدہ تر
در کامِ ناروائیِ عشقِ پری وشے ۔ از سحر کردہ ایم ہا فسوں رسیدہ تر
نازاں مرو کہ بارِ علایق گذاشتی
ہستی تعلقت نظیری جریدہ تر

(۱) میں ایک وحشی (نامانوس) پرند سے سے بھی زیادہ رمیدہ (وحشت زدہ) دل رکھتا ہوں جتنا وہ لوگوں سے زیادہ دور رہتا ہے اتنا ہی زیادہ آرام پاتا ہے جس طرح وحشی آبادی سے گھبراتا ہے میرا دل اسی طرح محبوب کے سوا باقی تمام لوگوں سے متنفر ہے۔

(۲) جب سے وہ تیر جیسا قامت میرے پہلو سے جدا ہوا ہے اس وقت سے میری کمر اور زیادہ شکستہ ہو گئی ہے۔ اور میرا قد اور زیادہ جھک گیا ہے (معشوق کے قد کو تیر سے راستی میں تشبیہ دی ہے) مطلب یہ کہ اس کے فراق میں میرا قد غم سے جھک گیا ہے گویا پہلو سے تیر کھینچ لیا گیا اور خون بہ نکلا جس سے کمزوری ہو گئی ہے ؎

چال جیسے کڑی کمان کا تیر دل میں ایسے کہ جا کرے کوئی

(۳) (دوسرا مصرعہ مقدم) ہر چند اس نے اپنے دامن عصمت کو بہت زیادہ کھینچ کر رکھا۔ مگر جس قدر خون گرنا تقدیر میں تھا اس میں کوتاہی نہ ہوئی۔ دامن عصمت کشیدہ تر۔ ہر چند اس نے کوشش کی کہ اس کے دامن عصمت پر خون عشاق کے چھینٹے نہ پڑیں اور اس لئے اپنے دامن کو سنبھال لیا۔ جیسا کہ پانی یا کیچڑ میں سے گزرتے وقت سنبھال لیا کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی جن عشاق کا خون ہونے والا تھا وہ ہو کر رہا۔ مطلب یہ کہ گو معشوق نہیں چاہتا کہ کوئی اس کے عشق میں مبتلا ہو۔ مگر جو دیکھتا ہے وہ فریفتہ ہو جاتا ہے گویا اس کی قسمت میں ہی ایسا تھا شاہ کا کیا اچھا شعر ہے ؎

خوں کی چھینٹیں جو اڑیں حق پرندہ مرے اس نے دامن کو عجب ناز سے گردان لیا

(۴) جہاں کہیں تیرا حاکم (تحنہ۔ کوتوال۔ حاکم سیاست) درگاہ (معشوقوں کی) میں چلا جاتا ہے وہاں معشوق عاشق سے زیادہ گریباں دریدہ ہوتا ہے (معشوق اگر عشق میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ عشاق سے بھی زیادہ بدحال ہو جاتا ہے) تحنہ سے مراد خود عشق ہے گویا وہ کوتوال ہے جو عاشقوں کو ستانے کی وجہ سے معشوق کی تادیب و سیاست کے لئے مقرر ہوا۔

(۵) آفتاب تیری کمان سے ایک تیر لیتا ہے (اس کی تمام شعاعیں اور روشنی تیری کمان سے ایک تیر کے برابر ہیں۔ کمان سے مراد کمان ابرو۔ اور تیر سے تیر مژگان آفتاب کی شعاعوں سے کہیں زیادہ تیز اور روشن ہیں) اور چاند کو کسی شخص نے تجھ سے زیادہ کامل نہیں پایا (تمام آفریدہ تر۔ چاند مکمل ہوتا ہے۔ تو اسے ماہ تمام کہتے ہیں۔ تمام آفریدہ: خلقت و پیدائش میں کامل۔ مطلب یہ کہ بلحاظ کمال آفرینش تو ماہ کامل سے کہیں بڑھ کر ہے)

(۶) میں تیری درگاہ میں ہزاروں امیدوں کا دندان زدہ ہوں (دندان زد۔ اسم مفعول ترکیبی وہ شخص جس کو دانتوں سے کاٹا گیا ہو۔ گزیدۂ دنداں۔ یعنی مجھے ہزاروں امیدیں پیدا ہوئیں۔ مگر ناکامی ہوئی۔ حسرت ناکامی کی یاد دل میں ایسے ہے جیسے کسی کتے نے کسی شخص کے دانت مار دیئے ہوں اور زخم ہو گئے ہوں۔ میں سر کوئے سگ گزیدہ سے بھی بڑھ کر گزیدہ ہوں۔

(۷) وہ کانٹا جو تیرے راستے میں میرے دل میں ٹوٹ کر رہ گیا تھا۔ جس قدر میں نے اسے زیادہ نکالنے کی کوشش کی وہ اتنا ہی زیادہ اور چبھتا اور دھنستا گیا (ہر چند میں نے درد عشق کو دل سے نکال پھینکنے کی کوشش کی مگر مجھے اس میں کامیابی نہ ہوئی بلکہ وہ اور بڑھتا گیا۔ کاوش۔ تگا فتن۔ کریدنا۔ خلیدن۔ چبھنا اور کھٹکنا)

(۸) ایک پری وش کے عشق کی بے تاثیری کو ہم نے جادو کے زور سے اپنے مقصد کے حصول میں افسوں سے زیادہ مؤثر بنا لیا ہے (پری وش: مانند پری۔ پری سے مقصد براری نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم نے باوجودیکہ مشابہ بہ پری ہونے کی وجہ سے اس کا عشق غیر مؤثر تھا اپنے خلوص یا شاعر کے جادو کے زور سے اس کی بے اثری کو اپنے مقصد کے موافق بنا لیا ہے۔ یعنی اب وہ ہم پر مہربان ہے۔ کلام مؤثر کو سحر حلال کہا کرتے ہیں۔ اور کسی کے دل کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے جادو ٹونہ سے کام لیا کرتے ہیں۔ ناروائی۔ سکہ کا کھوٹا ہونا اور بازار میں نہ چلنا (یہاں مراد غیر مؤثر ہونا ہے)

(۹) اے نظیری! اس بات پر نازاں مت ہو۔ کہ تو نے تعلقات کے بوجھ کو اتار پھینکا ہے۔ خود ہستی بھی تو ایک تعلق ہے اس لئے

اس سے بھی الگ ہو جا (ہستی کا تعلق بھی قطع کر ڈال۔ جریدۂ ترسیمی جریدۂ ترشوا بھی اور تجرد تنہائی اختیار کر کہ صرف علائق کے قطع کرنے سے کامیابی نہیں بلکہ اپنی ہستی کو ترک کرنے سے کامیابی ہو گی)

غزل نمبر ۶

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ ہر دم از زلفِ تو دارم کافرستانے دگر — و مبدم نو میکنم از رویت ایمانے دگر

۲ یا تو ئی یا حسنِ رخسارِ ترا دُزدیدہ است — چونتوئی گر سر برآرد از گریبانے دگر

۳ چاشنی گنجِ آں لب از مذاقم کے رود — گر بگردانم زباں را در نمکدانے دگر

۴ نیست ہم دعوی حریفے حسنِ تنہا ہر زماں — رخش میتازد ز میدانے بمیدانے دگر

۵ چابکے با خویش طرحِ ترکتازی افگندہ است — گوئے و یگر مینہد ہر دم بچوگانے دگر

۶ تا بروں آرد سرے از لوحِ پیشانی او — طفل گردد عقل ہر دم در دبستانے دگر

۷ حسن ہر سو در لباسِ صورتے پنہاں شود — عشق ہر ساعت در آویزد بدامانے دگر

۸ پیشِ حکمش گردم از عذرِ خطائے خود زند — مے نہد بر روئے آدم خالِ عصیانے دگر

ن ناداری

۹ دردِ نایابی و ناداں نظیری مشکل است
غیرِ خاموشی ندیدم ہیچ درمانے دگر

(۱) تیری زلفوں کی وجہ سے مجھے ہر گھڑی ایک نئے کافرستان کا سامنا ہوتا ہے اور تیرے چہرے کے سبب میں ہر دم نیا ایمان پاتا ہوں (معشوق کی زلفوں کو "ہندو" اور "کافر" اور اس کے رخسار کو "مصحف" و "قرآن" سے استعارہ کرتے ہیں۔ تیری زلفوں کو دیکھ کر ہر لحظہ کافر اور پھر تیرے رخ کو دیکھ کر نئے سرے سے مسلمان ہو جاتا ہوں)

(۲) (دوسرا مصرعہ پہلے) اگر تیرے جیسا کوئی اور کسی دوسرے گریبان سے سر نکالے (کسی دوسری جگہ جلوہ گر ہو) تو یا تو وہ خود تو ہی ہے۔ اور یا پھر اس نے تیرے رخسار کے حسن کو چرا لیا ہے (جہاں کہیں جلوۂ حسن نمودار ہوتا ہے۔ وہ تیرے ہی حسن کا پرتو ہے)

(۳) اس لب کے گوشہ کا لطف میرے مذاق سے کبھی دور نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ میں اپنی زبان کو کسی دوسرے نمکدان میں ڈال دوں۔ (گردانم:- پھراؤں جو لطف اس گوشۂ لب کے بوسے میں ہے۔ کسی دوسرے میں نہیں اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس لب سے گالیاں سن کے جو لطف حاصل ہو وہ کسی دوسری جگہ نہیں ہو سکتا۔ اور اس صورت میں دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ میں کسی دوسرے حسین کو چھیڑ کر اس کی زبان سے گالیاں نکلواؤں مگر ان میں وہ لطف کہاں)

(۴) کوئی دوسرا (اس کا) ہم دعویٰ مدمقابل نہیں ہے اس لئے حسن ہر زمانے میں اکیلا ہی ایک میدان سے دوسرے میدان میں گھوڑا دوڑاتا پھرتا ہے (دنیا میں کوئی دوسری چیز حسن کا مقابلہ نہیں کر سکتی کہ وہ سب سے بڑھ کر ہے۔ یہاں حسن سے مطلق حسن مراد ہے۔ نہ بطورِ مجازِ حسین)

(۵) اس چالاک اور ہوشیار (شہسوار) نے اپنے ہی ساتھ مقابلے کی طرح ڈال رکھی ہے (کوئی دوسرا اس کے مقابلے کا نہیں ہے)

اس لئے وہ ہر آن نئی چوگان سے نئی گیند کو مارتا ہے (شعر سابق کا ہم مضمون ہے)

(۶) دوسرا مصرعہ مقسم، عقل ہر دم ایک نئے مکتب میں "طفلِ مکتب" بنتی پھرتی ہے تاکہ اس کی لوحِ پیشانی کا کچھ اتا پتہ پا سکے۔ (سراز مضمون برآوردن:۔ کنایہ از فہمیدنِ آں۔ سراز کار برآوردن از عہدۂ آں برآمدن۔ محبوب کی پیشانی کو لوح سے تشبیہ دی ہے کہ اس کے مضمون کو سمجھنے سے عقل باوجود صد ہزار کوشش کے قاصر ہے۔ گویا عقل ایک بچہ ہے۔ جو کبھی ایک اور کبھی دوسرے مکتب میں جاتا ہے کہ اس کی لوحِ پیشانی کو پڑھ کر اس کا کچھ مفہوم سمجھ سکے۔ مگر ہنوز ناکامی کے کچھ حاصل نہیں۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ پیشانی انسان کا نوشتۂ تقدیر ہے)

(۷) حسن ہر طرف کسی نئی صورت کے لباس میں پنہاں اور عشق ہر دم کسی نئے دامن سے وابستہ ہو جاتا ہے (حسن ایک ہی ہے جو مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ گویا صورتیں حسن کا لباس ہیں۔ جس طرح لباس بدن کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اسی طرح مختلف صورتیں اس حسنِ حقیقی کے لئے پردہ ہیں کہ ہم اختلافِ لباس کی وجہ سے حسن کے تعدد کا خیال کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک ہی ہے)

(۸) اگر آدمؑ، اس کے حسن کے سامنے اپنی غلطی کا عذر پیش کرنے کی جرأت کرے تو وہ آدمؑ کے چہرے پر ایک اور گناہ کا داغ لگا دے (اس کے حکم کے سامنے اپنے گناہ کا عذر نہیں پیش کرنا چاہیئے۔ کہ وہ "پدر از گناہ" ہے۔ بلکہ بے چون وچرا تعمیل حکم کرنا چاہیئے حسن "عذر" کو سن ہی نہیں سکتا)

(۹) اے نظیری! ناکامی اور جہالت کی بیماری بہت سخت ہے۔ میں نے تو اس کا علاج خاموشی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا (یہ بیماریاں لاعلاج ہیں)

غزل نمبر ۷

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ دردِ دل را میکنم با صبر پیوندے دگر — بر طبیبِ خود تغافل میزنم چندے دگر

۲ اعتمادے نیست بر عہدے کہ نقصانے ندید — ہست در پیماں گسستن مہر پیوندے دگر

۳ گرچہ میدانم قسم خوردن بجانت خوب نیست — ہم بجانِ تو کہ یادم نیست سوگندے دگر

۴ پائے تا سر دیدہ ام از شوق رخسارت کہ ہست — ہر سرِ شکم بے تو چشمِ آرزومندے دگر

۵ پیرِ کنعاں باکہ گیرد اُنس در بیت الحزن — بوئے یوسفؑ رانمے یابد ز فرزندے دگر

۶ چوں بشرم بخشم کشتی حلالت ساختم — کیں مروت نیست با طبعِ خداوندے دگر

۷ تاب مے آری کہ از کف مے نہی آئینہ را — از جمالِ تو ندیدم جز تو خرسندے دگر

شکوہ و شکرِ نظیری عکسِ کین و مہر تست
آئینہ مہناکہ طوطی نشکند قندے دگر

(۱) میں اپنے دردِ دل کو صبر سے ایک نیا پیوند لگا لیتا ہوں۔ اور (اس طرح) میں اپنے طبیب کی طرف سے کچھ عرصہ اور تغافل برتتا ہوں (عشق کو ابتدا میں ضبط کرتا اور معشوق سے چھپاتا ہوں۔ گویا طبیب کو اپنے درد سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا۔ کہ خود ہی اچھا ہو جائیگا مگر چند سے دگر کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ یہ کوشش کامیاب نہ ہوگی۔ یعنی معشوق پر عشق ظاہر ہو کر رہے گا)

(۲) اس عہد پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا جو ایک دفعہ ٹوٹ نہ چکا ہو۔ کیونکہ شکستِ عہد میں ایک نئے تعلق کی مہر لگ جاتی ہے (پہلی دفعہ کا عہد الفت و وفا گویا ایک مہر لگا کر باندھا گیا تھا۔ جب وہ ٹوٹ کر پھر نیا عہد بندھا تو گویا ایک اور مہر لگ گئی۔ اور اب وہ مضبوط تر ہو گیا۔ اس مضمون کے مختلف اسالیب بیان کے ساتھ نظیری کے متعدد اشعار گزر چکے ہیں۔)

(۳) اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تیری جان کی قسم کھانا اچھا نہیں۔ مگر تیری جان ہی کی قسم کہ مجھے کوئی دوسری قسم یاد نہیں رہا۔ وجد یہ کہنے کے کہ تیری جان کی قسم کھانا اچھا نہیں پھر "بجان تو" کہہ کر قسم کھاتا ہے۔ شوخی کے علاوہ خوبی یہ ہے۔ کہ معشوق کے سوا اور کسی کو قابل التفات نہیں سمجھتا گویا اس کے سوا کچھ نظر میں ہے ہی نہیں۔ خوبی اس شعر میں یہ ہے کہ ہم بجان تو کہہ کر واقعی اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ مجھے اور کوئی قسم یاد نہیں۔

(۴) میں نے شوق و محبت کی وجہ سے تیرے رخسار کو سر سے پاؤں تک (خوب غور سے) دیکھا ہے۔ دیکھا ہے کہ اب تیری جدائی میں میرا ہر ایک آنسو ایک نئی آرزومند آنکھ بن رہا ہے۔ (میں نے تیرے رخسار کو اس شوق سے دیکھا کہ میری آنکھوں میں تو ہی تو سما کر رہ گیا۔ اب جب تو موجود نہیں تو تیری جدائی میں آنسو بہا رہا ہوں۔ اور آنسو بھی چونکہ آنکھ سے نکل رہے ہیں جس میں تو سمایا ہوا تھا، اس لئے ہر آنسو چشم آرزومند دیدار ہے۔ درحقیقت آنسو نکلنے کی وجہ فراق دیدار ہی ہے۔ اگر پائے تاسر دیدہ ام کے معنی میں ہمہ تن آنکھ بن گیا ہوں" کئے جائیں اور "شوق" کے ساتھ کسرۂ اضافت مانا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ میں تیرے رخسار کے شوق میں ہمہ تن دیدہ بن رہا ہوں۔ کیونکہ الخ مگر اس صورت میں "ہر سر شک" کے "چشم آرزومند دیگر" بننے سے پہلے مصرعہ میں "پائے تاسر دیدہ ام" مہمل ہو جاتا ہے کہ پہلے مصرعہ میں تو شاعر اپنے آپ کو ہمہ تن دیدہ کہتا ہے مگر دوسرے مصرعہ میں "ہر سر شک" ہی "چشم آرزومند" بنکر رہ جاتے ہیں اس لئے میرے خیال میں دیدہ ام ماضی قریب بمعنی واحد متکلم پائے تاسر "متعلق بہ رخسار" اور شوق بلا اضافت پڑھا جائے تو شعر میں صفائی اور خوبی زیادہ ہے۔ غور کرنے سے دونوں میں فرق واضح ہو سکتا ہے۔)

(۵) باوجودیکہ حضرت یعقوبؑ کے اور بھی بیٹے تھے مگر جو الفت انہیں یوسفؑ سے تھی کسی دوسرے سے نہ تھی۔ گویا انہیں حضرت یوسفؑ سے جو محبت آتی تھی وہ کسی دوسرے بیٹے میں نہ تھی۔ مطلب یہ کہ ہم جنس و ہم صورت ہونیکے باوجود سب افراد برابر نہیں ہوتے ہوئے محبت و وفا ہر ایک میں نہیں ہوتی۔)

(۶) چونکہ تو نے مجھے اپنی بخشش کی شرم سے مار ڈالا اس لئے میں نے اپنا خون، تجھ پر حلال کر دیا۔ کیونکہ کسی اور آقا کی طبیعت میں یہ مروت موجود نہیں ہے (تو نے مجھ پر اس قدر متواتر و مسلسل بخشش کی کہ میں شرم سے مر گیا۔ اس لئے تو قابل مواخذہ نہیں بلکہ قابل تعریف ہے۔ کیونکہ میں تیرا غلام اور بندہ ہوں۔ اور تیرے سوا کون آقا ایسا ہے جو اپنے غلام پر اس قدر مہربانیاں کرتا ہو۔)

(۷) تو ہی ہے جو اپنے ہاتھ سے آئینہ رکھ دینے کی تاب لا سکتا ہے۔ ورنہ میں نے تیرے سوا تیرے جمال سے کسی کو خورسند نہیں پایا (عشاق یہ تاب نہیں لا سکتے کہ تیرا رخ انور ایک ساعت کے لئے بھی ان کی نظر سے دور ہو۔ معلوم نہیں تو کیسے آئینہ میں اپنا عکس رخ دیکھ کر بسر ہو جاتا اور آئینہ رکھ دیتا ہے۔)

(۸) نظیری کا شکر یا شکوہ تیری ہی محبت یا کینہ کا عکس ہوتا ہے۔ (تیرے اظہار محبت سے وہ شکر اور اظہار عتاب سے شکوہ کرنے لگتا ہے) اس طوطی کو آئینہ مت دکھا کہ یہ اب میٹھا بول نہیں بولے گی (طوطی کی شیریں زبانی کی وجہ سے اس کو دوسری صفات کے علاوہ شکر شکن بھی کہتے ہیں۔ آئینہ سامنے رکھ کر طوطی کو تعلیم دینا مشہور ہے۔ مطلب یہ کہ میں صرف تجھی سے وابستہ ہوں۔ اور تیرے شکر و شکوہ کے سوا کسی اور امر کی طرف مایل نہیں ہو سکتا۔ میرے اشعار کی ترنم ریزیاں صرف تیرے لئے مخصوص ہیں۔ مولانا اکبر اپنے شکر و شکوہ کی تحدید یوں کرتے ہیں ؎

ہنگامۂ شکر و شکوہ دنیا میں ہے گرم — لیکن میرے دل سے یہ صدا آتی ہے
کھلتا نہیں راز دہر شکوہ ہے۔ تو یہ — اور شکر یہ ہے کہ موت آ جاتی ہے

غزل نمبر ۸

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان: مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

به بیرحمی دلے داری دلِ صیاد ازاں خوشتر — زبانے در کتابت سیلئے استاد ازاں خوشتر
بخود قیدے نداری باوجود حسن و زیبائی — زہر خوبی که داری خاطرِ آزاد ازاں خوشتر

ن ز

ہر کسان از تو نکوئے می کنند بامید سودے — یوسف کسی کے ساتھ الفت پیدا کرنے سے یوسف کی سی خوشبو نہیں آتی۔

فریب خندہ میخواند عتاب غمزہ میراند ۔ زخوباں خوش بود مہر و وفا بیداد ازاں خوشتر
چو دریا بیکشم دم در خود و در جوش مے آیم ۔ کہ خاموشی خوشش مے آید و فریاد ازاں خوشتر
زبیدادش نمے نالم گرم زیر و زبر سازد ۔ بنائے کو کند ویراں نہد بنیاد ازاں خوشتر
نثارے بر رخ او صد عوض در زیر لب دارد ۔ بروجانے گرافشاندیم صد جاں داد ازاں خوشتر

نظیری جذب بے باعث بصحبت میکند خلوت
اگر فضلے نداری عشق ما ورزاد ازاں خوشتر

(۱) ہر چند میں تیرا دل ایسا ہے کہ اس سے تو شکاری کا دل ہی بہتر ہے (شکاری کے دل میں کبھی نہ کبھی وقت شکار رحم آجاتا ہوگا مگر تو اس سے بھی بڑھ کر سنگ دل ہے) اور تیری زبان ایسی ہے کہ کتابت سیکھنے میں استاد کا چپت اس سے اچھا ہے (تیری زبان استاد کے چپت سے زیادہ تکلیف دہ ہے) عربی کا شعر ہے ؎

جراحات السنان لها التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

(یعنی نیزوں کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں، مگر زبان کے زخم مندمل نہیں ہوتے)

(۲) باوجود حسن و خوبی کے تجھے اپنے ساتھ کوئی وابستگی نہیں ہے۔ تیرا دل آزاد تیری ہر خوبی سے بڑھ کر ہے۔ (لوگ تیرے حسن پر فریفتہ ہیں مگر تو اپنے حسن کی قید و وابستگی سے آزاد ہے۔ تیرے دل کی آزادی تیری باقی سب خوبیوں سے بڑھ کر اور قابل رشک ہے)

(۳) (حسینوں کا فریب خندہ عاشقوں کو بلاتا ہے۔ (خندہ دیکھ کر وہ دھوکا کھا جاتے ہیں۔ کہ محبوب خوش ہے۔ گویا یہیں بلاتا ہے) اور ان کے غمزے کا عتاب (عشاق کو) زکال دیتا ہے۔ محبوبوں سے مہر و وفا بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر بیداد اس سے بھی اچھی ہے)

(۴) (کبھی تو) میں دریا کی طرح اپنے دم کو دل ہی دل میں روک لیتا ہوں (خاموشی اختیار کر لیتا ہوں) اور (کبھی) پھر جوش میں آجاتا ہوں (کیونکہ اس کو خاموشی پسند آتی ہے اور چیخ و پکار اس سے بھی بڑھ کر اچھی لگتی ہے (تو میری دم کشی اور جوش دونوں محبوب کی پسند کی وجہ سے ہیں)

(۵) میں اس کی بیداد سے فریاد نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ مجھے تہ و بالا کر ڈالے کیونکہ جس نے وہ ویران کرتا ہے اس کی بنیاد پہلے سے بھی اچھی رکھتا ہے (وہ اگر مجھے بگاڑتا ہے تو سنوارنے کے لئے پھر شکایت کیسی) مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند اول آں بنیاد را ویراں کنند

(۶) اسکے رخ کا نثار جو کچھ ہم اس کے رخسار پر قربان کرتے ہیں اس سے بیچ سو عوض رکھتا ہے اگر ہم نے کبھی اس کے رخسار پر ایک جان قربان کی تو اس (کے لب) نے اس سے بہتر نہیں سو جان بخش دی (اس کے رخسار اگر عشق میں جانفروز ہیں تو اس کے لب جاں بخش ہیں)

(۷) اے نظیری! جذب عشق بغیر کسی (دوسرے) وسیلے اور سبب کے تجھے (اس کی صحبت میں خاص کر دے گا) جذب عشق کی وجہ سے تجھے وہ اپنی صحبت و ہمنشینی کے لئے خاص کر لے گا۔ اس لئے اگر تو اور کوئی فضیلت نہیں رکھتا تو مادر زاد عشق اس سے بھی بڑھ کر ہے (یہی خوبی کافی ہے)

غزل نمبر ۹

بحر ہزج مثمن اضرب مکفوف محذوف الآخر — ارکان: مفعول، مفاعیل مفاعیل مفاعیل

اے مطرب جاں سوخت دلم پردہ دگر گیر ۔ یا پردہ ازیں راز بیک مرتبہ برگیر

۱ راہے بنواز تا کہ غمِ عشق در آید ۲ گو شورش و مستی و جوانی رہ در گیر
۲ راہے کہ بمطلوب قریب است عزیز است ۲ تا سر نزدت پائے ازیں مرحلہ بر گیر
۳ اسرارِ خراباتِ مغاں سادہ تواں یافت ۴ ہاں اے بطِ مے بلبلہ پرداختہ تر گیر
۴ زیں ہمنفساں آتشِ سردت نفروزد ۵ یارِ دمِ گرمے شو و چوں سوختہ در گیر
۵ تو طفلی و ایں راحت و غم میدہدت دست ۶ تا خونِ جگر شیر شود خونِ جگر گیر
۶ جامِ فلک آمیختۂ شہد و شرنگست ۷ کارے کہ ازو ساختہ تر گشت بتر گیر
۷ تا در طلبِ کامِ خودی کام نیابی ۸ بگذر ز مرادِ خود و مقصود ببر گیر

دل زاولِ شب طالبِ فیضے ست نظیری
۹ لب باز کن و ساغرِ لبریزِ سحر گیر

(۱) اے جان کے مشتاق میرا دل جل گیا۔ کوئی دوسرا کام شروع کر اور یا پھر یکبارگی اس راز پر سے پردہ اٹھا دے (نغمۂ محبت میرے دل کو جلائے ڈالتا ہے۔ یا تو اس کو بدل دے یا پھر اپنا راز ہی مجھ پر کھول دے۔ کہ ایک ہی مرتبہ شعلۂ نور سے جل بجھوں)

(۲) ایسے طریق سے نغمہ گا کہ غمِ عشق (دل میں) اجاگر ہو۔ شورش و مستی اور جوانی سے کہہ دو کہ وہ اپنا راستہ لیں (رہ زدن۔ کنایہ از سرد و گفتن۔ عشق کے آتے ہی جوانی و شورش و مستی جاتے رہیں گے۔

(۳) جو راستہ مطلوب کی طرف قریب ہو وہی عزیز ہوتا ہے۔ جبتک سر نہ کٹ جائے اس منزل سے قدم ہٹائے رکھو (منزل عشق میں محبوب تک پہنچنے کے لئے سب سے قریب راستہ سرفروشی و جاں نثاری کا ہے۔ جب تک تمہیں یہ مقام حاصل نہ ہو منزل عشق میں قدم مت رکھو)

(۴) خراباتِ مغاں کے راز تو بالکل سادہ طریق سے معلوم کئے جا سکتے ہیں ہاں! اے شراب کی صراحی! ذرا اور صاف آواز نکال (بطِ مے صراحی شراب، بلبلہ۔ آواز جو صراحی سے شراب انڈیلتے وقت پیدا ہوتی ہے للقل مینا۔ اور صراحی کو بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ شراب پی کر راز مغاں معلوم ہو سکتے ہیں۔ عشق و محبت کے راز عشق و محبت کی شراب پی کر معلوم کئے جا سکتے ہیں)

(۵) ان ہمنشینوں سے تیری بجھی ہوئی آگ نہ جل سکے گی اس لئے کسی گرم دم کا دوست بن جا اور جلے ہوئے کی طرح بھڑک اٹھ (گرم دم:۔ جو عشق و معرفت کی گرمی سے گرمایا ہوا ہو۔ آگ پھونکیں مار مار کر جلایا کرتے ہیں۔ اس لئے ہمنفساں کا لفظ بھی خوب ہے)

(۶) تو بچہ ہے۔ اور اس لئے ہے یہ راحت و غم حاصل ہو رہے ہیں۔ اس وقت تک کہ خونِ جگر دودھ بنے تو خونِ جگر ہی پئے جا (بچہ کو ماں کے پیٹ میں خون کی غذا ملتی ہے۔ ولادت کے بعد وہی خون دودھ بن جاتا ہے۔ دنیا میں انسان کو رنج بھی پہنچتا ہے اور راحت بھی۔ رنج میں گویا اسے خونِ جگر پینا پڑتا ہے اور راحت کا لطف شیر کا سا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اگر تمہیں رنج و غم میں خونِ جگر پینا پڑتا ہے۔ تو گھبراؤ نہیں کہ اس کے بعد راحت کا دودھ بھی نصیب ہوگا۔ جس طرح بچہ پہلے خون پیتا ہے اور پھر دودھ)

(۷) آسمان کا جام شہد اور زہر کا مرکب ہے۔ جو کام اس سے زیادہ اچھے طریق پر انجام پا گیا۔ اس کو اور بھی بدتر سمجھ (جتنا کسی کو زیادہ آرام ملتا ہے اس کے بعد اس سے بڑھ کر رنج و الم نصیب ہوتا ہے)

(۸) جب تک تو اپنے مقصد کی طلب میں لگا رہیگا کامیاب نہ ہوگا (دور ایک دفعہ اپنی مراد کو ترک کر دے اور پھر مقصود کو اپنے پہلو میں پا لے (ترکِ مقصدی کامیابی مقصد ہے یعنی اگر تم مطالب دنیوی سے بے نیاز ہو جاؤ تو اصل مقصد حاصل ہو گیا)

(۹) اے نظیری اول تو رات کے پہلے حصہ سے فیض کا طالب ہے (ابتدائے شب سے طلب فیض میں بیدار رہ) منہ کھول اور صبح کا بھرا ہوا پیالہ لے لے (انوار صبح سے مستفیض ہو جا)

غزل نمبر ۱

بحر رجز مثمن سالم — ارکان: مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن

۱ چشمش برا ہے میرود مژگان نمناکش نگر — در سینہ دارد آتشے پیراہنِ چاکش نگر
۲ دامے کہ زلف انداختہ در گردنِ سیمینش ہیں — خونے کہ مژگاں ریختہ بر دامنِ پاکش نگر
۳ شرم از میاں برخاستہ مہر از دہاں برداشتہ — گفتار بے ترسش ببیں رفتار بیباکش نگر
۴ قصد فریبے میکند سوئے غزالے می چمد — آں چشمِ آہو گیر را باز لفِ پیچاکش نگر
۵ از کوئے معشوق آمدہ شوریدگاں حلقہ اش — از صیدِ آہو میرسد شیراں بفتراکش نگر
۶ دل بردہ در دل باختن معشوقِ عاشق پیشہ ہیں — بگرفتہ در انداختن بازوئے چالاکش نگر

وحشی غزالے کز حیا رم در بیاباں میخورد
رامِ نظیری میشود در ہوش و ادراکش نگر

معشوق خود کسی کے عشق میں مبتلا ہو گیا ہے اس مسلسل غزل میں اس کی حالت کا بیان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ غزل نظیری کی بہترین غزلوں میں سے ہے +

(۱) اس کی آنکھ بھی کسی راستے پر لگ رہی ہے (انتظار میں ہوگا) اس کی نمناک پلکوں کو دیکھو (عشق میں بے اختیار آنسو نکل آئے ہیں) اس کے سینے میں ایک آگ لگ رہی ہے۔ اس کا پھٹا ہوا کرتا دیکھو (جنونِ عشق میں اس نے چاک کر ڈالا ہے)
(۲) جو جال اس کی زلفوں نے لگایا تھا وہ اب اس کی اپنی ہی نازک اور خوبصورت گردن میں دیکھو (خود کسی کی زلفوں کے دام کا اسیر ہو چکا ہے) اور جو خون (عاشقوں کا) اس کی پلکوں نے گرایا تھا۔ اسے اب خود اس کے پاک دامن پر دیکھ لو (خون کے آنسو اپنے دامن سے پوچھتا ہے)
(۳) اس کی شرم اٹھ گئی ہے۔ اور اس کے منہ پر کی مُہر ٹوٹ چکی ہے (معشوق کی حیثیت میں وہ نہایت شرمگیں اور مہر بہ لب تھا) اب اس کی بے خوف گفتگو اور بے باک رفتار دیکھو۔
(۴) وہ کسی فریب کا ارادہ کر رہا ہے اور اسی لئے کسی غزال کی طرف جا رہا ہے۔ اس کی این آہو گیر آنکھوں کو اس کی پُر پیچ و خم زلفوں کے ساتھ ذرا ملاحظہ کرو (عاشقی میں بھی معشوقیت قایم ہے کہ عاشق کو پھانسنے کے لئے "چشم و زلف" دام و دانہ بنا رہا ہے)
(۵) وہ معشوق کے کوچے سے آیا ہے مگر اس حالت میں کہ عاشق اس کے گرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں۔ گویا وہ ہرن کو شکار کر کے آیا ہے مگر دیکھو کہ خود اس کے شکار بندیں شیر بندھ رہے ہیں۔
(۶) اس معشوق عاشق پیشہ کو دیکھو کہ دل کے ہار دینے میں بھی وہ دل لے گیا (اس کے چالاک بازوؤں کو دیکھو کہ اس نے گرنے میں بھی پکڑ لیا) دل ہارنے میں دل لے لیا۔ مطلب یہ کہ عشق میں معشوق کو دل دے رہا تھا مگر خود معشوق کو اپنا عاشق بنا کر اس کا دل لے لیا۔ بگرفتہ در انداختن اس کا معشوقی اسے زیر کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے نہایت ہوشیاری سے اسے زیر کر لیا اور عاشق بنا لیا۔
(۷) وہ وحشی غزال جو شرم کے باعث بیابان میں رم کرتا پھرتا ہے وہ نظیری سے رام ہوا جا رہا ہے۔ اس کی عقل و ہوش کو دیکھو (کہ اس قدر وحشت کے باوجود نظیری اسے رام کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے)

غزل نمبر ۱۱

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

۱ منشیں بشاہد آبِ رخِ پارسا مبر — آئینۂ صفا بدمِ بے صفا مبر

۲ دور از طریقِ تہمت اگر جیبِ مریم ست — دلہائے پاکِ معتقداں راز جا مبر

۳ از کوے چوں بجانبِ خلوت رواں شوی — بیگانہ را دروں مگذار آشنا مبر

۴ تا زخمِ طعن زن نخوری در سرائے خویش — گر سایہ ہمرہِ تو شود از قفا مبر

۵ آئینہ ات زہمنفساں تیرہ مے شود — سیمائے حُسن مشکن و رنگِ حیا مبر

۶ تلخت شکر شود بلبِ انگبیں مدہ — خارت سمن شود بگذارِ صبا مبر

۷ نالاں مگرد و قیمتِ ما را سبک مساز — گریاں مباش و آبِ رخِ کارِ ما مبر

۸ بودن بطبعِ خوش منشاں کارِ مشکل ست — نازک دلے بسر نرسانی عنا مبر

حرزِ جمالِ خود ز نظیری طلب نمائے
۹ جز سوئے حفظ خاطرِ او التجا مبر

(۱) معشوق کے پاس مت بیٹھ اور اپنے پارسا چہرے کی آبرو ضایع نہ کر (اس کے پاس بیٹھنے سے پارسائی کی عزت جاتی رہیگی) اپنے پاک صاف آئینہ دل، کو اس کے ناصاف سانس کے سامنے مت لے جا (سانس سے آئینہ پر کدورت آجایا کرتی ہے معشوق مجازی کا عشق تمہارے دل کو مکدر کر دے گا)

(۲) جب یہ صحیح ہے کہ عصمت مریمؑ کسی تہمت سے داغدار نہیں تو پھر اس کہانی کی تفصیلات میں الجھ کر عقیدتمندوں کے دل مضطرب کرنے کی کوشش نہ کر۔

(۳) جب تو کوچے سے خلوت کی جانب روانہ ہو تو پھر نہ کسی بیگانے کو اندر آنے کی اجازت دے اور نہ کسی آشنا ہی کو (خلوت میں) لیجا (آشنا ہو یا بیگانہ خلوت میں خلل انداز ہوگا)

(۴) اگر تو چاہتا ہے کہ طعنہ زن (کے طعن) کا زخم نہ کھائے تو پھر اپنے مکان میں اگر سایہ بھی تیرے ہمراہ ہو جائے اسے اپنے پیچھے (اندر) مت لیجا (کوئی بھی شخص تیرے مکان میں تیرے ہمراہ جائے گا۔ تو لوگ تیری طرف انگشت نمائی کریں گے اور تو بدنام ہو جائیگا)

(۵) تیرا آئینۂ (دل)، ان ہمنشینوں کی وجہ سے مکدر ہوا جاتا ہے (اس لئے ان سے علیحدگی اور تنہائی اختیار کر) تو اپنے حُسن کی پیشانی کو خراب نہ کر اور حیا کا رنگ دور نہ کر (ان آوارہ مزاج ہمنشینوں کی صحبت میں بیٹھ کر اپنے حسن ظاہری و باطنی کو بٹہ نہ لگا لے اور بے حیا نہ بن جا)

(۶) تیری تلخیاں ہی شیریناں بن جائینگی۔ تو لبوں کو شہد مت بنا۔ اور تیرا کانٹا چنبیلی کا پھول بن جائیگا۔ تو اسے صبا کے راستے میں مت لے جا (تکلیفوں اور مصیبتوں سے گھبرا کر دوسروں کے وسیلے سے ان سے نجات پانے کی کوشش نہ کرو۔ خود

قدرت سے ہی آسانی سے سامان ہو جائیں گے کہ مصیبت کے بعد راحت ہوتی ہے۔)

(۷) نالہ کر کے ہمیں کم قیمت مت کر دو کہ لوگ عشاق کو کم حوصلہ سمجھنے لگیں گے اور ان کی کوئی قدر و قیمت ہی نہ رہے گی، گریہ کر کے ہمارے کام (عشق) کی عزت نہ گنوا دو۔

(۸) خوش طبیعت لوگوں کے مزاج کے موافق ہونا بہت مشکل کام ہے۔ چونکہ تم اس نازک دل (معشوق) کے ساتھ نباہ نہ کر سکو گے۔ اس لئے (عشق کی) تکلیف نہ ہی اٹھاؤ تو اچھا ہے دوسرے مصرعہ میں اگر نازک دلی بیائے معروف پڑھا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ اے محبوب تجھ سے نازک دلی نہیں نبھ سکے گی کیونکہ تجھے بڑے بڑے ستم کش عشاق سے واسطہ پڑے گا۔ اور خود تو بڑی بڑی جفائیں کریگا اس لئے نازک دلی کے خیال کو ابھی سے ترک کر دے اور تکلیف نہ اٹھا۔ یہ دوسری صورت مجھے بہتر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں یا محذوف ماننا پڑتا ہے)

(۹) تو نظیری سے اپنے سخن (کی حفاظت) کا تعویذ طلب کر اور اس کے دل کے پاس سوا حفظِ دشمن، کے اور کوئی التجا نہ لیجا

غزل نمبر ۱۲

بحر مضارع مثمن اضرب یکفوف مقصور — ارکان یفعول۔ فاع لات مفاعیل فاعلان

افلاک فتنہ زادہ بدامانِ روزگار	۱	برکردہ سر بلاز گریبانِ روزگار
سیبِ ذقن مگوے بگوگوئے آفتاب	۲	زلفش رُبود از خمِ چوگانِ روزگار
گاہے کہ عقل بر سرِ جمعیت آمدہ	۳	عشقش بہم زدہ سرِ سامانِ روزگار
دل چوں شناورے کہ عزیزش ز کف رود	۴	خود را فگند بر سرِ طوفانِ روزگار
از سر نوشتِ ساقیٔ دورانِ ما قضا	۵	بشکستہ خامہ در کفِ دیوانِ روزگار
ایزد چو کرد عاملِ چشمانش فتنہ را	۶	صد بار گفت جانِ تو و جانِ روزگار
نابودہ تا نگشتہ بسودائے زلف او	۷	خود را نکردہ جمع پریشانِ روزگار
شورِ بلاش شدہ دارو ئے زخمہا	۸	دردِ محبتش شدہ درمانِ روزگار
افغاں کہ جائے بودن و جنبیدنم نماند	۹	زخمم نشستہ بر سرِ پیکانِ روزگار
از قہر جیب و سینۂ خود پارہ میکنم	۱۰	دستم نمیرسد بگریبانِ روزگار
صبحِ اجل رسید و پر و بالِ میزنم	۱۱	در حسرتِ فروغِ شبستانِ روزگار
راہے بسوئے قبلۂ حاجت نمے برم	۱۲	سرگشتہ ام میانِ بیابانِ روزگار
جولانِ افتخار ازاں سو نگر کنم	۱۳	رخشم گذشتہ از سرِ جولانِ روزگار

گوئی کہ کامِ کودک و پستانِ مادرست
زخمِ نظیری و سرِ پیکانِ روزگار

(۱) آسمانوں نے زمانے کے دامن میں فتنے پیدا کر رکھے ہیں۔ اور زمانے کے گریبان سے بلائیں ظاہر ہو رہی ہیں۔ (از گریباں سر برکردن سر اٹھانا ظاہر ہونا یعنی ہر طرف فتنے اور مصیبتیں برپا ہیں)

(۲) اس کو سیب ذقن نہ کہو بلکہ یہ کہو کہ اس کی زلف زمانے کے چوگان کے خم سے آفتاب کی گیند لے آئی ہے۔ (ایک طرف زمانہ تھا اور دوسری طرف معشوق کی زلف۔ دونوں چوگان بازی میں مصروف تھے۔ زلف کی شکل چوگان سے ملتی ہے آفتاب کی گیند سے کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ اس کی زلف زمانے کو شکست دیتی ہوئی اس گیند کو لے آئی۔ اور وہ اس کا ذقن بن گیا۔ مطلب یہ کہ معشوق کی ٹھوڑی آفتاب سے بڑھ کر نورانی ہے)

(۳) جب بھی عقل برسر اطمینان ہوئی (جو بھی عقل کو اطمینان حاصل ہونے کے آثار نظر آئے) عشق نے اس کے روزگار کا تمام سرو سامان ہی درہم برہم کر دیا (عشق نے عقل کو ذہنی حاصل نہ ہونے دی۔ عشق میں ضمیر شین راجع بہ معشوق بھی ہو سکتی ہے)

(۴) دل نے اس تیراک کی طرح بس کا کوئی مؤثر ہاتھ سے نکل جائے اپنے آپ کو زمانے کے طوفان کے حوالے کر دیا ہے۔ (خود را بر سر طوفان افگندہ یعنی بچاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں نہیں مارتا۔ بلکہ من تہقد بر اپنے کو طوفان کے حوالے کر دیا ہے۔ کہ جو ہو سو ہو)

(۵) ہمارے زمانے کے ساقی کی سرنوشت کی وجہ سے قضا نے زمانے کے منشی کے ہاتھ میں قلم توڑ ڈالا ہے۔ (دوران کو ساقی قرار دیا ہے۔ یعنی ہمارا زمانہ ایک ایسا ساقی ہے جس کی تقدیر بالکل پھوٹ گئی ہے۔ اور اس کی تقدیر کو دیکھ کر قضا نے حسرت و افسوس سے اپنا قلم توڑ ڈالا ہے۔ مطلب یہ کہ ہماری قسمت میں کچھ بھی نہیں)

(۶) خدا نے جب فتنہ کو اس کی آنکھوں کا عامل مقرر کیا تو اس نے سو بار کہا کہ تیری جان اور زمانے کی جان لازم و ملزوم ہیں (معشوق کی آنکھیں فتنہ بار ہیں۔ اور جب تک دنیا موجود ہے یہ فتنہ بازی قایم رہے گی۔ تو لزوم کے لئے ہے)

(۷) جب تک اس کی زلفوں کے سودا عشق میں وہ مٹ نہ گیا۔ اس وقت تک زمانے کا پریشان شخص اپنے آپ کو اطمینان میں نہ پا سکا۔ (عشق میں مٹ جانا ہی تمام پریشانیوں کا خاتمہ ہے)

(۸) اس کے حسن کی نمکینی ہی زخموں کی دوا بن گئی (حالانکہ زخم کیلئے نمک مضر ہے۔ مگر اس کے حسن کی نمکینی سے زخم دل مندمل ہوتے ہیں) اور اس کی محبت کا درد زمانے کا علاج بن گیا ہے (اس کے درد محبت میں مبتلا ہو کر زمانہ تمام دوسرے رنجوں اور غموں کی طرف سے بے نیاز ہو گیا ہے)

(۹) فریاد ہے کہ نہ میرے ٹھہرنے اور نہ تڑپنے اور حرکت کرنے کے لئے ہی جگہ رہ گئی ہے۔ گویا میرا زخم زمانے کے تیر کی نوک کے اوپر ہے

(۱۰) میں قہر سے اپنے ہی گریبان اور سینہ کے ٹکڑے کئے دیتا ہوں۔ کیونکہ میرا ہاتھ زمانے کے گریبان تک نہیں پہنچ سکتا (حوادث و آفات کے لئے زمانہ ذمہ دار ہے۔ مگر اس کو میں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مجبوراً "قہر درویش بجان درویش" اپنے ہی جیب و سینہ کے ٹکڑے اڑا ڈالتا ہوں)

(۱۱) صبح کی صبح آہ پھینچی اور میں ابھی تک زمانے کے شبستان کی روشنی کی حسرت میں پر و بال پھڑپھڑا رہا ہوں (زمانہ کو قبرستان قرار دیا ہے۔ گویا یہاں ہمیشہ تاریکی ہی چھائی رہتی ہے۔ کیونکہ امید و آرزو بر آنے کی روشنی کبھی نمودار نہیں ہوتی۔ اسی حسرت میں کوئی امید بر آئے۔ عمر گزر جاتی ہے۔ صبح اجل :- اجل کو صبح قرار دے کر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ زمانے کی ناامیدیوں اور دل شکستگیوں کی مسلسل زندگی سے تو موت اچھی کہ وہ گویا ان تاریکیوں کے بعد روشنی کی صبح ہے)

(۱۲) مجھے قبلۂ حاجت کی طرف کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ میں زمانے کے بیابان میں سرگشتہ و حیران پھر رہا ہوں (کوئی مقصد برنہیں آتا۔ اس لئے سرگردان رہتا ہوں۔ گویا حاجت قبلہ ہے جس کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ بیابان میں سمت قبلہ معلوم کرنے میں دقت پیش آیا کرتی ہے)

(۱۳) (بتقدیم مصرعۂ ثانی) میرا گھوڑا زمانے کی جولانیوں سے گزر چکا ہے۔ اب شاید میں اس طرف سے فخر کے ساتھ جولان کر سکوں۔ (زمانے کی گھڑ دوڑ میں میں آگے نکل گیا ہوں۔ اس لئے اگر فخر کروں تو بجا ہے۔ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں شاعری میں تخیل کی بلند پروازی کے سبب سب شعرا سے بازی لے گیا ہوں اور اس پر مجھے فخر ہے۔ بازی جیتنے کے بعد گھوڑے کو فخر سے دوڑاتے ہوئے واپس آیا کرتے ہیں)

(۱۴) (دوسرا مصرعہ پہلے) نظیری کا زخم اور زمانے کے تیر کی نوک ایسے ہیں۔ گویا چھوٹے بچے کا منہ ہو اور (اس میں) ماں کا پستان ہو (نظیری زمانے کے تیروں کو اس طرح ذوق و شوق سے اپنے سینے پر کھاتا ہے جس طرح چھوٹا بچہ پستان مادر کو چوستا ہے)

غزل نمبر ۱۳

بحر مجتث مثمن مخبون محذوف — ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

۱ مے است چارۂ غم ہوشمند را چہ خبر — رموز بادۂ تلخست قند را چہ خبر

۲ سماعِ دُرد کشاں صوفیاں چہ میدانند — ز شیوہ ہائے سمندر سپند را چہ خبر

۳ بزیرِ شاخِ گل افعی گزیدہ بلبل را — نوا گرانِ نخوردہ گزند را چہ خبر

۴ ز دامنے کہ کشائیم ماتہی دستاں — تو میوۂ سرِ شاخِ بلند را چہ خبر

۵ ہزار دامِ تصوّر نہیم و برداریم — تو مرغِ وحشیِ فارغ ز بند را چہ خبر

۶ بخاص و عام نہد داغ بندگیِ عشقت — قبول و ردِّ تو مشکل پسند را چہ خبر

۷ ہزار شیخ و برہمن ز کیش و دیں برگشت — تصرّفِ نظرِ ارجمند را چہ خبر

۸ مسیح علاج نمایند پیرِ ناشنواں — طبیبِ دارو ئے نا سودمند را چہ خبر

بہ بندِ عشق نظیری خجستگاں افتند

۹ ستارۂ بد و بختِ نژند را چہ خبر

(۱) غم کا علاج شراب ہے، ہوشمند کو جس نے کبھی پی ہی نہیں، کو اس کی کیا خبر جو اسرار و رموز تلخ شراب میں ہیں۔ ان کی قند کو کیا خبر (شراب کی مستی میں سب غم بھول جاتے ہیں۔ اور جو اسرار و رموز یا معرفت شراب کے نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے لطف کو قند کی شیرینی بھی نہیں پہنچتی)

(۲) پھٹ پینے والوں کے وجد کو بیچارے صوفی کیا سمجھیں۔ سمندر کی اداؤں کی ہر ایک کو کیا خبر۔ وہ سراسر عنصر عشق کے طور پر ہے سمندر آگ میں بھی پیدا ہوتا اور وہیں زندہ رہتا ہے۔ اور سپند کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تو وہ فوراً تڑپ کر ختم ہو جاتی ہے۔ گویا وہ وحشی تو ہمیشہ وجد میں رہتے ہیں۔ (وجد کی یہ حالت کبھی طاری ہوتی ہے۔ اور اس میں بھی لطف یہ ہے کہ اول الذکر اپنی اس مسلسل حالت کی کسی کو خبر تک نہیں ہونے دیتے۔ مگر مؤخر الذکر اس وقتی کیفیت کو بھی چھپا نہیں سکتے)

(۳) بلبل کو شاخِ گل کے نیچے سے گویا اژدہا نے ڈس لیا ہے ان نغمہ گانے والوں کو جنہیں کسی نے کاٹا نہیں (اس کے لطف کی) کیا خبر (خار گل گویا اژدہا ہے اور یہ گزند گویا بلبل کو ایسا مرغوب ہے۔ کہ وہ اس کے شوق میں چہچہاتی ہے۔ گویا اس کا چہچہانا نتیجہ ہے گزیدگی کا اور اس لئے نہایت مؤثر ہے۔ مطلب یہ کہ عشق کی چوٹ کھائے ہوئے دل کا نغمہ ہدایت پُر سوز و گداز ہوتا ہے)

(۴) جس دامن کو ہم تہیدست کھولتے ہیں۔ اس کی تجھ اونچی شاخ پر کے پھل کو کیا خبر (ہم مفلس ہیں مگر ہمارا دامن قناعت کی دولت سے مالا مال ہے اور جو شخص دولت و مال کی خواہش و حرص میں بلندیوں پر اڑتا پھرتا ہے وہ ہماری قناعت کے لطف سے واقف و آگاہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عشق کی پامالیوں میں جو لطف ہم حاصل کر رہے ہیں۔ اسے دنیا دار لوگ اپنے شکوہ و شان کے باوجود نہیں سمجھ سکتے)

(۵) ہم تصور کے ہزاروں جال لگاتے اور اٹھا لیتے ہیں۔ مگر تجھ جال کی قید سے آزاد وحشی پرندے کو اس کی کیا خبر (تصور کو دام قرار دیا ہے۔ گویا ہم تصور ہی تصور میں تجھے اپنے قبضے میں لاتے ہیں۔ مگر یہ صرف تصور ہی ہوتا ہے۔ ہر دفعہ تصور ٹوٹنے پر معلوم ہوتا ہے کہ تو ہمارے قبضے

میں نہیں ہے۔ ادھر ہمارا یہ حالت ہوتی ہے اور ادھر تیری یہ کیفیت ہے کہ تو ایک مرغ وحشی ہے۔ جو جال میں پھنستا ہی نہیں۔ مطلب یہ کہ ہم تیرے عشق میں مبتلا ہیں۔ مگر تجھے خبر تک نہیں)

(۶) تیرا عشق تو اپنی غلامی کا داغ خاص و عام سب پر لگا لے جاتا ہے۔ مشکل پسند کو تیرے رد و قبول کا کیا علم۔

(۷) ہزاروں شیخ و برہمن اپنے طریقے اور مذہب سے پھر گئے و برہمن نے اپنا طریق اور شیخ نے اپنا دین چھوڑ دیا۔ اس مبارک نظر کے تصرف کو دیکھ جس نے شیخ و برہمن کو کیش و دین سے پھرا کر اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ کیا خبر نگاہ یار کے تصرف سے ہزاروں عشاق ترک مذاہب کر چکے ہیں۔ مگر اسے خبر بھی نہیں)

(۸) نصیحت نہ سننے والے (اپنی بیماری دل کا علاج شراب سے علاج کر لیا کرتے ہیں۔ مگر اس کی غیر فائدہ بخش دوا لے معالج کو کیا خبر ناصح نصیحت کرتے ہیں عشق ایک بیماری ہے اور نصیحت اس کا علاج۔ عشاق اس نصیحت کو نہیں سنتے۔ گویا ناصح کی دوا نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا۔ عشاق اپنی بیماری کا علاج مے سے کرتے ہیں اور یہ ایسا مؤثر علاج ہے کہ ناصح جس کی نصیحت "دارو دے نا سود مند" ثابت ہو چکی ہے اس سے ناآشنائے محض ہے)

(۹) اے نظیری! عشق کی قید میں خوش قسمت لوگ پھنسا کرتے ہیں۔ بدقسمت اور منحوس کو اس کی کیا خبر۔ عشق بڑے خوش قسمت لوگوں کے حصہ میں آتا ہے۔ وہ حرمان نصیب ہیں جو اس سے محروم رہتے ہیں)

غزل نمبر ۱۴

بحر رمل مثمن مقصور — ارکان:۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

۱ چشم زخم خلق را با حسن روز افزوں چکار — ہر کرا زلف و رخ اعجاز است با افسوں چکار

۲ از عتاب و لطف میبالند مشتاقان عشق — بلبلاں را با نوا کار است با مضموں چکار

۳ در عجایبہائے طور عشق حکمتہا گم ست — عقل را با مصلحت اندیشی مجنوں چکار

۴ کار ما با گردش طاس است نقش کعبتین — با حساب انجم و کج بازئ گردوں چکار

۵ دولت وارستگی ہر کہ نماید رو بخوشست — عشق را با وقت خوب و ساعت میموں چکار

۶ در بیابانے کہ خوبانند رہزن رہبر است — رہروان عشق را با جلہ ہائے خوں چکار

سادگیہائے نظیری دست صد تدبیر بست
عشق چوں دکاں فروچیند با فلاطوں چکار

(۱) دلوں کی نظر بد کو اس روز افزوں حسن سے کیا تعلق۔ جس کسی کی زلف اور رخسار ہی معجزہ ہو اس کو افسون و سحر سے کیا کام (معجزہ کے سامنے جادو نہیں ٹھیر سکتا۔ اسی طرح اس کے روز افزوں حسن کو نظر بد کا خوف نہیں۔ چشم زخم = نظر بد)

(۲) عشق کے مشتاق لوگ (معشوق کے) لطف و عتاب (دونوں) سے فخر و ناز کے سبب پھولے نہیں سماتے۔ کہ بلبل کو نغمے سے کام ہے مضمون سے کیا کام۔ اسی طرح عاشق کو معشوق سے ایک گونہ تعلق چاہیئے۔ خواہ وہ تعلق اس کے لطف کا ہو یا عتاب کا۔ بلبل اپنے نغمہ میں مست ہے۔ عاشق معشوق کے لطف و عتاب میں مست ہے)

(۳) عشق کے طور و طریق کے عجائبات میں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ عقل کو مجنوں کی مصلحت اندیشیوں سے کیا واقفیت (عشق کے اطوار میں ایسے ایسے عجائبات اور حکمتیں پوشیدہ ہیں کہ عقل ان کو نہیں سمجھ سکتی۔ مجنوں کے عشق و جنون میں بھی مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ تھیں

مگر عقل کی وہاں تک رسائی نہیں)

(۴) ہمارا واسطہ آج کل گردش جام اور نقش کعبتین (شرابخوری اور قمار بازی) سے ہے۔ اس لئے ہمیں تاروں کے حساب اور آسمان کی کج بازی سے کیا کام؟ (طاس، طشتِ کلاں۔ نیز ظرفے ست کہ در و آب شراب خورند۔ گردش طاس:۔ شرابخوری کعبتین دو پاسہ باشند کہ چہار از استخوان مربع شش پہلو کہ بر پہلوئے ہر یک پانسہ از یک تا شش عدد نقش کنند و بداں نرد باز ند عیاشہ)

(۵) وارستگی و آزادی کی دولت جب بھی ملے خوب ہے۔ اس لئے عشق کو مبارک گھڑی اور نیک وقت سے کیا کام ہوا رستگی۔ گویا عشق کی پابندی عاشق کے لئے آزادی ہے کہ معشوق کے سوا باقی سب چیزوں سے آزاد کر دیتی ہے۔ یادِ آزادگی چاہیئے۔ ہر ایک کام کے لئے وقت اور ساعت نیک کا لحاظ کیا کرتے ہیں۔ مگر کہتا ہے کہ عشق کے لئے کسی ایسی ساعت کی ضرورت نہیں کہ وہ ہر حال مبارک ہے)

(۶) جس بیابان میں معشوق ہوتے ہیں۔ وہاں کے رہزن بھی رہبر بن جاتے ہیں (کہ عشق میں دوسروں کی رہنمائی کرنے لگتے ہیں) اس لئے عشق کے میدان کے ہاگذروں کو خون کے دریاؤں سے کام کیا (جب رہزن رہبری کا طریق اختیار کر چکے ہیں۔ تو پھر خطرات و مہالک کہاں)

(۷) نظیری کی ساد گیوں نے سینکڑوں تدبیروں کے ہاتھ باندھ دیئے۔ جب عشق دکان آراستہ کرتا ہے۔ تو پھر افلاطون کی کیا ضرورت عشق جب ایک دفعہ کسی کے دل میں گھر کر لیتا ہے تو پھر موتدبیریں کر دعلاج پذیر نہیں ہوتا۔ یا ایسی بیماری ہے۔ کہ اس کا علاج افلاطون بھی نہیں کر سکتا)

غزل نمبر ۱۵

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاعِ لات مفاعیل فاعِ لُن

۱ ہر روز ہست نالۂ مُرغان دراز تر — گلزار بیوفا تر و گل بے نیاز تر

۲ پیداست عشقِ مجلسیاں را مدار چیست — مے جانگداز و مطرب ازاں جانگداز تر

۳ وارندزیرکاں ہمہ زاری کہ در چمن — نُدبے بقا تر آنکہ برآمد ببناز تر

۴ چندانکہ روز نرگسِ جادو بخواب رفت — شب شد سپہر شوخ تر و دیدہ باز تر

۵ قانون شکست مطرب ما را و ہمچناں — ضربت ز ضربتِ دگرش دلنواز تر

۶ کے دستِ ما بدامنِ آزاد میرسد — ہر روز ہست سرو رواں سرفراز تر

برصوتِ خود منازِ نظیری کہ ہر کہ رفت
دستاں بذوق تر شد و بُستاں لبساز تر

(۱) پرندوں کا نالہ و فریاد روز بروز بڑھتا جاتا ہے کیونکہ گلزار زیادہ بے وفا اور پھول زیادہ بے نیاز ہوتا جا رہا ہے (دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ نالہ و فریاد کا سبب گلزار کی بیوفائی اور گل کی بے نیازی ہے چونکہ گلزار کی بے وفائی اور گل کی بے نیازی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس لئے بلبلوں اور پرندوں نے بھی اپنے نالہ کو دراز تر کر دیا ہے۔ کہ بجو ئے ؎

نوا را تلخ تر زن چون ذوقِ نغمہ کم یابی — خُدی را تیز تر می خوان چو محفل را گراں بینی

دوسرا یہ کہ جتنا پرند سے نالہ کو تراز تر کرتے چلے جاتے ہیں اُسی قدر گلزار بیوفا تر اور گل بے نیاز تر ہوتے چلے جاتے ہیں یعنی عاشق

جس قدر زیادہ نیازمندی سے کام لیتا ہے معشوق اسی قدر زیادہ ناز کرتا ہے)

(۲) ظاہر ہے کہ اس کے ہم مجلسوں کے عشق کا درجہ کیا ہے کہ شراب جانگداز ہے اور مطرب اس سے بھی زیادہ جانگداز۔ رجب وہ ان جاں گدازیوں کا بہ کشادہ پیشانی سامنا کرتے ہیں تو پھر عشق کی جانگدازیوں سے گھبرا کر منہ نہیں موڑ لیں گے)۔

(۳) زیرک لوگ اس لئے ہر وقت زاری و عاجزی میں رہتے ہیں کہ وہ دیکھتے ہیں کہ) باغ میں جتنا کوئی پھول، زیادہ نازونزاکت والا ہوتا ہے اسی قدر زیادہ کم عمر ہوتا ہے (فخر و ناز بے بقائی کی علامت ہے)

(۴) اس کی جادو بھری آنکھ جس قدر دن کو سوتی رہی اسی قدر وہ رات کے وقت آسمان کو زیادہ شوخ بنانے والی اور زیادہ عیار باز ہو گئی۔

(۵) ہمارے مطرب کا ساز ٹوٹ گیا اور اس کے باوجود اسی طرح اس کی ایک ضرب دوسری ضرب سے زیادہ دلنواز ہے (قانون ساز)

(۶) ہمارا ہاتھ اس آزاد کے دامن تک کہاں پہنچ سکتا ہے کیونکہ وہ سرو رواں (قامت محبوب) ہر روز زیادہ سربلند ہوتا جا رہا ہے (محبوب کو سرو رواں کہتے ہیں۔ روز بروز اس کے چاہنے والوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ اس کی سربلندی ہے۔ گویا سرو ہر روز نشو و نما پا کر اونچا ہوتا جا رہا ہے۔ اور ہمارا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا)

(۷) اے نظیری۔ اپنی آواز پر نازاں نہ ہو۔ کہ جو شخص بھی دنیا سے چلا گیا اس کے چلے جانے کے بعد، نغمہ زیادہ دلپذیر اور باغ زیادہ آراستہ ہو گیا۔ کسی شخص کی موت سے دنیا میں کوئی کمی اور خلا واقع نہیں ہوتا بلکہ جو جگہ خالی ہوتی ہے۔ قدرت کا ہاتھ اس کو پہلے سے زیادہ بہتر طریق سے پُر کر دیتا ہے)

غزل نمبر ۱۶

بحر: ہزج مسدس اضرب مقبوض محذوف الآخر — ارکان: مفعول مفاعلن فعولن

۱ یکبارہ درِ وفا برآور — ایں مہر قدیم را سرآور
۲ یا محرمِ کعبۂ صفا کن — یا بر سرِ کوئے بتگر آور
۳ گر نقشِ یدیم خامہ سر کن — ور سطرِ جبیم مسطر آور
۴ پیراہنِ گل ہزار رنگ است — یک گیش ہم از وفا در آور
۵ طوفانِ چہار موجہ داری — کشتیٔ ہزار لنگر آور
۶ گر بدمستیم بادہ کم دہ — ور مخموریم ساغر آور
۷ در از شر و شورِ ما بہ تنگی — مجلس بر چین و بستر آور
۸ اے ہادیٔ کعبۂ نظیری — مومن بُر و کیش کافر آور

امروز بر نگِ دیگرش بر
۹ فردا شش بر نگِ دیگر آور

(۱) اس وفا کے دروازے کو ایک ہی دفعہ بند کر ڈال اور اس پرانی محبت کو ختم کر دے (یہ کبھی محبت سے بلانا اور کبھی عتاب سے

نکال دینا جو محبت و وفا کا تمہارا پرانا طریق ہے اسے ختم ہی کر دو۔ تو اچھا، سر برآوردن چیزے وکارے ختم کر دینا۔ انجام کو پہنچا دینا۔ بر آوردن درد رخنہ بند نمودن آں۔ صائب کہتے ہیں ؎

میرساند بوئے مے خود را بخمورانِ خویش — کو بر آرد صد شب با گل در مے خانہ را بہار عجم

(۲) یا تو مجھے پاکیزگی و صفائی (قلب) کے کیمیا کا محرم راز بنا دے اور یا پھر بُت گر کے کوچے میں لے چل (دو رنگی سے نجات پاکر یک رنگی چاہتا ہے۔ یا پورا مومن یا پورا کافر ؎

دو رنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا — سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا)

(۳) اگر ہم بُرا نقش ہیں تو تیرے ہی بنائے ہوئے ہیں، تو قلم کو پھر درست کر کے بنا لے (یعنی ہمیں درست کر دے) اور اگر ہم ٹیڑھی سطر ہیں تو مسطر سر لے آ درست کردن قلم۔ کنایہ از تربیت دادن آں۔ مطلب یہ کہ ہم جو کچھ اور جیسے کچھ بھی ہیں تیرے بنائے ہوئے ہیں۔ اگر ہم میں کوئی خامی، کمی یا نقص ہے تو اسے بھی تو ہی دور کر سکتا ہے)

(۴) پھول کا لباس ہزار رنگ کا ہے اس کا ایک رنگ وفا کا بھی عنایت کر دے (حسن میں اتنی خوبیوں کے ساتھ اگر ایک وفا کا رنگ بھی ہوتا تو کیا خوب ہوتا)

(۵) تو ایسے طوفان میں مبتلا ہے جس میں گرداب پڑ رہے ہیں۔ اس لئے ہزار فگر والی کشتی مہیا کر (دنیا کے مصائب اور حوادث طوفان ہیں۔ ان طوفانوں کے بچاؤ کیلئے اپنے سینے کو اور دل کو ایسا مضبوط بنا لو کہ گویا وہ کشتی ہزار لنگر ہے۔ چہار موجہ: بھنور طوفان چار موجہ: ایسا طوفان جس میں گرداب پڑتے ہوں۔ اس قسم کا طوفان نہایت خطرناک ہوتا ہے)

(۶) اگر ہم بدمست ہیں۔ تو پھر ہمیں شراب نہ پلا۔ اور اگر ہم مخمور ہیں تو پھر ساغر نکال لا (اور شراب پلا) (اگر ہم عشق و محبت یا دیدار جمال کی شراب پی کر بدمست ہو چکے ہوں تو بیشک ہمیں شراب نہ پلا۔ مگر درحقیقت حالت یہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہ ہم مخمور ہیں اس لئے اور شراب ملنی چاہیئے)

(۷) اور اگر تو ہمارے شور و شر سے تنگ آ گیا ہے تو پھر مجلس کو برخاست کر دے اور بستر لے آ (کہ ہم سو جائیں۔ بستر آور کے یہ معنی کہ تو سو جا۔ درست نہیں کیونکہ شور و شر ہمارا ہے، ہمارے سلانے کی ضرورت ہے)

(۸) اے نظیری کعبہ کے رہنما، تو اسے برہمن (ہونے) کی حالت میں لے گیا ہے۔ اب کافر کر کے لا (یعنی ہ۔

(۹) آج اسے اور حالت میں لے جا۔ گل اور رنگ میں لے (یہ شعر سابق کے ساتھ قطعہ بند ہے۔ مطلب یہ کہ اسے ظاہری امور یا کارہائے ایمان و اسلام سے نکال کر حقیقت و معرفت کے ان مقامات بلند پر پہنچا دے کہ ظاہر پرستوں کے نزدیک وہ کفر ہے۔)

غزل نمبر ۱۷

بحر ہزج مثمن اضرب مکفوف مقصور الآخر — ارکان: مفعول مفاعیلُ مفاعیلُ مفاعیل

۱ تعظیمِ پیامِ دلِ آگاہ نگہدار — پیغامِ دلِ خویش ز افواہ نگہدار

۲ تا دامنِ گل پردۂ گلزار دریدہ است — اے شاخِ گیا رشتۂ کوتاہ نگہدار

۳ بر من کہ حریفانِ صبوحی بخروشند — تو قہقہۂ گل بسحرگاہ نگہدار

۴ شد عشق کہ از منزلِ جاناں خبر آرد — اے عقل تو بنشیں و سرِ راہ نگہدار

۵ مجلس بمراد است و محبت بتقاضا — از صد کرانے بُرو درگاہ نگہدار

۶ عاشق ز کجا و سخنِ صبر و جدائی — یارب تو ازیں تہمتِ ناگاہ نگہدار

۷ با خجلتِ جرم از درِ عجز درآمدہ ام — چوں آمدہ ام خواہ مکش خواہ نگہدار

زندانِ وطن بہ کہ گلستانِ غریبی از مصر بکنعاں برو در چاہ نگہدار
خواہی کہ بتو بیش شود شوق نظیری
از پیش خود شش گاہ براں گاہ نگہدار

(۱) (راز معرفت سے آگاہ دل کے پیام کی تعظیم کا خیال رکھ اور اپنے دل کے پیغام کو شہرت سے محفوظ رکھ (راز عشق کو کہ آگاہ دل کا پیغام یہی ہے محفوظ رکھ اور اس کو افشا نہ ہونے دے)

(۲) خبردار! دامن گل نے گلزار کا پردہ ہی پھاڑ دیا ہے (پھولوں کے کھلنے کو گلزار کی پردہ داری قرار دیا ہے۔ کہ حقیقت میں گلزار کے تمام راز گلوں ہی میں پوشیدہ تھے۔) اس لئے اے گھاس کی شاخ! تو اپنے چھوٹے سے دھاگے کا خیال کر لے (کہ باغ کا پردہ تو یہ نہیں) رہا تو تو بیچارہ کس شمار و قطار میں ہے۔ گھاس کے تنکے کی شکل دھاگے سے ملتی ہے۔ یہ مفہوم بھی نکل سکتا ہے۔ کہ بڑوں کے عیوب چھپانے کے لئے چھوٹوں کی ہستی کو قربان کر دیا کرتے ہیں)۔

(۳) جھوٹی پینے والے حریف نیر سے پاس چلتا رہے ہیں۔ (میں محبت ناجنس میں پھنسے ہوا ہوں) تو صبح کے وقت پھول کی ہنسی کا خیال رکھنا (کہ نیت صبح سے لطف اٹھانا اور میری طرح سے غفلت میں نہ گزار دینا)۔

(۴) عشق گیا۔ تا کہ معشوق کے ٹھکانے کا پتہ لائے۔ اس لئے اے عقل تو یہیں بیٹھ جا اور راستہ دیکھتی رہ (عقل عشق کا ساتھ نہیں کر سکتی کہ بقول علامہ اقبال ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

(۵) اگر محبوب کی مجلس تیری مراد کے موافق ہو تو پھر بھی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ سند پر سے کنارہ کشی اختیار کر کے مدت سے پہلو بلو پاسبان جا بیٹھ (محبت میں ظاہری مراتب کی بلندی پستی کوئی چیز نہیں کہ ع

(وہیں رہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست)

(۶) عاشق کہاں اور جدائی اور صبر کی باتیں کہاں (عاشق سے ہجر میں صبر ہو ہی نہیں سکتا) خدایا تو مجھے اس ناگہانی تہمت سے بچائیو (عاشق پر تو ہجر میں صبر کرنے کی باتیں محض تہمت ہیں)

(۷) میں گناہ کی شرمندگی لے کر عجز کے دروازے اور زاری کی راہ سے چونکہ (تیری درگاہ میں آگیا ہوں۔ اب خواہ تو مار ڈال اور خواہ زندہ رکھ (گناہگار ہوں اور گناہ کا معترف۔ اب تیری مرضی پر منحصر ہے کہ جو سلوک چاہے مجھ سے روا رکھ۔ طلب بخشش کا نہایت اچھا طریق ہے)

(۸) وطن کا قید خانہ اچھا کہ غربت (غریب الوطنی) کا گلستاں! اس لئے مجھے مصر سے کنعان میں لیجاؤ اور بیشک کنوئیں میں ڈال دو (حضرت یوسفؑ اپنے وطن کنعان سے مصر کی غربت پر مجبور ہوئے۔ مصر میں انہیں حکومت ملی۔ نظیری کہتا ہے کہ مجھے غربت کی راحت دکھلو نہیں چاہیئے ماں سے بہتر وطن کا قید خانہ ہے)

(۹) اگر تو چاہتا ہے کہ نظیری کی محبت والفت تیرے ساتھ اور زیادہ ہو جائے۔ تو اسے کبھی اپنے پاس رکھ اور کبھی اپنے پاس سے ہٹا دے (تا کہ اس کو ہر وقت اپنے پاس بٹھائے رکھو کہ اس سے سیری پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ ہر وقت اسے جدائی پر مجبور کرو۔ کہ اس سے بیدلی ہو گی۔ دونوں صورتیں محبت کے لئے نقصان رساں ہیں)

غزل نمبر ۱۸

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلان

امروز کاروبار جہاں را خراب گیر فردا کہ شنبہ است شگون از شراب گیر
دریاب سرخوشانِ چمن را بہر صبوح شبنم بروئے بستر و نرگس بخواب گیر

از سرو سر فراختہ صوتِ حزیں شنو ۔ دز شاخِ بر فروختہ مرغ کباب گیر
جز مہرِ دلبرے کہ قوامِ حیات از دست ۔ تن را نمود داں وروا راں را سراب گیر
ہر وقتِ بد کہ روئے دہد آبِ سیل داں ۔ ہر نقشِ خوش کہ جلوہ کند موجِ آب گیر
اشعارِ خوش بگوئے و جلی بر ورق نگار ۔ الفاظِ تر بیار و شکر در گلاب گیر
خواہی ز کشفِ خلوتیاں باخبر شوی ۔ جامِ شراب در کشِ و طرفِ نقاب گیر
خواہ از طریقِ میکدہ خواہ از رہِ حرم ۔ از ہر جہت کہ شاد شوی فتح باب گیر
ہر ذرہ را بقدرِ طلب نور دادہ اند ۔ در کارِ خویش شپرہ را آفتاب گیر

فردا گر بدوست نظیری حساب نیست
امروز ہر سوال کہ داری جواب گیر

(۱) آج دنیا کے کاروبار کو تباہ سمجھ لے (کہ آج جمعہ ہے اور شراب نہ ملے گی) کل کہ ہفتہ کا دن ہے شراب سے شگون لے لینا۔
(۲) ہر صبح کے وقت باغ کے مستوں کو اس حالت میں جا پاکہ کوئی غنچہ ابھی بستہ بدہ ہو اور نرگس سو رہی ہو۔ (یعنی صبح منہ اندھیرے اٹھنے کا عادی ہو جا۔ صبوح۔ یہاں شراب صبح کے معنی میں نہیں بلکہ وقت صبح کے معنی میں ہے)
(۳) سرافراز۔ سرو پر سے نالۂ غمگین سنو۔ اور پھولوں کے رنگ سے، بھیگتی ہوئی شاخ سے بھنا ہوا پرندہ پکڑ لو (سرو کو آزاد کہتے ہیں قمری اس پر عاشق ہوتی ہے۔ پھول کی شاخ پر طرح طرح کے پھول کھل رہے ہیں۔ مگر اس پر بلبل آتشِ محبت سے کباب ہو رہی ہے مختصر یہ کہ "ہر گل کے ساتھ خار" ہے)
(۴) دلبر کی محبت کے بغیر کہ زندگی کی بقا اسی سے ہے جسم کو محض ایک نمود کہ درحقیقت کچھ نہیں سمجھ اور جان کو ایک فریب خیال کر عشق کے بغیر جسم و جان ہیچ ہیں۔ کہ اصل زندگی عشق ہی سے ہے)
(۵) ہر بُری ساعت جو تمہیں پیش آئے۔ اسے پانی کی ایک موج خیال کر وہ وقت تکلیف گزر جائیگا؛ اور ہر خوبصورت نقش جو تمہیں جلوہ دکھائے! اسے پانی کی ایک موج فرض کر لو (رنج اور راحت دونوں گذران اور ناپائدار ہیں کسی کو ثبات و دوام نہیں)
(۶) اچھے اچھے اشعار کہہ اور جلی قلم سے کاغذ پر لکھ۔ تازہ و عمدہ الفاظ لا اور اس طرح شکر اور گلاب کو ملا دے۔
(۷) اگر تو چاہتا ہے کہ خلوت نشینوں کے کشف سے واقف ہو جائے۔ تو شراب کا جام پی لے اور محبوب کا گوشۂ نقاب الٹ لے۔ (یعنی شراب پینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تجھے محبوب کا رخ نظر آجائیگا۔ شراب معرفت میں سرشار ہو کر اسکا مہمان خود بخود نظر آجاتا ہے)
(۸) خواہ میکدہ کے راستے سے اور خواہ حرم کی راہ سے۔ غرض جس طرف بھی تو پسند کرے اپنی مراد حاصل کرے۔ (عشق میں حرم و میکدہ کی تمیز اٹھا دے کہ سب راستے اسی ایک راہ میں جا ملتے ہیں۔ فتح باب کشادگی کارہا و آغاز موسم برسات یہاں بمعنی اول)
(۹) ہر ایک ذرہ کو اس کی خواہش کے مطابق نور دیا گیا ہے۔ جس قدر نور معرفت کی کسی کو ضرورت تھی قدرت نے اسی قدر اس کو دے رکھا ہے۔ اپنے کام میں چمگادڑ کو آفتاب سمجھ لو چمگادڑ روشنی آفتاب کی تاب نہیں لا سکتی۔ تو گویا اس کے پاس نور بہت ہی تھوڑی مقدار میں ہے درحقیقت چمگادڑ کو اتنے ہی نور کی ضرورت تھی وہ اپنے (روشنی) طرح شاد کام ہے جس طرح آفتاب اپنے نور سے۔
(۱۰) اے نظیری! کل پھر دوست سے حساب کا موقع نہیں ملیگا۔ اس لئے آج جو سوال کرنا چاہتا ہے کر لے اور جواب لے لے۔ (میر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے)

غزل نمبر ۱۹

بحر ہزج مسدس اضرب مقبوض مقصور الآخر — ارکان: مفعول مفاعلن فعولن

غم گرد فراق دید از دور ۱ — آویخت دگر بجانِ رنجور
از عشرتِ ناقص زمانہ ۲ — کوتاہ امل ترم ز مخمور
رخسارۂ خوشدلی نہ بینم ۳ — دل شد ز فراق چشمِ بے نور
تقصیر نشد بگریہ پنہاں ۴ — در آب نشد دفینۂ مستور
زخمِ جگرم کہ میزند جوش ۵ — کانِ نمکی کہ میکند شور
کوہ نشود بخامشی حرف ۶ — مرہم چکند بزخم ناسور
آنجا کہ شرابِ شوق دادند ۷ — تہ جرعہ زمن گرفت منصور
بوئے ز نشاط ماندارد ۸ — آب و گلِ صد ہزار غفور
مشکل حالے و طرفہ کارے ۹ — خود شاہد و خود نشستہ مہجور
کارِ تو ہمہ بدل موافق ۱۰ — از نیکوئی تو چشم بد دور

زود از تو شود غنی نظیری
" درویش یکے و شہر معمور

(۱) غم نے دور سے فراق کی گرد اڑتی ہوئی دیکھی اور وہ پھر (مجھ) رنجور کی جان سے لپٹ گیا۔ (ایک بچہ جو کبھی آندھیوں کے جھکڑ چلتے دیکھ کر دہشت زدہ ہو چکا ہو۔ ذرا سی گرد دور سے اڑتی ہوئی دیکھتا ہے۔ تو جھٹ خوف کے مارے کسی عزیز سے لپٹ جاتا ہے۔ غم عشق فراق کی سختیاں سہہ چکا ہے۔ اس لئے اب اگر فراق کی آمد کے آثار کو دور سے بھی دیکھ پاتا ہے تو جھٹ عاشق کی جان سے آکر لپٹ جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہجر کے تصور ہی سے عاشق کی جان پر بن جاتی ہے)

(۲) ہیں زمانے کی ناقص عشرت کی وجہ سے مخمور شخص سے بھی زیادہ کوتاہ امید والا ہوں (اور) زمانے میں عشرت کامل کسی کو بھی حاصل نہیں۔ خمار زدہ شخص کی عشرت نشۂ مے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے

(۳) تجھے اب خوشدلی کا چہرہ نظر نہیں آتا۔ کیونکہ میرا دل فراق کی وجہ سے بے نور آنکھ (کی طرح) ہو چکا ہے (ہجر نے دل کی امید و آرزو کی چمک کو بالکل فنا کر دیا ہے۔ اس لئے کسی خوشی کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ فراق کے غم کے ہجوم نے سبب خوشی خوشی نہیں معلوم ہوتی)

(۴) میری تقصیر رونے سے چھپ سکی گویا دفینہ پانی میں چھپا نہ رہ سکا (گویا تقصیر ایک دفینہ تھا اور گریہ پانی۔ خود گریہ کی وجہ سے گناہ ظاہر ہو گیا)

(۵) میرا بدن جگر یا ہمہ تن زخم جگر ہوں کہ اس طرح جوش مار رہا ہوں اور تو گویا نمک کی ایسی کان ہے۔ جو نمک پاشی کرتی ہے (تیرا کام میرے زخمہائے جگر پر نمک پاشی کرنا اور میرا کام من تو شدی کے نعرے لگانا ہے۔ شورہ۔ کھینی نمک وغیرہ)

(۶) یہ بات عشق کی خاموشی سے بھی ختم نہیں ہوتی۔ زخم جب ناسور ہو جائے تو پھر اس پر مرہم کیا کام دے سکتی ہے (گویا عشق نے ناسور ڈال دیئے ہیں اور خاموشی مرہم ہے۔ مگر مرہم معمولی زخموں پر اثر کر سکتی ہے۔ ناسور پر پھاہا رکھنے سے کیا فائدہ۔ کسی نے کہا ہے کہ "حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم"۔ مگر نظیری کہتا ہے کہ یہ حکایت کسی طرح ختم ہونے میں ہی نہیں آتی مطلب یہ کہ عموماً خاموشی سے صبر آجایا کرتا ہے۔ مگر میری بیقراری اور تڑپ خاموشی سے اور زیادہ ہو جاتی ہے)

(۷) جہاں عشق کی شراب دے رہے تھے۔ وہاں منصور نے مجھ سے صرف چھٹ لیا (تو جرعہ بقلب اضافت۔ جرعہ نہ جب چھٹ کی کیفیت یہ ہے کہ منصور ضبط نہ کر سکا تو شراب کے جوش کی کیا کچھ حالت نہ ہوگی۔ میں منصور سے کہیں زیادہ اسرار معرفت سے آگاہ ہوں)

(۸) ہزاروں سلاطین کی سرشت میں اس نشاط کی خوشبو بھی نہیں جو ہمیں حاصل ہے (ہمارے جیسا نشاط و مسرت سلاطین کو بھی حاصل نہیں)

(۹) وہ خود ہی عاشق اور خود ہی اس کے فراق میں مغموم بیٹھا ہے۔ یہ عجیب کام اور مشکل حال ہے۔

(۱۰) تیری خوش قسمتی سے تیرے تمام کام حسب مراد ہیں۔ خدا نظر بد سے بچائے رکھے۔

(۱۱) نظیری جلد ہی تیرے سبب سے دولتمند ہو جائیگا۔ کیونکہ وہ درویش ایک ہی ہے اور تیرا حسن کا تمام شہر آباد ہے (کیا شہر حسن ایک درویش کو بھی غنی نہ کر سکے گا)

غزل نمبر ۲

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور — ارکان:۔ مفاعلن۔ فعلاتن مفاعلن فعلان

دو چار ہر کہ شوی جز سراغ یار مگیر ۱ — سپند ہر سر آتش شود قرار مگیر
چو وعدہ در رسد او خود بیاد خواہد داد ۲ — بذوق خویش سر راہ انتظار مگیر
ز آب و دانہ ہمہ وحشیاں برآمدہ اند ۳ — سر شکار نداری پئے شکار مگیر
تو آں درخت نہ کز بر تواں خوردن ۴ — پئے نظارہ خوشی گل فشاں و بار مگیر
حقوق صحبت او نکتہ ایست کم مشمار ۵ — وفائے دوست متاع خوشی ست خوار مگیر
چو لالہ سوختہ دل یا چو سرو فارغ باش ۶ — ہزار رنگ مشو طور نو بہار مگیر

شراب غیر نظیری خمار مے آرد
قدح ز ساقی بیگانہ زینہار مگیر

(۱) تو جس سے بھی ملے اپنے یار کے سراغ کے سوا کچھ مت طلب کر۔ ہر ایک آگ پر سپند بن جا۔ مگر قرار نہ لے۔ (سپند آگ پر ڈالنے سے تڑپ کر اوپر کو اٹھتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہر جلوۂ حسن سے لطف اندوز ہو لے۔ مگر تیرا مطلوب ہمیشہ معشوق حقیقی ہی رہے۔ محض عشق مجازی میں پھنس کر نہ رہ جا)

(۲) جب وعدہ کا وقت آجائیگا تو وہ خود ہی تجھے یاد دلا دے گا۔ اس لئے اپنے شوق سے سر راہ انتظار نہ کر (جب اسے تجھ پر اپنے لطف سے ناز ہوگا۔ تو وہ بے طلب تجھے اپنی عنایتوں سے شاد کام فرما دے گا۔ وعدہ:۔ مقررہ وقت)

(۳) تمام وحشی آب ودانہ کو ترک کر چکے ہیں۔ اس لئے شکار کا خیال ہرگز نہ کر اور نہ شکار کا پیچھا کر تیرے دام حسن میں کوئی نہیں پھنسنے کا کیونکہ سب پھنسے ہوئے ہیں)

(۴) تو ایسا درخت نہیں ہے کہ تیرا پھل کھا سکتے ہوں اس لئے صرف نظارہ کیلئے اچھے اچھے پھول ہی برسا دے۔ اور بیشک پھل نہ لا بار گرفتن:۔ درخت کا پھل دار ہونا تیرے وصل سے محفوظ نہیں ہو سکتے اس لئے جلوۂ دیدار سے ہی ہماری آنکھوں کو منور کر دے۔)

(۵) اس کی محبت کے حقوق ایک نکتہ ہے اسے حقیر مت خیال کر اور اس کی وفا مسرت و شادمانی کا سرمایہ ہے اسے ذلیل نہ جان۔ اگر اس نے تمہیں اپنا ہم صحبت بنا کے رکھا ہے تو اسے معمولی بات نہ سمجھو بلکہ اس وجہ سے اس کے تم پر کئی حقوق قایم ہو چکے ہیں اور یہ سمجھنے والوں کے لئے ایک نکتہ ہے نہایت باریک۔ اسی طرح اگر وہ تم سے وفا کرتا ہے تو یہ صحبت مانند طلا کی ایک دولت ہے گراں قدر)

(۶) یا تو گل لالہ کی طرح سوختہ دل ہو جا اور یا پھر سرو کی طرح آزاد ہو جا۔ ہزار رنگ نہ ہو اور نو بہار کا طریقہ اختیار کر دیا تو ہمہ تن عشق میں جل بھن جا اور یا پھر مطلق عشق کے قریب مت جا۔ لالے کے پھول کو سرخی میں آگ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ اور سرو آزاد مشہور ہے۔ غرض یہ کہ ؎

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا

بہار کو طرح طرح کے پھولوں اور سرسبزیوں کی وجہ سے ہزار رنگ کہتے ہیں)

(۷) اے نظیری! عشق کی شراب خمار پیدا کرتی ہے۔ اس لئے بیگانہ ساقی سے بھی جام شراب نہ لینا اور محبوب کے سوا دوسرے کے ہاتھ سے شراب نہ پینا کہ خمار پیدا کرے گی۔ عشق و دیدار کی شراب ایسی ہے جو خمار نہیں لاتی بلکہ یہ شراب معرفت عارفان کامل سے حاصل کرو)۔

تمت بفضلہ وکرمہ والحمد للہ علی منہ واحسانہ

RR 891501423

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیر انہ لیا جائیگا۔

جامعہ عثمانیہ

کتب خانہ

۱۔ اراکین مجلس کی مجلس انتظامی سے کتب خانہ کی مجلس نظم

۲۔ اساتذہ جامعہ عثمانیہ و طلبہ جامعہ کو ایک ایک کتاب ایک وقت میں دی جائے گی۔

۳۔ طلبہ یا تین اجرت شدہ کتابیں لے سکتے ہیں۔

۴۔ طلبہ کو کتابیں دو ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۵۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۶۔ بیرونی کتابیں دو ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۷۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۸۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۹۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۱۰۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۱۱۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۱۲۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۱۳۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۱۴۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۱۵۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۱۶۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۱۷۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۱۸۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۱۹۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

۲۰۔ بیرونی کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔